حدیثِ نبوی ﷺ

اور

سائنسی علوم

مولانا عبدالحق ہاشمی

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی

Marfat.com

حدیثِ نبوی ﷺ

اور

سائنسی علوم

مولانا عبدالحق ہاشمی

Marfat.com

۱۲۵۷۹۰

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ!

کتاب: حدیثِ نبویؐ اور سائنسی علوم

مصنف: مولانا عبدالحق ہاشمی

ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈمی۔ کراچی
(ادارہ معارفِ اسلامی۔ کراچی)
Email: irak.pk@gmail.com
Website: www.irak.pk

تقسیم کنندہ: اکیڈمی بک سینٹر (A.B.C.)
ڈی۔۳۵، بلاک۔۵، فیڈرل بی ایریا
کراچی۔۷۵۹۵۰
فون: ۳۶۸۰۹۲۰۱۔۳۶۳۴۹۸۴۰(۰۲۱)

اشاعت: محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۔ نومبر ۲۰۱۴ء

قیمت: ...... روپے

Marfat.com

۰۲-۱۰-۱۰ ۲۰۱۵

انتساب

اُن محدثین عظام کے نام جنہوں نے

پیغمبر اسلام کی متبرک احادیث سے انسانیت کو روشناس کیا

اور اُن متلاشیانِ حق کے نام جو

رموزِ فطرت پر غور و خوض کرتے ہوئے

ہدایت سے ہمکنار ہوئے۔

Marfat.com

فہرستِ ابواب

باب اوّل:	حفظانِ صحت کے زرّیں اصول	۹
باب دوم:	تشخیصِ مرض، دواسازی اور علاج	۶۹
باب سوم:	نفسیاتی صحت اور آداب	۱۳۳
باب چہارم:	برقیات	۱۷۱
باب پنجم:	علم الحیوان	۲۲۱
باب ششم:	مظاہر قدرت۔ گل ہائے رنگارنگ	۲۴۱
باب ہفتم:	فلکیات	۳۰۱
حوالہ جات		۳۲۱

Marfat.com

حدیثِ دل

سائنس اور وحی میں بہت زیادہ فرق ہونے کے باوجود ایک مماثلت بہت واضح ہے کہ دونوں فروغِ علم کے معتبر ذرائع میں سرفہرست ہیں۔ حقیقت پسندی اور علم دوستی کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ اس اعتبار سے دونوں کو متضاد نہ سمجھا جائے، ان کے درمیان افتراق و اختلاف کی تحریک کبھی بھی معقول وجوہات کی حامل نہیں رہی، بلکہ اس خلاف و تضاد کے اسباب ہمیشہ معاشی و سیاسی اور نام نہاد مذہبی اجارہ داری کی خواہش سے جنم لیتے رہے۔

سائنس درحقیقت قوانینِ فطرت کی معرفت اور شناخت کا دوسرا نام ہے، یا اشیائے کائنات کے اندر پنہاں فطری خواص کی پہچان اور ادراک دراصل سائنس کہلاتا ہے۔ اگر یہی فوائد علمِ وحی سے بدرجہ اتم حاصل ہو جائیں تو نہ صرف وحی کا مقام متعین ہو جاتا ہے بلکہ اہل علم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے جو اس حقیقت سے آنکھیں چراتے ہیں، وہ فی الاصل اپنے علم کو کچھ منفی میلانات سے آلودہ کرتے ہیں۔

سائنس پر علم وحی کا تفوق کچھ اس طرح بھی ثابت ہوتا ہے کہ سائنس جن حقائق کو تجربات کے طویل سلسلے کے بعد پہچانتی ہے وحی انہیں ایک ہی جست میں زیرِ دام لے آتی ہے، پھر سائنسی تجربہ و مشاہدہ مسلسل تبدیلی و تغیر بلکہ تضاد سے بھی دوچار ہوتا رہتا ہے۔ جبکہ وحی جس حقیقت کا اعلان ایک بار کر دیتی ہے پھر اس میں کسی ترمیم و تغیر اور نئے تجربے کی گنجائش نہیں چھوڑتی۔ چنانچہ اس بات کے نہایت معقول ہونے میں اب کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ وحی کا حکم سائنس کے فتوے کے مقابلے میں زیادہ پائیدار، لائق اتباع اور بلند علمی درجے کا حامل ہوتا ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب کی غرض و غایت میں یہ ہدف ایک مرکزی خیال کے طور پر شامل ہے جس کا تذکرہ چند سطریں پہلے گزرا ہے۔ یوں بھی سائنس اب روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکی

Marfat.com

ہے اور یہ انسانی تجربے و مشاہدے کا ثمر ہے، اس اعتبار سے یہ ایک انسانی موضوع ہے، تاہم علومِ وحی مزین احادیث کی روشنی میں اسے دیکھنا ایک زندہ عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عمل کی افادیت اس طرح بھی ظاہر ہوتی ہے کہ سائنس محض ایک تجرباتی علم ہے، اخلاقیات اُس کا موضوع نہیں، نہ ہی وہ اچھے برے کا کوئی معیار فراہم کرسکتی ہے۔ یہ استفادہ صرف وحی سے ہوسکتا ہے جس کی بنیاد روحانیت پر استوار ہے، مگر اس میں علمِ فطرت کا عظیم خزانہ بھی پوشیدہ ہے جسے غور و فکر کے نتیجے میں تلاش کیا جاسکتا ہے، یہ سلسلہ ترقیٔ علوم کے میدان میں تا قیامت جاری رہے گا اور اس اسلوب کے ذریعے حدیثِ نبوی کی رہنمائی میں علوم کی تشکیلِ جدید کی منزل تک پہنچا جاسکے گا۔ شاید اس طرح انسانیت اپنی متاعِ گم گشتہ کو پاسکے۔

بالعموم وحی کے حقائق کو سائنس کی میزان پر پرکھا جاتا ہے، اہلِ دانش کا یہ رویہ کہاں تک علمی قرار دیا جاسکتا ہے اس پر دو رائے ہوسکتی ہیں، البتہ زیرِ نظر کاوش میں قارئین یہ محسوس کریں گے کہ سائنس، وحی کے دربارِ علم میں حاضر ہو رہی ہے، مجھے اس اعتراف میں کچھ عار نہیں کہ میں کوئی سائنس دانس نہیں ہوں، نہ ہی مجھے اپنی رائے کی صحت پر اصرار ہے۔ تاہم مظاہرِ قدرت پر غور و خوض میرے شوق کی دست گاہ ہے۔ عمرِ رفتہ کے کئی سالوں سے حدیثِ مبارکہ کے مطالعے اور تدریس کے دوران یہ خیالات مجتمع ہوتے رہے جو آج بحمد للہ اس کتاب کی صورت میں مجسم ہیں۔ اب تک کا مشاہدہ یہ ہے کہ قرآن اور سائنس کے تعلق پر مسلمان اور غیر مسلم اہلِ علم نے خاصی دادِ تحقیق دی ہے، مگر حدیث نبوی پر یہ کام محض ''طب نبوی'' اور ''علم النفس'' کے بعض پہلوؤں تک محدود رہا ہے۔ علمائے عرب کے ہاں اس موضوع پر کچھ تنوع ضرور پایا جاتا ہے، لیکن اردو میں اگر کچھ مواد دستیاب ہے تو اُس میں تحقیق و ضبط کے لحاظ سے کافی تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

ہماری یہ کوشش بھی نقائص و خطا سے مبرا نہیں، لیکن یہ سائنسی موضوعات کے وسیع افق پر اُن احادیث نبویہ کا ایک مطالعہ ہے جن میں معروف علمی حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

سائنس اور وحی کے مابین یہ کوئی نزاعی تحقیق نہیں ہے بلکہ حدیثِ نبوی میں سائنسی

Marfat.com

استدلال کو واضح کرنے کی ایک ابتدائی کوشش ہے، بعض احادیث میں یہ پہلو خاصا نمایاں ہے اور بعض احادیث کے اشارات اس قابل ہیں کہ اُن پر سائنسی طرزِ تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اہل فن کے لیے صلائے عام ہے کہ وہ اس میدان میں دادِ تحقیق دیں، تصحیح و اضافہ فرمائیں اور اپنے علمی جواہر پاروں سے اصحابِ ذوق کو فیضیاب کریں۔

میں اس موقع پر ملک کے وقیع تحقیقی ادارے ''اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی'' کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر محترم پروفیسر سید شاہد ہاشمی صاحب کے لیے سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا فیصلہ فرمایا۔ ادارے میں طباعت و اشاعت کی نگرانی پر فائز محترم ارشد بیگ صاحب اور اُن کی پوری ٹیم بھی میرے جذباتِ تشکر کا مرکز ہے جنہوں نے پوری یکسوئی اور محنت سے کتابت سے طباعت تک کے مراحل کو بخوبی طے کیا اور کتاب قارئین کے ہاتھوں تک پہنچی۔ وہ تمام دوست اور اہلِ علم بھی میری دعاؤں میں شامل ہیں جنہوں نے حوصلہ افزائی کی، ہمت بندھائی اور مفید مشوروں سے نوازا۔

میں اپنی دختر وجیہہ ہاشمی کی درازیٔ عمر اور صحت و برکت کے لیے بھی دعا گو ہوں کہ جس نے مسودے میں انگریزی کلمات کی تصحیح میں میرا ہاتھ بٹایا۔

یہ اظہارِ تشکر دراصل اللہ رب العزت کے حضور شکر مندی کے احساسات کا وسیلہ ہے اور حدیثِ نبوی ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ'' کی تعبیر ہے۔ اللہ اپنے نبی کی احادیثِ پاک سے ہمارے اس تعلق کو مضبوط کرے اور ہم سب کو اس پر اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

المخلص

عبدالحق ہاشمی

۱۴/۱اکتوبر ۲۰۱۴ء

کوئٹہ۔ بلوچستان

Marfat.com

Marfat.com

بابِ اوّل

حفظانِ صحت کے زرّیں اصول

Marfat.com

ترتیب

حفظِ صحت کا خودکار نظام	۱۱	صحت کی بقا اور استواری	۳۹
وضو اور طویل العمری کا راز	۱۲	راحت اور آنکھوں کا تعلق	۴۰
بقائے صحت کا دائمی نظام	۱۳	غذا کا بہترین وقت	۴۲
خوراک اور نفاست	۱۴	اشتہاء اور خوراک کا تعلق	۴۳
دل کا تحفظ	۱۵	کھانے کے لیے موزوں نشست	۴۴
نظامِ بدن کی استواری	۱۷	خوراک اور بیکٹیریا	۴۶
جراثیم ایک حیوانی مخلوق	۱۸	نظامِ اخراج پر شکر اور تعریف	۴۷
جراثیم پروری کے مقامات	۱۹	قرنطینہ کا اصول	۴۸
ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ	۱۹	پیاس پانی اور سیرابی	۵۰
امراض کی جڑ	۲۰	غذا اور اصولِ کفایت	۵۲
چہرے کی ورزش	۲۱	دوامِ صحت کا اصول	۵۳
مسواک کے ہمہ گیر فائدے	۲۲	تطہیر بدن اور نشوونما	۵۴
سائنس اور خصالِ فطرت	۲۳	روزہ ایک حفاظتی ڈھال	۵۵
ختنہ کی طبی افادیت	۲۵	قدموں کا توازن	۵۶
وائرس	۲۷	متوقع ضرر کا تدارک	۵۷
جراثیمی مواد کا خاتمہ	۲۸	تکالیف کا سدِّ باب	۵۸
اندرونی جراثیم سے بچاؤ	۳۰	برکت اور سائنس	۵۹
دہنِ سگ کے جراثیم	۳۱	خواتین سے مصافحے کی	۶۱
خارجی جراثیموں سے تحفظ	۳۲	ممانعت اور اس کی حکمت	
جراثیمی پھیلاؤ کا تدارک	۳۳	نظربازی کے عواقب	۶۲
جراثیم سے پرہیز	۳۴	وراثتی عیوب سے تحفظ	۶۴
وبا اور آلودگی	۳۴	علمِ طِب کی دستاویزی حیثیت	۶۵
اعصاب کی صحت کا راز	۳۶	موٹاپے کے نقصانات	۶۶
پیدل چلنا	۳۷	اعلیٰ وادنیٰ گوشت کی شناخت	۶۷

Marfat.com

حفظانِ صحت کے زرّیں اصول

حفظِ صحت کا خودکار نظام

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَكَانَتِ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ اَذًى. (سنن ابوداود: ۳۳)

''حضرت عائشہؓ (ام المومنین) فرماتی ہیں کہ آپؐ کا دایاں ہاتھ تمام پاکیزہ کاموں اور غذا تناول کرنے میں استعمال ہوتا تھا، جبکہ بایاں ہاتھ قضائے حاجت اور میل کچیل دھونے کے لیے مخصوص تھا''۔

یوں تو انسانی بدن کا ہر عضو ایک منفرد مقام رکھتا ہے، مگر ہاتھوں کی اہمیت کئی لحاظ سے حد درجہ مسلّم ہے۔ ہاتھوں کی مدد کے بغیر دیگر اعضاء کی کارکردگی بڑی حد تک ناقص ہی رہتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں انسان کو ایسے بے شمار امور سے سابقہ پیش آتا ہے جو صرف ہاتھوں سے انجام دیے جاسکتے ہیں۔ ان میں صاف ستھرے اور ناپاکی سے متعلق امور بھی شامل ہیں، جن کی کوئی ترتیب بھی متعین نہیں کی جاسکتی۔ ایک نفیس اور پاکیزہ کام کرتے کرتے اچانک کسی آلودہ کام کو سرانجام دینے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ ایسی صورت میں گندگی اور غلاظت سے بچاؤ اور ان سے انسانی صحت کو پہنچنے والے نقصان سے تحفظ ایک مشکل کام بن جاتا ہے۔ زیرِ نظر حدیث مبارکہ میں اس مشکل پر قابو پانے کی ایک سائنٹفک تدبیر بتائی گئی ہے، جس کی مثال اور کسی انسانی تہذیب میں نہیں ملتی۔ یہ تدبیر انسانی ہاتھوں کے مختلف استعمالات میں ایک واضح تقسیم پر مشتمل ہے، جس میں خاص طور پر بائیں ہاتھ کو ناپاک اور آلودہ چیزوں کی دھلائی اور صفائی کے لیے متعین کر دیا گیا ہے اور دایاں ہاتھ دیگر تمام امور کے لیے خاص ہے۔ اگر ہاتھوں کو اس تدبیر کا عادی بنالیا جائے تو انسانی زندگی میں آلودگی اور جراثیم سے بچاؤ کا ایک خودکار نظام وجود میں آجاتا ہے جس کے باعث جسم اور اس کی

Marfat.com

غذاؤں کو بڑی حد تک اُن اثرات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے جو ناتوانی اور امراض کا باعث بنتے ہیں۔ یاد رہے کہ حفظانِ صحت کا یہ بہترین نظام علم وحی پر ایمان رکھنے والے معاشروں میں ہی وجود میں آسکتا ہے۔ تعلیماتِ شریعت پر جس قدر عمل زیادہ ہوگا، معاشرے کا وقائی نظام بھی اتنا ہی مضبوط ہوگا۔

وضو اور طویل العمری کا راز

عَنْ اَنَسٍؓ یَقُوْلُ: خَدَمْتُ النَّبِیَّ ثَمَانِیَ حِجَجٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: یَااَنَسُ اِسْبِغِ الْوَضُوْءَ یَزِدْ فِیْ عُمْرِکَ. (مُسند البزار:۷۳۹۶، مسند ابی یعلی:۳۶۲۴)

''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارے، (ایک موقع پر) رسول اللہؐ نے فرمایا: اے انس خوب اچھی طرح وضو کیا کرو، تمہاری عمر میں اضافہ ہوگا''۔

وضو کو خوب اچھی طرح کرنے کا حکم کئی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ لیکن اس حدیث بالا میں اس عمل کی ایک حسی توجیہ اور بدنی فائدہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے نتیجے میں عمر طویل ہوگی۔ طوالتِ عمر بالعموم بدن کے صحت مند اور اعضاء کے مضبوط اور توانا ہونے کی علامت ہے۔ درحقیقت یہی وہ سائنسی راز ہے جو وضو کے عمل میں مضمر ہے اور حدیث پاک میں اس کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اطباء کی تحقیق اور عام تجربہ یہ بتاتا ہے کہ پانی خواہ ٹھنڈا ہو یا گرم، وہ جسم کے درجۂ حرارت پر ایک خاص اثر کرتا ہے۔ جسم کے مقابلے میں گرم ہو تو خون کی نالیوں کو پھیلاتا ہے، ٹھنڈا ہو تو بدن کی رگوں کو سکیڑتا ہے، اس سے خون کی نالیوں میں ایک قسم کی لچک پیدا ہوتی ہے۔ سکڑنے اور پھیلنے کا یہ عمل خون کی گزرگاہوں کے لیے ایک ایسی لاجواب ورزش ہے جس کے نتیجے میں اُن کے اندر نہ صرف گردشِ خون کا عمل زیادہ رواں اور بہتر ہو جاتا ہے بلکہ وہ فاضل غذائی مادّے جو نسوں میں جم جانے کی وجہ سے مضر ثابت ہو سکتے ہیں دوبارہ خون میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ یہ بات منطقی ہے کہ بدن میں دورانِ خون بلا کسی رکاوٹ کے جاری رہے اور زہریلے غذائی فضلات گردشِ خون کے ذریعے صاف ہو کر خارج

Marfat.com

ہوتے رہیں تو انسانی صحت ایک اعلیٰ درجے پر قائم رہتی ہے، جلد تر و تازہ اور رنگت شاداب رہتی ہے۔ جسم انسانی کا توازن اس بلند معیار پر استوار ہو تو درازیٔ عمر کی بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے۔ طبی ماہرین نے وضو کے عمل میں ہاتھ کے ناخنوں سے لے کر پاؤں کے تلوؤں تک مختلف اعضا کو دھونے اور صاف کرنے کے الگ الگ تفصیلی فوائد بھی بتائے ہیں۔ تاہم حدیثِ مذکورہ میں ایک نہایت جامع حقیقت کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ان تمام فوائد کا احاطہ کرتی ہے۔ (دیکھیے: اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، ص ۳۳۔۴۱)

بقائے صحت کا دائمی نظام

عَنْ سَلْمَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَبَعْدَهُ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّكْثِرَ خَيْرَ بَيْتِهٖ فَلْيَتَوَضَّاءَ اِذَا حَضَرَ غَدَائُهُ وَاِذَا رَفَعَ.

(سنن ابوداؤد: ۳۷۶۱، الآداب للبیہقی: ۳۹۶)

''حضرت سلمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ منہ دھونے میں ہے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ اُس کے گھر میں خیر کی کثرت ہو اسے چاہیے کہ وہ کھانے کے آغاز اور اختتام پر ضرور ہاتھ منہ دھوئے''۔

قبل ازیں ایک حدیث کے ضمن میں بھی برکت کا مفہوم و معنی گزر چکا ہے کہ یہ لفظ نمو و اضافے کے علاوہ نفوذ اور پائیداری کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ ''برکت'' اور لفظ ''خیر'' دونوں میں بہت وسعت پائی جاتی ہے وہ تمام فوائد اور منافع جو کل نظروں سے اوجھل تھے اور آج واضح ہو گئے ہیں یا آج نگاہوں سے مخفی ہیں اور کل نمایاں ہو جائیں گے تمام کے تمام ان دونوں لفظوں کے احاطۂ مفہوم میں شامل ہو سکتے ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث میں برکتِ طعام کو ہاتھ منہ دھونے سے متعلق بتایا گیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ امور دنیا سرانجام دینے میں ہاتھ اور منہ جس طرح آلودگیوں کا شکار ہوتے ہیں، اگر انہی آلودہ ہاتھوں سے کھانا تناول کرلیا جائے تو یہ کھانا فائدے کے بجائے الٹا نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔ سکونِ نفس اور تقویتِ بدن کی غرض سے کھائی ہوئی غذا اپنا مقصد حاصل نہیں کر پاتی اور

Marfat.com

ضعفِ بدن کا باعث بن جاتی ہے۔ جدید طبی جائزوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ پیچش، اسہال، قے اور ہیضے کی تکالیف بیرونی آلودگی کے خوراک میں شامل ہونے سے پیدا ہوتی ہیں اور پراگندہ ہاتھوں کا اس میں بنیادی کردار ہوتا ہے۔

یہ وہ مفاسد ہیں جن سے محفوظ رکھنے کے لیے نبی پاکؐ نے بیکٹیریا کی دریافت سے بہت پہلے ہی امت کو متنبہ فرما دیا تھا اور اس سے مستقل بچاؤ کی تدبیر بھی بتا دی تھی۔

یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ حدیث میں صرف کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے کے حکم پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھونے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ کھانے کے دوران چکنائی اور مختلف غذاؤں کی بساند سے بھی ہاتھوں کو فوراً پاک کر لیا جائے تاکہ طہارت و نفاست کے ساتھ جراثیموں سے بچاؤ کا ایک دائمی نظام وجود میں آجائے اور ہاتھوں کی جلد بھی الرجی اور خارش جیسے امراض سے محفوظ رہے۔ انسان کے ہاتھ کارآمد رہیں گے تو قوتِ کار میں بھی اضافہ ہوگا، خوشحالی بڑھے گی اور حدیث نبوی کے مطابق گھر خیر و برکت کا مرکز بن جائے گا۔ (دیکھیے: عون المعبود شرح سنن ابوداؤد از شمس الحق عظیم آبادی، ج ۱۰، ص ۱۶۸)

خوراک اور نفاست

عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّيْثِیِّؓ قَالَ: قَدِمَ النَّبِیُّ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَجُبُّوْنَ اَسْنِمَةَ الْاِبِلِ وَيَقْطَعُوْنَ اِلْيَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ: مَاقُطِعَ مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَهِیَ حَيَّةٌ فَهِیَ مَيْتَةٌ. (سنن ابوداؤد: ۲۸۶۰، سنن ترمذی: ۱۴۸۰)

''حضرت ابوواقد اللیثیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کے لوگ اونٹ کی کوہان اور بھیڑ کی چکتی کاٹ کر (کھایا کرتے تھے) چنانچہ آپ نے فرمایا: زندہ جانور سے کاٹا ہوا ٹکڑا مردار ہے''۔

طہارت و پاکیزگی کے ساتھ ساتھ نفاست و تہذیب کے جو معیار اسلام نے متعارف کرائے، اُن میں سے ایک زیر نظر حدیث سے بھی آشکار ہو رہا ہے، نبی کریمؐ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ بظاہر ہر پسندیدہ شے خوراک بننے کے قابل نہیں ہوتی بلکہ ہوسکتا ہے کہ اُس کے

Marfat.com

اندر خرابیٔ صحت اور فسادِ مزاج کے اسباب پائے جاتے ہوں اور وہ نفاستِ طبع کے بھی خلاف ہو۔ یہ سب باتیں قدیم جنگلی اور بدوی معاشرے میں بہت زیادہ اہمیت اور توجہ کی حامل نہیں تھیں، تاہم رسول اللہؐ نے اپنی رہنمائی کے نتیجے میں فکر و عقل کے استعمال کی دعوت دی تاکہ خود انسانی ذہن فطرت کے مطابق اچھے اور بُرے کی تمیز کرنے کے قابل ہو سکے۔

اس حدیث میں زندہ جانوروں کے جسم سے مخصوص حصے کاٹ کر کھا لینے کے عمل پر غور کریں تو کئی قباحتیں نظر آتی ہیں اور آج جدید سائنسی مطالعے نے بھی انہیں دریافت کر لیا ہے۔ پہلی چیز تو جانور کی اذیت رسانی ہے جو تہذیب و اخلاق اور انسان کے جذبۂ ترحم کے بالکل برخلاف ہے، بھلا ایسے وحشت ناک طریقے سے حاصل کی گئی خوراک انسانی بدن کو کیا قوت اور سکون پہنچائے گی بلکہ خدشہ ہے کہ اس طرح خوراک کے حصول سے انسانی طبیعت میں بہیمیت اور سفاکی جنم لے گی۔ دوسرا پہلو ذوقِ سلیم اور نفاست و پاکیزگی سے متعلق ہے، تجربہ شاہد ہے کہ زندہ حیوان سے اچانک کوئی عضو علیحدہ کر لیا جائے تو وہ بہت جلد سڑاند اور پھپھوند کا شکار ہو جاتا ہے۔ واضح طور پر اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح خون رگوں سے نکل نہیں پاتا، بلکہ اُس کی خاصی مقدار گوشت کے ریشوں میں ہی منجمد ہو جاتی ہے اور خون کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں بہت جلد تعفن پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی گوشت بھی بدرنگ، بدذائقہ اور خراب ہو جاتا ہے۔ اس طرح کا گوشت قابلِ ہضم نہیں رہتا اور بدن کو کئی عوارض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ وہ حکمتیں ہیں جن کی تعلیم سیرتِ طیبہ سے حاصل ہوتی ہے اور علومِ جدید آج تجربہ و دریافت سے انہیں ثابت کر رہے ہیں۔

دل کا تحفظ

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَاتُكْثِرُوا الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ. (سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۴، سنن ترمذی: ۲۳۰۵)

"حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کثرت سے مت ہنسو، بے شک زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے"۔

Marfat.com

ایک زمانے تک حدیث میں دل کی مردنی کا مفہوم یہی سمجھا جاتا رہا کہ اُس کی روحانی کیفیت مرجھا جاتی ہے اور وہ نیکی اور خیر کی طرف مائل نہیں ہوتا، عبادات فرائض ونوافل اور پرہیزگاری بوجھ معلوم ہوتے ہیں، دل تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ نہ نفع پہنچانے کے قابل رہتا ہے اور نہ ہی نقصان سے بچ سکتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۶/ ۴۸۷، احیاء علوم الدین ۳/ ۱۲۸، از امام غزالی)

حقیقت یہ ہے کہ اس معنے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، یہ اپنی جگہ پر قائم ہے البتہ جب سے انسانی بدن کے اندرون جھانکنا اور اعضا کی مختلف کیفیتوں کا جائزہ لینا ممکن ہوا ہے، تب سے اطباء اور قلب وجگر کے ماہرین بھی یہ کہتے ہیں کہ جن حالتوں میں دل کے عضلاتی ریشوں میں کھنچاؤ پیدا ہو وہ اُس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں دیکھا گیا ہے کہ زور سے ہنسنے میں دل کے عضلات اور شریانوں پر خاصا بوجھ آتا ہے۔ یہ صورت اگر بکثرت ہو تو دل کی کارکردگی رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔ (التصویر النبوی للقیم الخلقیہ، از علی صبح ص ۱۷)

ہنسنا بظاہر زندہ دلی کی علامت سمجھا جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اگر کبھی کبھی ہو تو اس کی حیثیت یہی ہے، اسی لیے حدیث نبوی میں مطلق ہنسنے پر کوئی تنبیہ نہیں کی گئی، بلکہ اصل خطرے کی نشاندہی کثرت سے ہنسنے میں کی گئی ہے، اور اسی بات کو آج جدید طب نے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ بعض حاذق اطباء زیادہ ہنسنے کے باعث دل کے ساتھ جگر کی خرابی اور کمزوری سے بھی متنبہ کرتے ہیں، اس صورت میں لفظ ''قلب'' کا مفہوم محض دل نہیں بلکہ انسانی بدن کا وسط اور مرکز مراد ہوگا۔ جس میں تمام اعضائے رئیسہ پائے جاتے ہیں اور قیاس کا یہ تقاضا ہے کہ کثرت سے قہقہہ لگانے کا برا اثر دل اور جگر کے ساتھ پھیپھڑوں پر بھی ہوتا ہوگا، کیونکہ یہ بھی وسیع معنوں میں جسم کے قلب کا حصہ ہیں۔

یہاں علم النفس کا ایک پہلو بھی قابل ذکر ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ انسان جس چیز کا کثرت سے عادی ہو جائے اسے اس کی کمی اور قلت ایک آنکھ نہیں بھاتی، زندگی کے نشیب و فراز میں یہ ممکن نہیں ''کثرتِ ضحک'' کے اسباب ہمیشہ موجود رہیں، اس صورت میں قہقہوں کا عادی انسان مایوسی و ناامیدی میں ڈوب جاتا ہے، جس طرح مال و دولت کا اسراف اور فضول خرچی انسان کو ندامت و حسرت میں مبتلا کرتی ہے۔ اسی طرح ہنسنے کا اسراف بھی دل و دماغ

Marfat.com

پر مردنی پیدا کر دیتا ہے۔ زیادہ ہنسنے والے پر ایک نہ ایک وقت ضرور ایسا آتا ہے جب اس کا دل اُچاٹ ہو جاتا ہے، جبکہ اس قوت کو سنبھال کر رکھنے والا اس کیفیت سے دوچار نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر رسول اللہؐ نے تبسم اور مسکراہٹ کی ترغیب دی ہے، آپ کی زندگی میں وہ مواقع شاید انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جن میں آپ کھلکھلا کر ہنسے ہیں۔

نظامِ بدن کی استواری

عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّؐ قَالَ: اِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَابْدَئُوْا بِالْعَشَاءِ۔ (مصنف عبدالرزاق۔۲۱۸۴، مستخرج الطوسی۔۳۳۰)

''حضرت انس بن مالکؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کا بھی وقت ہو تو پہلے کھانا کھالو''۔

نماز بندے اور رب کے درمیان سرگوشی و مناجات کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی کوئی مثال نہیں، اس کا تقاضا توجہ، یکسوئی اور ترکیز (Concentration) ہے۔ اس کے بغیر نماز کا لطف اور قبولیت دونوں میں نقص لازم آتا ہے۔ اس معنے کے لحاظ سے تو حدیث کا مفہوم بہت واضح ہے کہ کھانا حاضر ہو جانے پر نماز کا مطلوب خشوع وخضوع غارت ہوگا اور عبادت کا حق ادا نہ ہوگا۔

مگر اس حکم کی سائنسی اور کیمیاوی توجیہہ بھی دلچسپ ہے، جسے ماہرین تشریحِ بدن نے اپنی تحقیقات کے دوران دریافت کیا ہے۔ ان علما کا کہنا ہے کہ کھانے کے نظروں کے سامنے آجانے یا اُس کی خوشبوؤں کے بکھرنے سے بدن میں اس کھانے کے استقبال کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، منہ میں پانی آجاتا ہے اور خوراک کو ہضم کرنے والے سائل مادّے غدودوں سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ خود معدہ بھی اُن رطوبتوں کو خارج کرنے لگتا ہے جن میں عملِ انہضام کے لیے کئی قسم کے خمیری اور ترش مادے ہوتے ہیں، اس صورتحال میں اگر کھانا بروقت معدے تک نہ پہنچے اور تاخیر ہو جائے تو یہ تیزابی رطوبتیں خالی آنتوں اور معدے کی دیواروں کو اپنے ترش و تند اثرات سے زخمی کر سکتی ہیں، اس کے علاوہ یہ مشاہدہ بھی سامنے آیا ہے کہ تاخیر و انتظار کی اس کیفیت سے غدودوں سے ہاضم سائل مادّوں کے اخراج کی ترتیب

Marfat.com

بھی خراب ہوسکتی ہے یا سست روی کا شکار ہو کر بدہضمی اور انہضام کے دورانیے کو طویل کرسکتی ہے، اس کے نتیجے میں جو تکالیف اور پریشانیاں لاحق ہوسکتی ہیں، وہ بہت واضح ہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ نبی رحمت کا ہر حکم کس قدر ظاہری و باطنی حکمتوں پر مشتمل ہوتا ہے، نقص علم کے باعث ہم ہر حکم کی علت و منفعت تک نہیں پہنچ سکتے۔ (روائع الطب الاسلامی، ج۱/۴۳)

جراثیم ایک حیوانی مخلوق

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: غَطُّوا الْاِنَاءَ وَاَوْکُوا السِّقَاءَ فَاِنَّ فِی السَّنَۃِ لَیْلَۃً یَنْزِلُ فِیْھَا الْوَبَاءُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ: فَاِنَّ لِلّٰہِ دَوَابَّ یَبُثُّھُنَّ فِی الْاَرْضِ. (سنن ابوداؤد:۵۱۰۶، صحیح مسلم:۲۰۱۴)

اَوْقَالَ: فَاِنَّ لِلّٰہِ خَلْقًا یَبُثُّھُنَّ فِی الْاَرْضِ. (مسند ابو یعلی:۶۵۷۵)

''حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو اور مشکیزے کا منہ باندھ دیا کرو، بے شک سال بھر میں ایک رات ایسی ہے جس میں وبا (بیماری) نازل ہوتی ہے۔ ایک اور روایت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی ایسی مخلوق اور رینگنے والے حیوانات ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ زمین میں پھیلا دیتا ہے''۔

یہ حدیث بہت نمایاں طور پر اللہ کی ایسی زندہ مخلوقات کے وجود کو ثابت کر رہی ہے، جو بیماری یا وبا پھیلانے کا سبب بنتی ہیں۔ یہ بات اُس وقت کہی جارہی ہے جب دنیائے طب اس بات سے قطعی بے خبر تھی کہ امراض کے اسباب میں کسی حیوانی مخلوق کا بھی کوئی کردار ہوسکتا ہے بلکہ دس صدیوں سے زائد عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی طبی و کیمیائی ماہرین ایسے نادیدہ حیوانی وجود کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے جو صحت و مرض کا موجب ہوسکتے ہیں۔ سب سے پہلے لوئی پاسچر (متوفی ۱۸۹۵ء) وہ سائنس دان تھا جس نے جراثیم دریافت کیے اور ان کے وجود کو امراض کے نظریہ میں شامل کیا اس نے یہ تحقیق بھی کی کہ مضر صحت جراثیم اور صحت افزا جراثیم دونوں الگ الگ اپنا وجود رکھتے ہیں۔ (سائنسی دریافتیں ص ۱۴۱)

Marfat.com

سائنسی تحقیقات سے بہت پہلے جراثیم کے وجود کو ثابت کرنے والی محض یہ ایک حدیث نہیں، بلکہ اس نوع کی متعدد احادیث مصادر میں پائی جاتی ہیں جن میں سے بعض کا مزید تذکرہ اسی کتاب میں نظروں سے گزرے گا۔

جراثیم پروری کے مقامات

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ قَالَ: نَھَی رَسُوْلُ اللّٰہِ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ ثُلْمَۃِ الْقَدْحِ. (سنن ابوداؤد: ۳۷۲۷، معرفۃ السنن والآثار از بیہقی: ۴۶۰۰)

''حضرت ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے پیالے میں پیدا ہونے والی درز (رخنے) کے مقام سے پینا منع فرمایا ہے''۔

حدیث کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ پیالے کے رخنے اور شگاف والی جگہ پر ہونٹ درست طریقے سے نہیں جمتے اور مشروب بہہ کر پینے والے کے بدن اور لباس کو آلودہ کر سکتا ہے، اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ پیالے کا یہ ٹوٹا ہوا حصہ ٹھیک طرح سے دھویا نہیں جا سکتا، چنانچہ یہ مقام گندگی اور عفونت کی آماجگاہ بن جاتا ہے (عون المعبود: ج ۱۰/۱۳۵)، جدید تعبیر میں یہ جگہ جراثیم پروری کا مرکز بن جاتی ہے۔ آنحضرتؐ نے مطلق پیالہ پھینک دینے کی تعلیم نہیں دی، بلکہ جراثیم زدگی سے بچنے کے لیے شگاف والی جگہ پر منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا ہے۔ آج بچشم سر جراثیموں کو دوڑتے بھاگتے اور حرکت کرتے ہوئے دیکھ لینے پر ہمیں آنحضرتؐ کے حکم کی سائنسی وجوہات خوب سمجھ میں آسکتی ہیں۔ حدیث میں جس طرح جراثیموں سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے، غور کریں تو جراثیم پروری اور ان کی افزائش کے مقامات کے متعلق بھی متنبہ کرنے کے ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ یہ جگہیں کس نوعیت کی ہو سکتی ہیں تاکہ ان کے بارے میں احتیاط ملحوظ رکھی جائے۔

ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَ اَلْبَرَازَ فِیْ الْمَوَارِدِ وَقَارِعَۃِ الطَّرِیْقِ وَالظِّلِّ. (سنن ابوداؤد: ۲۶، معجم طبرانی کبیر: ۱۶۶۷۱)

Marfat.com

''حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: تین مردود حرکتوں سے بچو، حصولِ آب کے مقامات، شارعِ عام اور سایہ دار جگہوں پر قضائے حاجت سے پرہیز کرو''۔

صفائی اور پاکیزگی انسانی زندگی کے لیے فطری ضرورت کا درجہ رکھتی ہے، سلیم طبائع اگرچہ ہر قسم کی گندگی سے گھن محسوس کرتے ہیں، لیکن انسانی فضلے کی کراہت وعفونت سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے حضور اکرمؐ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ قضائے حاجت کے لیے آپ بیابان میں اتنی دور تک تشریف لے جاتے کہ دیکھنے والوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔

یہ حدیث بھی اسی ادب اور حکمت پر مشتمل ہے کہ بالعموم انسانی آمدورفت کے مقامات کو اس آلودگی اور نجاست سے پاک رکھا جائے تاکہ پانی کے ذخائر، چشمے، کنویں اور تالاب وغیرہ پر آنے والے لوگ اس غلاظت کی اذیت سے بچے رہیں اور پانی بھی اس کے جراثیمی اثرات سے محفوظ رہے۔ اسی طرح شارعِ عام اور سایہ دار جگہوں کا معاملہ ہے۔ حدیث میں خاص طور پر جن تین مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے اُن میں ایک یہ نکتہ بھی قابلِ التفات ہے کہ ان جگہوں پر کثرت سے انسانوں جانوروں اور مختلف سواریوں کے آنے جانے سے گرد وغبار اڑنے اور ہوا کے ساتھ فضا میں پھیل جانے کا واضح امکان موجود ہوتا ہے۔ اس طرح پورا ماحول گندگی کے اثرات اور بیماریوں کے جراثیم سے پراگندہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ رسالت مآبؐ کا یہ فرمان حفظانِ صحت اور ماحول کی سازگاری کے لیے بہترین وقائی تدابیر پر مشتمل ہے۔ کمال یہ ہے کہ تمدن کی ترقی، سول انجینئرنگ کے عروج اور تیز رفتار مشینی صفائی کے انتظامات کے باوجود دنیا بھر میں کوئی بھی ان نبوی تدابیر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

امراض کی جڑ

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اَصْلُ کُلِّ دَاءِ الْبَرْدَۃُ.

(الطب النبوی از ابونعیم اصفہانی: ۵۷۸)

''حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: ہر بیماری کی جڑ ٹھنڈک ہے''۔

Marfat.com

یہ حدیث جرح وتعدیل کے قواعد کے اعتبار سے بہت اونچے درجے کی حامل نہیں، البتہ اس کے معانی سے اطباء اور اہل تجربہ نے ہمیشہ اتفاق کیا ہے۔

انسانی طبیعت کے چار مزاجوں گرم، تر، خشک اور سرد میں سب سے زیادہ مضر اور ہلاکت آفرین مزاج سرد ہے۔ بدن میں اس کے غلبے سے مواد کی تحلیل کے بجائے انجماد کا عمل شروع ہو جاتا ہے جو صحت کی روانی کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ اس کے نتیجے میں کئی امراض بدن میں سر اٹھانے لگتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حرارت زندگی ہے اور برودت موت کا دوسرا نام ہے۔ اسی بنا پر موت کے قریب شدید کمزوری میں اور موت کے بعد انسانی بدن سرد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ کا یہ ارشادِ گرامی تجرباتی اور واقعاتی اعتبار سے بہت درست نشاندہی ہے۔

مشہور طبیب ابن سینا نے لکھا ہے کہ زندگی حرارت سے قائم اور نشوونما رطوبت سے ہوتی ہے۔ چنانچہ بوڑھوں میں برودت اور یبوست اسی لیے بڑھ جاتی ہے کہ وہ جوانوں کے مقابلے میں موت سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ (القانون ج ۱/۹، نیز ص ۱۹ از ابن سینا)

چہرے کی ورزش

عَنْ اَبِی ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: بَسْمَتُکَ فِیْ وَجْہِ اَخِیْکَ صَدَقَۃٌ.

(الادب المفرد: ۸۹۰، تعظیم قدر الصلاۃ از امام مروزی: ۸۱۲)

”حضرت ابوذرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اپنے (مسلمان) بھائی کے سامنے تمہارا مسکرانا صدقہ ہے“۔

حسنِ اخلاق اور خوش مزاجی پر مبنی یہ نصیحت اپنے اندر بڑی معنویت رکھتی ہے، بالخصوص اس مسکراہٹ کو صدقہ قرار دینا اس کی اہمیت کا مزید احساس دلاتا ہے کیونکہ صدقہ یکطرفہ فائدے کی چیز نہیں، بلکہ اس کا فائدہ دینے اور لینے والے دونوں کو حاصل ہوتا ہے۔ لینے والے کی کوئی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور دینے والا ثواب حاصل کرنے کے علاوہ آفات و بلیات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (دیکھیے: صحیح ابن حبان: ۳۳۰۹، سنن ترمذی: ۶۶۴)

کسی مسلمان بھائی سے خندہ روئی کے ساتھ ملنے کو صدقہ قرار دینے میں دوسرے کے

Marfat.com

دل جیتنے کا فائدہ تو ظاہر ہے، البتہ خود مسکرانے والا اس صدقہ سے کیا فیض پاتا ہے؟ اس کے اخلاقی وروحانی فوائد سے قطع نظر انسانی بدن اور اعصاب پر سائنسی تحقیقات نے اس تبسم کا ایک حسّی فائدہ بھی دریافت کرلیا ہے۔ ماہرینِ اعصاب کا کہنا ہے کہ چہرے کے پٹھے سب سے زیادہ مسکراہٹ کے موقع پر متحرک ہوتے ہیں۔ یہ تناسب بولنے، رونے اور دوسرے تاثرات کے مقابلے میں ۹۰ فیصد تک ہوتا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسکراہٹ اور تبسم سے بلند فشارِ خوں میں کمی دیکھی گئی ہے، اسی طرح دماغی اعصاب اس کے نتیجے میں پُرسکون ہوتے ہیں اور اشتہاء چمک اٹھتی ہے (ہیومن باڈی ص ۹۹، از ڈاکٹر سارہ بریور/ ڈاکٹر نوی کرافٹ)

اتنے سارے بدنی فوائد کے باعث ہی غالباً نبی رحمتؐ نے ایک اور حدیث میں فرمایا:
''کسی اچھی بات کو کبھی حقیر مت سمجھنا، بے شک اپنے بھائی سے مسکرا کے ملنا ہی کیوں نہ ہو''۔
(صحیح مسلم: ۲۶۲۶، شرح السنۃ: ۱۶۸۹)

مسواک کے ہمہ گیر فائدے

عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَت: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ: اَلسِّوَاکُ مَطْھَرَۃٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاۃٌ لِلرَّبِّ. (صحیح بخاری: ۲۷، معرفۃ السنن البیہقی: ۱۴۸)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا: مسواک منہ کو پاکیزہ بناتی ہے اور رب کو راضی کرتی ہے''۔

یہ حدیث دراصل مسواک کی فطری تاثیر اور کیمیائی خاصیت کی جانب اشارہ کررہی ہے جن میں گوناگوں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ بطور خاص مسواک اور جدید برش کا مقابلہ مقصود نہیں، بلکہ مسواک اپنے قدرتی خواص کی وجہ سے ازخود فائق اور اعلیٰ قرار پاتی ہے۔ مسواک کی ایک اہم اور واضح خوبی یہ ہے کہ یہ کسی معجون یا منجن کے بغیر بھی منہ اور دانتوں کی صفائی کا کام بہت اعلیٰ طریقے سے کرتی ہے، اس کے علاوہ مسواک کے جو مزید طبی فوائد تجربات سے ثابت ہوئے ہیں اُن میں مسوڑھوں کی مضبوطی، اصلاح معدہ اور قوت بصر کے ساتھ کان کی پیپ، معدے اور خوراک کی نالیوں کی سوزش کو بھی رفع کرتی ہے۔ اطباء کی تحقیق کے مطابق یہ فالج، دل کے مختلف امراض اور کینسر سے بھی محفوظ رکھتی ہے کیونکہ یہ تمام امراضِ مذکورہ دانتوں اور مسوڑھوں

125290

Marfat.com

کے درمیان پائے جانے والے بیکٹیریا کے باعث جنم لیتے ہیں۔ دانتوں کا تعفن کئی امراض کو پیدا کرتا ہے اور مسواک اس بیکٹیریا اور تعفن کو بہت بہتر طور پر ختم کر دیتی ہے۔

آنحضرتؐ کی مسواک کے بارے تاکید اور ترغیب پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ''طبِ وقائی'' یعنی حفظانِ صحت کا ایک بنیادی عنصر قرار پاتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اکثر بیماریوں کے جراثیم بذریعہ دہن ہی حملہ آور ہوتے ہیں اور بدن کے اندر پہنچ کر نت نئی تکالیف پیدا کرتے ہیں۔ اگر منہ کی صفائی کا خیال رکھا جائے اور جراثیمی عناصر کو بدن میں اترنے سے پہلے ہی مسواک کے ذریعے فنا کر دیا جائے تو یقیناً بدن امراض سے محفوظ رہے گا۔

طبی تجربات اس بات پر بھی شاہد ہیں کہ بعض ایسے بدنی اور دماغی امراض جن کا بظاہر دانتوں سے کوئی تعلق نہیں بنتا نہ صرف مسوڑھوں کی سڑاند سے پیدا ہوئے بلکہ محض مسواک کے استعمال سے دور ہو گئے (روزنامہ ایکسپریس صفحہ طب و صحت بحوالہ برٹش میڈیکل جرنل، ۳ فروری ۲۰۱۳ء)

آپؐ کی پسندیدہ مسواک ''پیلو'' کے بارے میں کیمیائی ماہرین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ درخت مسوڑھوں کی سوزش اور دانتوں کا تعفن ختم کرنے میں بے مثال ہے، اس میں ایک مادّہ Sinnigrin پایا جاتا ہے جو اپنی تیز خوشبو اور چلبلے ذائقے کی بدولت جراثیم کشی میں بہت کامیاب ہے۔ (السواک فی میزان الصیدلہ، ص ۱۶، ڈاکٹر علی الرغبان اور ساتھی) ہمارے ملک پاکستان میں بھی ان خواص پر مبنی پیلو کے علاوہ نیم، کیکر، شیشم، پھلائی کی مسواکیں بکثرت پائی جاتی ہیں جو منہ اور دانتوں کی صفائی میں اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں۔

سائنس اور خصالِ فطرت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ الْخِتَانُ، اَلْاِسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِیْمُ الْاَظْفَارِ. (صحیح مسلم: ۲۵۷، الادب المفرد: ۱۲۹۲)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: فطرت کا (نمونہ) پانچ عادتیں ہیں۔ ختنہ کرانا، زیرِ ناف بالوں کی صفائی، بغلوں کے بال اکھیڑنا، مونچھیں کترنا اور ناخن تراشنا۔

Marfat.com

خصال فطرت کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی عادتیں جو فطرت کا مظہر ہیں اور اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں یا ایسے اعمال جو انسانیت اور بہیمیت میں امتیاز قائم کرتے ہیں۔ اس حدیث میں صرف پانچ خصلتوں کا ذکر آیا ہے، اس لیے زیادہ مشہور یہی ہیں۔ البتہ دیگر احادیث میں متعدد دوسری عادات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی شہرہ آفاق شرح فتح الباری لکھنے والے مشہور محدث حافظ ابن حجرؒ نے مختلف احادیث میں ذکر کی جانے والی خصالِ فطرت کا احاطہ کیا ہے، اُن کا کہنا ہے کہ یہ کُل پندرہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ ان پانچ کے علاوہ مزید دس درج ذیل ہیں۔ مسواک کرنا، داڑھی رکھنا، وضو کے بعد پانی کے چھینٹے مقامِ استنجاء پر مارنا، کُلّی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا اور پھر اسے جھاڑنا، انگلیوں کے جوڑوں پر اوپری سلوٹوں کو خوب دھونا، استنجاء کرنا، بالوں میں کنگھی کرنا اور جمعہ کا غسل کرنا۔ (فتح الباری: ۱۰/۳۰۷)

اس وقت ہمارے پیش نظر تمام عادات پر گفتگو نہیں ہے، اگرچہ ان میں سے چند پر مختصر تجزیہ کتاب کے مختلف عنوانات میں آگیا ہے۔

ہم ان سطور میں صرف ایک صفت ''نتف الابط'' یعنی بغل کے بال اکھیڑنے کے بارے میں ایک سائنسی نکتے کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ حدیث بالا میں تین قسم کے بالوں کی صفائی کا حکم موجود ہے۔ زیر ناف بالوں کے لیے ''استحداد'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کا مطلب کسی آہنی آلے سے انہیں مونڈھ دینا قدیم زمانے کا استرا اور آجکل کا بلیڈ اس معنی کے مطابق ہیں۔ اسی طرح مونچھوں کے کترنے یا کاٹنے کی اصطلاح بولی گئی ہے جو اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ البتہ حیرت ہے کہ ان دونوں کے مقابلے میں بغلوں کے بالوں کو اکھیڑنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اگرچہ فقہا نے اسے امکان اور قوت برداشت سے مشروط کر کے یہ گنجائش رکھی ہے کہ بالوں کے گھنے ہونے یا تکلیف محسوس کرنے کی صورت میں اکھیڑنا ضروری نہیں، لیکن الفاظِ حدیث میں بغلوں کے حکم کا منفرد ہونا بطور سوال قائم ہے کہ اس کی توجیہہ کیا ہو سکتی ہے؟

محدثین اور شارحینِ حدیث میں سے نسبتاً قدیم اہل علم میں حافظ ابن حجرؒ نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ بغل کے بال اکھیڑنے سے یہاں پسینے اور اس کی تیزی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۳۴۴)

Marfat.com

مشہور عرب معالج اور سائنس دان ڈاکٹر عبدالرزاق کیلانی نے جدید تحقیق کے ذریعے اس کی تصدیق کی ہے کہ بغل میں موجود وہ ہارمونز جو پسینہ اور چکنائی خارج کرتے ہیں وہ بالوں کی موجودگی میں زیادہ کام کرتے ہیں، اگر انہیں جڑوں سے اکھیڑ لیا جائے تو اُن کا یہ عمل بالکل ختم یا بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ اس سے یہاں پیدا ہونے والا تخمیری عمل بھی رُک جاتا ہے اور عفونت و بدبو پیدا نہیں ہوتی، نہ ہی خارش اور دانے نکلنے کی شکایت ہوتی ہے۔

غالباً یہی وہ حکمت ہے جس کی بنا پر جسم کے باقی بالوں کو کاٹنے یا مونڈھنے کے برخلاف صرف بغل کے بالوں کو اکھیڑنے کی سنت متعارف کرائی گئی ہے۔

(دیکھیے: الحقائق الطبیہ فی الاسلام، از ڈاکٹر عبدالرزاق کیلانی، باب خصال الفطرۃ)

ختنہ کی طبی افادیت

عَنْ اَبِی ہُرَیْرَۃؓ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اَلْفِطْرَۃُ خَمْسٌ، اَلْاِخْتِتَانُ .....

(صحیح مسلم: ۲۵۷، معجم ابن عساکر: ۴۱۸)

وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ اِخْتَتَنَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلام بَعْدَ مَا اَتَتْ عَلَیْہِ ثَمَانُوْنَ سَنَۃً. (صحیح مسلم: ۱۵۱)

وَعَاشَ بَعْدَذٰلِکَ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً. (صحیح ابن حبان: ۶۲۰۴)

''حضرت ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: فطری عادتیں پانچ ہیں، ان میں (سب سے پہلی عادت) ختنہ ہے۔

حضرت ابوہریرۃ بیان کرتے ہیں نبی کریمؐ نے بتایا کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی (۸۰) سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا تھا، پھر اس کے بعد بھی آپ ۸۰ سال زندہ رہے۔

جن خصائل پر عمل پیرا ہونے سے فطرتِ سلیمہ تشکیل پاتی ہے اور جن کے ذریعے برقرار رہتی ہے اُن کا تفصیلی تذکرہ احادیث میں موجود ہے، ان سطور میں صرف ایک صفت ختنہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔ ختنہ مردانہ عضوتناسل کے شروع میں لٹکتی ہوئی اضافی کھال کاٹ دینے کو کہتے ہیں۔ بظاہر یہ عمل غیر ضروری سا لگتا ہے، اسی بنا پر بعض مغربی مفکرین اس کی افادیت کا

Marfat.com

انکار کرتے رہے ہیں۔ لیکن جنسی اعضاء کی بیماریوں پر تحقیق اور مشاہدے نے بالآخر یہ ثابت کر دیا ہے کہ ختنہ کے فوائد بے شمار ہیں۔

اسلامی فقہ کی کتابوں میں تو ان فوائد کا تذکرہ قدیم سے چلا آرہا تھا، مگر اب میڈیکل سائنس کے ماہرین اور ان کی کتب بھی اس کا برملا ذکر کرتی ہیں۔ ختنہ کے ایک شدید مخالف پروفیسر ویزویل نے اپنے ایک انٹرویو میں اعتراف کرتے ہوئے کہا: میں ختنہ کے سخت خلاف تھا اور ۱۹۷۵ء میں اس کے خلاف چلنے والی مہم میں بھی میں نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، تاہم ۱۹۸۰ء کے اوائل میں بچوں میں پیشاب کی نالی میں سوزش اور ورم پر تحقیقات کی گئیں، ان کے نتائج میں یہ عقدہ کھلا کہ یہ تکلیف صرف غیر مختون بچوں میں پائی گئی، اس کے بعد میں خود خاصی گہری اور عمیق تحقیقات پر مجبور ہوا اور ختنہ کے نتائج دیکھ کر میں بھی اس کی افادیت کا قائل ہو گیا۔ (مجلہ فیملی فزیشن، انٹرویو پروفیسر ویزویل، جون ۱۹۹۰ء)

عربوں میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے ختنہ کا رواج تھا، بعد ازاں یہودی مذہب نے بھی اسے اختیار کر لیا، البتہ نصرانی حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات مسخ ہو جانے کے باعث اس کے قائل نہ ہو سکے۔ مگر آج سائنسی اکتشافات انہیں بھی اعترافِ حقیقت پر مجبور کر رہے ہیں۔

دینِ اسلام میں روزِ اول سے اس کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں بالعموم بلوغت سے پہلے ہی لڑکوں کا ختنہ کر دیا جاتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۶۲۹۹)

اسی طرح اسلام قبول کرنے پر رسول اللہؐ سب سے پہلے ختنہ کا حکم دیتے تھے۔

(الاحاد والمثانی: ۲۶۱۸، معجم کبیر طبرانی: ۲۰)

یہ التزام غالباً اس وجہ سے تھا کہ اسلام اور بلوغت کے بعد عبادات کی ادائیگی میں کوئی نقص باقی نہ رہے، ایک مرتبہ آپؐ نے ختنہ کیے بغیر حج اور طواف بیت اللہ سے بھی منع فرما دیا تھا۔ (مسند ابو العلی: ۷۴۳۲)

اطباء کہتے ہیں کہ ختنہ کرانے سے انسان مستقل طور پر تناسلی اعضاء کے گمبھیر مسائل اور امراض سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ پیشاب کی نجاست اور تیزابی مواد کو کہیں باقی رہنے کی جگہ نہیں ملتی اور غیر مختون جنسی ناآسودگی اور نجاست کے چپکے رہنے کا شکار رہتا ہے، جس سے کئی اور

Marfat.com

نفسیاتی وجسمانی عوارض جنم لیتے ہیں۔ (تحفۃ المودود باحکام المولود، از امام ابن قیم: ۱۶۷۔۱۸۸)

بسا اوقات عورتوں میں بھی ختنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے اس بارے میں بھی طریقہ وآداب اور اس کے فوائد سے آگاہ کر دیا ہے۔

(مستدرک حاکم: ۶۲۳۶، سنن کبری از بیہقی: ۱۷۵۶۱)

یہ تفاصیل دیکھ کر بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ختنہ کو اسلام میں کیوں فطری عادت قرار دیا گیا ہے۔

وائرس

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ سَأَلَ اَعْرَابِیٌّ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ مَابَالُ الْاِبِلِ تَكُوْنُ فِیْ الرَّمَلِ كَاَنَّهَا الظِّبَاءُ فَیُخَالِطُهَاالْبَعِیْرُ الْاَجْرَبُ فَیُجْرِبُهَا قَالَ فَمَنْ اَعْدَی الْاَوَّلَ. (صحیح بخاری: ۵۷۷۰)

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، ایک دیہاتی شخص نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا: اُس نے کہا: آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ یہ اونٹ ریت پر یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے یہ ہرنوں کا ریوڑ ہوں، پھر اچانک کوئی خارش زدہ اونٹ ان میں آملتا ہے اور سب کو خارش کے مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ آپؐ نے (اس کا شکوہ) سن کر فرمایا، اچھا: بھلا اس کو یہ مرض کیسے لگا؟''

امراض کا آغاز ایک پیچیدہ طبی اشکال ہے، مادّی طور پر سائنس آج تک اس کی کوئی قابل قبول وضاحت نہیں کر سکی، البتہ پیغمبر اعظم حضرت محمدؐ نے صرف دو لفظوں میں اس کا مسکت جواب عطا فرما دیا، جس میں اعتقادی غلط فہمی کی اصلاح بھی ہے اور علمی گہرائی بھی موجود ہے۔ یہ ایک سوال کو اُس سے بھی بڑے سوال کے ذریعے رفع کرنے کی عمدہ مثال ہے۔

اس حدیث میں فطری اسباب کے تحت امراض کے متعدی ہونے یا اللہ کی مشیت اور ارادے کے تابع ہونے کے مسئلے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس کی تفاصیل اگرچہ اس وقت براہ راست ہمارا موضوع نہیں، تاہم اختصار کے ساتھ یہ اصول جاننے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جن احادیث مبارکہ میں امراض کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے ان کا مفہوم یہ ہے کہ تمام

Marfat.com

امراض اور بیماریاں نہ تو ازخود وجود میں آئی ہیں اور نہ ہی وہ خود سے مؤثر ہیں کہ لازماً صحت مند افراد کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں، بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور تکوینی تدبیر کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ یہی بات آپؐ نے ایک بڑے مقدمے کی صورت میں اس دیہاتی کے سامنے پیش کی جس نے صحت منداونٹوں میں خارش کا مرض پھیلنے کا سبب اُس اونٹ کو قرار دیا جو خارش زدہ تھا، آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ اگر بدوی کی بات تسلیم کرلی جائے تو پھر یہ بتانا چاہیے کہ آخر سب سے پہلے اونٹ کو خارش کس نے لگائی تھی؟ ظاہر ہے اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ جس خالق نے یہ پوری کائنات پیدا فرمائی ہے اُسی نے ابتداً یہ امراض اور اُن کے جراثیم اور اسباب بھی پیدا کیے ہیں۔ اور یہ اسی کے ارادے سے مؤثر ہوتے ہیں ازخود مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ دوسری طرف وہ احادیثِ مبارکہ جن میں امراض کے ذرائع، مقامات اور بعض مریضوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اُن کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں جاری طبیعی قوانین اسباب وعوامل کی صورت میں ہی سامنے آتے ہیں، عادتاً مریضوں سے اختلاط، آلودہ اور متعفن مقامات پر جانا قانونِ طبعی کے تحت مرض میں مبتلا کرتا ہے۔ جیسے دنیا میں سبب اور مسبّب کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اس اختلاط اور تعلق سے اجتناب کرنا بہتر ہے لیکن اس صورت میں بھی مرض کا شکار ہونا ہر یک کے لیے حتمی اور لازمی نہیں بلکہ اللہ کی مرضی سے ہی ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (العدوی بین الطب النبوی والطب الحدیث، از ڈاکٹر فیصل نائل کردی۔۔ نیز فتح الباری: ج۱۰، ص ۲۴۱)

یہ حدیث دراصل دنیا میں پائے جانے والے امراض کے اُس سبب کو ثابت کرتی ہے جسے آج کی سائنسی اصطلاح میں وائرس کہا جاتا ہے اور جس کے مرکزِ پیدائش کا آج تک کسی کو علم نہیں ہوسکا۔ حدیث بالا اونٹوں کے متعلق ہے، البتہ بالکل اسی طرح کا مکالمہ احادیث میں بکریوں کے حوالے سے بھی منقول ہے۔ دیکھیے: (معجم الطبرانی الکبیر: ۱۱۵۹۹)

جراثیمی مواد کا خاتمہ

عَنْ سَعْدٌ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ: اِذَا تَنَخَّمَ اَحَدُکُمْ فِی

Marfat.com

الْمَسْجِدِ فَلْيُغَيِّبْ نُخَامَتَهُ أَنْ تُصِيبَ جِلْدَ مُؤْمِنٍ أَوْ ثَوْبَهُ فَتُؤْذِيَهُ.

(مسند احمد: ۱۵۴۷۔ مسند البزار: ۱۱۲۷)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: مَنْ دَخَلَ هٰذَا الْمَسْجِدَ فَبَزَقَ فِيهِ أَوْ تَنَخَّمَ فَلْيَحْفِرْ فَلْيَدْفُنْهُ فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلْيَبْزُقْ فِي ثَوْبِهِ ثُمَّ لِيَخْرُجْ بِهِ.

(سنن ابوداؤد: ۴۷۷۔ صحیح ابن خزیمہ: ۱۳۱۰)

''حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ کو یہ فرماتے سنا: جب تم میں سے کسی کو اپنی رینٹ (بمعنی ناک صاف کرنا) مسجد میں صاف کرنی پڑ جائے تو اُسے چاہیے کہ وہ اس کو کہیں غائب کر دے، مبادا کسی مومن کے بدن یا کپڑوں پر لگ جائے اور اسے اذیت پہنچائے''۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے فرمایا: جس کسی کو مسجد میں آنے کے بعد بلغم تھوکنے یا ناک صاف کرنے کی ضرورت ہو، اُسے چاہیے کہ وہ اس (غلاظت) کو زمین میں دفن کرنے کا انتظام کرے یا اُسے اپنے رومال وغیرہ میں چھپا کر رکھے اور باہر جاتے ہوئے ساتھ لے جائے۔

حدیث میں یہ اخلاقی اور تمدنی ادب تو بہت واضح ہے کہ قابلِ کراہت اشیاء کو یوں منظر عام پر نہیں چھوڑنا چاہیے اس طرح کی غلاظتوں کے یوں نگاہوں کے سامنے آتے رہنے سے طبیعت میں ایک تکدر پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات دل پر بھی اس کا بہت برا اثر ہوتا ہے، اچانک متلی اور قے کی شکایت بھی ہو سکتی ہے اور بالخصوص مسجد جیسی پاکیزہ جگہ کو اس طرح کی آلودگیوں سے بالکل پاک رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ عبادات اپنے پورے تقدس کے ساتھ ایک نفیس ماحول میں انجام پذیر ہوں۔ البتہ حدیث میں اس ردّی مواد کو غائب کر دینے، دفنا دینے یا اپنے رومال وغیرہ میں مسل کر چھپا لینے کا مفہوم اس مذکورہ تمدنی ادب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس وسعت میں اس کا طبّی اور وقائی پہلو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، جس کے مطابق بلغم اور رینٹ کی آمد دراصل ''اخلاطِ اربعہ'' سوداء، صفراء، بلغم اور خون کے عدم توازن کی علامت ہے۔ پھر یہ مواد بدن میں موجود کئی متعدی امراض کے جراثیم کی بڑی مقدار بھی اپنے ساتھ باہر لاتا ہے

Marfat.com

جو باہر کی ہوا اور کسی نمایاں جگہ پر خشک ہو جانے کے بعد گرد و غبار کے ساتھ فضا میں پھیل جاتے ہیں اور صحت مند انسانوں کو بھی متاثر کر سکتے ہیں۔ تاہم اسے زمین میں دفن کر دیا جائے یا رومال وغیرہ میں مسل کر بعد میں دھو لیا جائے تو یہ خطرات تقریباً ختم ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں اس مواد کا کسی مومن کی جلد یا کپڑوں پر لگ جانے سے جس اذیت کا ذکر ہے وہ بھی محض کراہیت اور ناپسندیدگی کی حد تک نہیں، بلکہ مرطوب حالت میں یہ مواد بسا اوقات ایسے تیزابی عناصر پر مشتمل ہوتا ہے جو کسی دوسرے کی جلد کو شدید خارش، الرجی اور پھوڑوں کی اذیت میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ یہی وہ مفاسد ہیں جن کی بنا پر آنحضرتؐ نے صحت اور ماحول کے تحفظ کے لیے مذکورہ بالا احکامات جاری فرمائے ہیں جو سائنسی فوائد اور معنویت سے معمور ہیں۔

اندرونی جراثیم سے بچاؤ

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا عَطَسَ وَضَعَ یَدَهُ اَوْ ثَوْبَهُ عَلٰی فِیْهِ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهُ. (سنن ابوداؤد: ۵۰۲۹۔ سنن ترمذی: ۲۷۴۶)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ: آنحضرتؐ کو جب چھینک آتی تو آپؐ اپنا ہاتھ یا رومال وغیرہ اپنے منہ پر رکھ لیتے اور آواز کو دبانے کی کوشش فرماتے''۔

چھینک ایک غیر اختیاری عمل ہے جس میں بہت پریشر اور تیزی کے ساتھ منہ سے ہوا اور اکثر اوقات اس کے ساتھ رطوبتیں خارج ہوتی ہیں جو آس پاس کے ماحول کو فوری طور پر متاثر کر سکتی ہیں، چھینکنے والا کسی محفل میں ہو تو اس کی زد میں آنے والے لوگوں کو اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس حدیث میں دو قسم کی مضر چیزوں میں احتیاط اور دوسروں کو ان سے تحفظ فراہم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلی چیز تو وہ ہوا اور رطوبت ہے جو چھینک کے عمل میں تیزی سے خارج ہوتی ہے۔ یہ مواد یقیناً اُن جراثیموں سے آلودہ ہوتا ہے جو چھینکنے والے کے بدن میں پائے جاتے ہیں اور باہر آنے پر دوسرے انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں۔

دوسری چیز غالباً وہ زوردار آواز ہے جو چھینک کے باعث اچانک پیدا ہوتی ہے اور

Marfat.com

بہت سوں کے سکون کو غارت کر دیتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں عام انسانوں کے لیے ضرر ناک اور اذیت رساں ہیں، انہی سے بچاؤ کا نسخہ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

صوتی آلودگی پر کچھ مزید گفتگو انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

دہنِ سگ کے جراثیم

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: طُھُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِیْہِ اَنْ یَغْسِلَہُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلَاھُنَّ بِالتُّرَابِ.

(صحیح بخاری:۱۶۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ:۱۸۳۰)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریمؐ نے فرمایا: اگر کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اُسے پاک کرنے کے لیے سات مرتبہ دھویا جائے جس میں پہلی مرتبہ برتن کو مٹی سے مانجھا جائے''۔

اس حدیث میں کتے کے منہ میں پائے جانے والے نجس اور مضر جراثیموں کے اثبات کے ساتھ حیرت انگیز طور پر مٹی کی حیاتیاتی اور کیمیاوی خصوصیت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ جدید دور تحقیق سے قبل مٹی کے ذکر میں کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، کیونکہ برتنوں کو صاف کرنے والے پاؤڈر، صابن اور لوشن نہ ہونے کے باعث لوگ اپنے برتنوں کو ریت و مٹی سے ہی صاف کیا کرتے تھے۔ البتہ تازہ تحقیقات سے یہ عقدہ کھلا ہے کہ حدیث میں خاص طور پر کتے کے جھوٹے برتن کو مٹی سے دھونے کی تاکید کیوں کی گئی ہے۔ تجربات یہ بتاتے ہیں کہ دہنِ سگ کے مخصوص جراثیموں کا تریاق اور توڑ صرف مٹی ہی میں پایا جاتا ہے اور کسی ذریعے سے ان کو دور نہیں کیا جاسکتا، جدید ادویات اور دافع عفونت مرکبات میں شاید کوئی اس کا بدل موجود ہو مگر مٹی کا اپنا ہی مقام ہے۔ نیز یہ عطیہ خداوندی کرۂ ارض پر ہر جگہ با آسانی دستیاب ہے۔ (اعجازِ نبویؐ کا انسائیکلوپیڈیا، ۱/۳۹۔ از ڈاکٹر سمیر عبد الحلیم)

تحقیق نگار کہتے ہیں کہ کتے کی آنتوں میں ایک قسم کے خوردبینی جراثیم پائے جاتے ہیں جو فضلے کے اخراج کے وقت آس پاس بالوں سے بھی چمٹ جاتے ہیں، پھر جب کتا ان

Marfat.com

بالوں کو چاٹتا ہے تو یہ جراثیم اُس کے منہ میں منتقل ہو جاتے ہیں اور منہ سے اُس برتن میں بھی جسے کتا چاٹتا ہے یہ جراثیم مہلک امراض کا سبب ہو سکتے ہیں، ان کا خاتمہ مٹی سے رگڑے بغیر نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ جرثومے بلا خوردبین آنکھوں سے نظر نہیں آسکتے، چنانچہ ہادی برحق حضرت محمدؐ نے ان سے نجات کا ایسا طریقہ اپنی امت کو بتا دیا جسے روئے زمین پر ہر جگہ با آسانی بروئے کار لایا جاسکتا ہے اور آج کی تحقیقات اس کو درست ثابت کر رہی ہیں۔

(بلوغ المرام انگریزی ترجمہ حاشیہ نمبرا،ص ۱۶) نیز دیکھیے: (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات ص ۴۳)

خارجی جراثیموں سے تحفظ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: اِذَا تَثَائَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِکْ بِیَدِهٖ عَلٰی فِیْهِ. (صحیح مسلم:۲۹۹۵،سنن ابوداؤد:۵۰۲۶)

''حضرت ابوسعید خدریؓ اپنے والد کے توسط سے بیان کرتے ہیں کہ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو اُسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اپنا منہ بند کرے''۔

جماہی بھی چھینک کی طرح کا ایک بے اختیار عمل ہے، جو سستی طاری ہونے اور غلبۂ نیند کے موقع پر رونما ہوتا ہے۔ اس میں منہ کے جبڑے پوری طرح کھل جاتے ہیں اور تیزی کے ساتھ لمبی سانس کھینچی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے چھینک اندرونی جراثیم اور آلودگی باہر منتقل کرتی ہے، جبکہ جماہی باہر فضا میں موجود جراثیم اور بسا اوقات ننھے منے حشرات کو اندر کی جانب کھینچنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ دونوں عمل اگر بلا کسی رکاوٹ اور مزاحمت کے انجام دیے جائیں تو صحتِ انسانی کے لیے ضرر رساں ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے نبی پاکؐ نے دونوں میں قریباً یکساں احتیاط لازمی قرار دی ہے۔ یہ آداب نہ صرف حفظانِ صحت کے لحاظ سے بہت اہم ہیں، بلکہ نفاست کے اعلیٰ معیار کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔

یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ سانس لینے کا اصل آلہ انسانی ناک ہے، ناک سے کھینچی گئی سانس اپنی فطری گزرگاہ میں موجود قدرتی انتظام کے ذریعے فلٹر ہو جاتی ہے، جبکہ اچانک منہ سے

Marfat.com

لی جانے والی سانس صاف نہیں ہو سکتی۔ اسی حکمت کی بنا پر حدیث میں جماہی کے دوران منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ انسانی صحت ہوا میں موجود مضر جرثوموں سے محفوظ رہ سکے۔

جراثیمی پھیلاؤ کا تدارک

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَؓ قَالَ: نَھَی رَسُوْلُ اللّٰہِ اَنْ یُتَنَفَّسَ فِیْ الْاِنَاءِ (صحیح بخاری: ۵۶۳۰)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نَھَی رَسُوْلُ اللّٰہِ عَنِ النَّفْخِ فِیْ الشَّرَابُ فَقَالَ رَجُلٌ: قَذَاۃٌ اَرَاھَا فِی الشَّرَابِ فَقَالَ اِھْرِقْھَا قَالَ: اِنِّی لَا اَرْوٰی مِن نَّفْسٍ وَاحِدٍ قَالَ: فَأَبِنِ الْقَدَحَ اِذاً عَنْ فِیْکَ ثُمَّ تَنَفَّسْ.

(سنن ابوداؤد: ۳۷۲۸۔ سنن الترمذی: ۱۸۸۸)

''حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ، نبی کریمؐ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع کیا، ایک شخص بولا: کوئی تنکا پانی میں نظر آ رہا ہو؟ آپ نے فرمایا: تو اسے کچھ پانی کے ساتھ انڈیل دو، وہ بولا میں ایک سانس میں پانی سے سیر نہیں ہوتا، تو آپ نے فرمایا پھر برتن کو منہ سے ہٹا کر سانس لیا کرو۔''

یہ احادیث مشروبات یا پانی پینے کے آداب بیان کرتی ہیں، مگر ان کے الفاظ میں یہ گہرا ادراک قابل توجہ ہے کہ بسا اوقات انسانی سانس بھی مضر یا تعفن پیدا کرنے کا باعث ہو سکتا ہے۔ منہ سے نکلنے والی پھونک کا بھی یہی معاملہ ہے کہ وہ بھی بدن اور دہن کی اندرونی خاصیت کے ساتھ خارج ہوتی ہے۔ مسئلہ صرف سانس کے خود آلودہ ہونے کا نہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے یہ مفہوم زیادہ اہم ہے کہ یہ آلودہ سانسیں برتن اور اُس میں پائے جانے والے مشروب دونوں کو متاثر کرتی ہیں، چنانچہ اس برتن کو استعمال کرنے والے کئی انسان یکے بعد دیگرے اُن جراثیموں سے متاثر ہو سکتے ہیں، جو پینے والے کی سانس سے خارج ہو کر برتن سے چپک گئے تھے۔ اس قدر احتیاطی اور ہائی جینک آداب علمِ نبوت کے علاوہ کہیں اور سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

جراثیم سے پرہیز

عَنْ امِ سلمةَؓ قَالت كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا رَمَدَتْ عَيْنُ امرأةٍ مِّنْ نِسَائِهِ لَمْ يَأْتِهَا حَتّٰى تبرأَ عَيْنُهَا (کنز العمال:۱۸۳۴۲۔ الطب النبوی از ابونعیم اصفہانی:۲۷۷)

''حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: جب آنحضرتؐ کی کسی زوجہ محترمہ کی آنکھیں آجاتیں، تو آپؐ اُن سے آشوبِ چشم کے ٹھیک ہونے تک قربت نہ فرماتے''۔

یہ حدیثِ نبوی بھی دیگر بعض احادیث کی مانند ''علاج وقائی'' یعنی پرہیز کے ذریعے مرض سے محفوظ رہنے کا اصول واضح کرتی ہے۔ فن طب میں یہ جملہ قولِ زریں کی حیثیت رکھتا ہے۔ ''اَلْوِقَايَةُ خَيْرٌ مِّنَ الْعِلَاجِ'' اِسے ہم اردو میں یوں کہہ سکتے ہیں ''پرہیز علاج سے بہتر ہے'' تجربہ شاہد ہے کہ یہ اصول اپنی افادیت میں بے مثال ہے۔ محض فنِ علاج اور صحتِ بدن ہی نہیں بلکہ حفظِ ماتقدم (Precaution) کا یہ اصول انسانی زندگی میں ہر جگہ مسلمہ اور مفید خیال کیا جاتا ہے۔

وبا اور آلودگی

عَنْ عَائِشَةَؓ: قَالَتْ قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ وَهِيَ اَوْبَاءُ اَرْضِ اللّٰهِ فَاشْتَكٰى اَصْحَابُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْاَشَدَّ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَفِيْ مُدِّنَا وَصَحِّحْهَا لَنَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا اِلَى الْجُحْفَةِ. (صحیح بخاری:۱۸۸۹، الدلائل للبیہقی:۲/۵۶۶)

''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم مدینہ منورہ پہنچے تو دیکھا کہ یہ علاقہ سب سے زیادہ وباؤں کا مرکز ہے، چنانچہ آپؐ کے صحابہ بیمار پڑ گئے، آپؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ ہمیں مدینہ محبوب کر دے، جیسے ہمیں مکہ محبوب تھا، یا اس سے بھی بڑھ کر، اے اللہ تو ہمارے ناپ تول کے پیمانوں میں برکت عطا فرما اور اس شہر کے وبائی بخار کو جحفہ کی طرف بھیج دے''۔

یہ حدیث بھی مسموم فضا اور آلودہ آب و ہوا کے نہ صرف وجود کو ثابت کرتی ہے بلکہ اس

Marfat.com

کے بد اثرات کو بھی واضح کرتی ہے، یعنی ایک صحت مند انسان متاثرہ ماحول میں بیمار پڑ سکتا ہے۔ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے پر یہی شکایت صحابہ کرام کو لاحق ہوئی تھی غالباً اس کی شکل بخار آنے کی صورت میں پیدا ہوتی تھی اسی بنا پر نبی کریمؐ نے اللہ سے اس وباء کی منتقلی کی دعا میں بخار کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

فضا اور ماحول کی آلودگی قدرتی اسباب کی بنا پر بھی ہوتی ہے اور انسانی اعمال کے نتیجے میں بھی۔ اُس زمانے میں مدینہ منورہ کی زندگی میں ایسے وسائلِ حیات شامل نہیں تھے جن سے آج کل کی مانند ماحول میں آلودگی پیدا ہو سکے، یہ آلودگی اور وبائی جراثیم یقیناً کچھ قدرتی اسباب کے باعث ہوں گے اسی لیے آنحضرتؐ نے اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرمایا اور دعا کی۔ انسانی ذرائع سے پھیلنے والی مضر اور صحت کے لیے خطرناک آلودگی کا آنحضرتؐ کے زمانے میں اگرچہ کوئی وجود نہیں تھا، تاہم طہارت کی ترغیب اور نجس اشیا سے بچنے کی تاکید کے علاوہ لباس، بدن، چلنے پھرنے کے راستوں، مجالس کے مقامات، اور سایہ دار جگہوں کو پاک صاف رکھنے کے احکامات بجا طور پر آلودگی سے بچاؤ کی تدابیر کو واضح کرتے ہیں۔

مختلف علاقوں کی وبائی خاصیت کے بارے میں ایک اور حدیث بھی قابل ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن بحیر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے بتایا کہ اس نے حضرت فروہ بن مسیکؓ کو نبی کریمؐ سے یہ کہتے ہوئے سنا: یارسول اللہؐ، ہمارے علاقے میں ایک زمین ''اَبْیَن'' نام سے پائی جاتی ہے۔ یہ زمین ہماری چراگاہ اور غلّہ اگانے میں بھی استعمال ہوتی ہے، البتہ یہ شدید وباء والی زمین ہے، نبی پاکؐ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اس کی قربت میں ہلاکت پوشیدہ ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۳۹۲۳، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۱۲۶)

اس حدیث میں بھی وبائی زمین سے دوری اختیار کرنے بلکہ اس زمین میں پیدا ہونے والے جانوروں کے چارے اور غذائی اجناس کو بھی ترک کر دینے کی جانب واضح اشارہ موجود ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماحول کی آلودگی کے اثرات بدنِ انسانی پر ہی نہیں بلکہ جانوروں کے چارے اور خوراکی اجناس پر بھی مرتب ہوتے ہیں اور پھر ان کے ذریعے دوسرے انسانوں تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

Marfat.com

ماحولیات کی سائنس جن حقائق سے آج پردہ اٹھا رہی ہے، علم نبوی نے بہت پہلے سے ان کو آشکار کر دیا تھا۔

اعصاب کی صحت کا راز

عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِذْاَقْبَلَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بَعْدَ اَنْ فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنَ الصَّلَاةِ فَصَلّٰى ثُمَّ اَقْبَلَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ. اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ جَهِدْتُ فَبَيِّنْ لِيْ قَالَ: اِذَا قُمْتَ فِيْ صَلَاتِكَ فَكَبِّرِ اللّٰهِ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ عَلَيْكَ مِنَ الْقُرآنِ ثُمَّ اِذَا اَنْتَ رَكَعْتَ فَاثْبُتْ يَدَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ حَتّٰى يَطْمَئِنَّ كُلَّ عَظْمٍ مِنْكَ ثُمَّ اِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَاعْتَدِلْ حَتّٰى يَرْجِعَ مِنْكَ ثُمَّ اِذَا سَجَدْتَ فَاطْمَئِنَّ حَتّٰى يَعْتَدِلَ كُلَّ عَظْمٍ مِنْكَ ثُمَّ اِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَاثْبُتْ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلَّ عَظْمٍ اِلٰى مَوْضِعِهٖ. (صحیح بخاری:۶۲۵۱، سنن ابوداؤد:۸۵۶)

”حضرت رفاعہ بن رافع کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ تھے۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک انصاری داخل ہوا، اُس نے نماز ادا کی پھر آ کر رسول اللہؐ کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ پھر سے نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ شخص لوٹا اُس نے دوبارہ نماز پڑھی اور آ کر سلام کیا، آپ نے اسے پھر نماز کا حکم دیا (ایسا کل تین مرتبہ ہوا) پھر وہ شخص بولا: یا رسول اللہؐ میں تو عاجز آ گیا ہوں، آپ مجھے سکھلا دیجیے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہہ کر قرآن کی جس قدر قرأت ممکن ہو کرو، پھر جب رکوع کرو تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر جماؤ اور (اس قدر ٹھہرو) کہ ہر ہڈی پُرسکون حالت میں آ جائے، پھر اپنا سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر لوٹ جائے، پھر جب سجدے میں جاؤ تو ہر ہڈی کو اعتدال کی

Marfat.com

حالت پر آنے دو، جب سجدے سے اٹھو تو سیدھے بیٹھ جاؤ یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر واپس آجائے۔"

یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں مُسیٔ الصلاۃ (یعنی ٹھیک طرح سے نماز ادا نہ کرنے والے) کے نام سے مشہور ہے اور صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کے متعدد ذخیروں میں وارد ہوئی ہے۔ بظاہر اس حدیث میں نماز کا طریقہ سکھایا گیا ہے، لیکن اس میں ضمناً بدنِ انسانی میں موجود اُن پٹھوں کی سلامتی کے سنہرے اصول بھی بتا دیے گئے ہیں جن کی بدولت جسم کے اعضا سکڑتے اور پھیلتے ہیں، یا مختلف حرکات انجام دیتے ہیں۔ اعصاب کی یہ سرگرمی اگر معتدل اور سکون یافتہ ہوگی تو بدن کبھی بھی اعصاب کے کھنچ جانے Mussel Pull اکڑ جانے یا خمیدہ ہونے کا شکار نہیں ہوگا۔ ورزشی ماہرین Physiotherapist کا تجربہ بتاتا ہے کہ پٹھوں کی تکالیف بالعموم نامکمل اور غیر معتدل حرکات کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر سب سے زیادہ ان امراض کا شکار رقاص (ڈانسر) اور کھلاڑی (Sport Man) ہوتے ہیں، کیونکہ رقص اور کھیل دونوں غیر متوقع اور نامکمل حرکات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور میں ٹھہراؤ، اطمینان، اعتدال اور ہر ہڈی کا اپنی جگہ تک پہنچ جانے کا تکرار درحقیقت نہایت تاکیدی انداز میں پٹھوں کی صحت اور سلامتی کا لائحہ عمل بتا رہا ہے۔ نماز نہ تو مطلقاً ورزش ہے اور نہ ہی معاذ اللہ کوئی کھیل، بلکہ یہ ایک پاکیزہ اور روحانی عبادت ہے جو جسمانی اعضا کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ عبادت کی اپنی طبیعت بھی اعتدال اور اطمینان کا تقاضا کرتی ہے۔ تاہم اس میں یہ ہدایت بھی مضمر ہے کہ انسان لغو و بے ہودہ اور بے ہنگم حرکات سے اجتناب کرے، تاکہ وہ ہمیشہ عبادت گزاری کے ساتھ ساتھ تندرستی کی حالت میں دیگر وظائفِ حیات بھی ادا کرتا رہے۔ اسی بنا پر علماء کا اتفاق ہے کہ احکامِ شرعیہ دین اور دنیا دونوں کی سعادت کا سبب ہیں۔

پیدل چلنا (Walk)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِنَّ خَیْرَ مَا تَدَاوَیْتُمْ بِهِ السُّعُوْطَ وَاللُّدُوْدَ

Marfat.com

وَالْحِجَامَةَ وَالْمَشِيُّ. (سنن ترمذی:۲۰۵۴)

''حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: علاج کے اچھے طریقوں میں ناک اور منہ سے دوا ڈالنا، پچھنے لگوانا اور چلنے کی عادت ہے''۔

اس حدیث کا آخری ٹکڑا اس وقت ہمارا موضوع ہے، بالعموم شارحین اور مترجمینِ حدیث نے لفظ ''مشیٔ'' کا ترجمہ جلاب آور اور قبض کشا بیان کیا ہے۔

(دیکھیے: تحفۃ الاحوذی ۶/۱۷۰۔ فیض القدیر: ۳/۶۶۰)

مشیٔ عربی زبان میں چونکہ چلنے چلانے کو کہتے ہیں اس لیے دست آور دواؤں کو مشیٔ کہنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ دوا کھانے سے انسان بار بار بیت الخلاء کی جانب چلنے پر مجبور ہوتا ہے، چنانچہ یہ کیفیت پیدا کرنے والی دوا کو مشیٔ کہہ دیا گیا ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی ایک حدیث سے بھی یہی معنی حاصل ہوتا ہے۔ آپؐ نے اُن سے اسی لفظ کے ذریعے جلاب کی دوا کے بارے میں پوچھا تھا۔

(سنن ترمذی: ۲۰۸۱۔ مسند اسحاق بن راھویہ: ۲۰۴۰)

لفظ مشیٔ کے اس مذکورہ مفہوم کو درست جاننے کے باوجود اس لفظ کی لغوی وسعت اور اصلی معنی اپنی جگہ پر قائم ہے اور جسے اختیار کرنے میں قواعدِ لغت کی رو سے کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ نہ ہی ہمارے پاس کوئی ایسی محکم دلیل ہے جس کے باعث ہم کلامِ نبوی کی معنویت کو کسی ایک مفہوم تک محدود کر دیں۔

لفظ مشیٔ کا مطلب پیدل چلنا تو بالکل واضح ہے، البتہ پیدل چلنے کا بطور علاج استعمال آج کے جدید طرزِ زندگی میں سامنے آیا ہے، اس سے قبل اس جانب توجہ اس لیے نہیں ہو سکی کہ پہلے زمانوں میں پیدل چلنا کوئی انوکھی چیز نہیں تھی، بلکہ زندگی کا ایک عام معمول تھا سواریاں کمیاب اور فاصلے محدود تھے۔ لیکن طویل فاصلوں کے لیے بھی پیدل چلنا کوئی منفرد بات نہیں تھی، آج کل کی زندگی میں سائیکل سے لے کر موٹر کار تک سواریوں کی کئی اقسام ہمہ وقت دستیاب ہیں۔ ان ذرائع کے کثرتِ استعمال سے پیدل چلنا ایک منفرد اور قابل ذکر چیز بن گئی ہے عام حالات میں تیز رفتار زندگی کے باعث اور وقت بچانے کی خاطر پیدل چلنا تقریباً متروک

Marfat.com

ہوتا جارہا ہے، چنانچہ بعض تجربات سے پیدل چلنے کے متعدد فوائد اطباء کے سامنے آئے ہیں اور انہوں نے اسے کئی امراض میں بطور علاج اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے، جن میں قبض کے خاتمے سمیت بدن سے فاضل چربی میں کمی، ذیابیطس پر کنٹرول، بلڈ پریشر میں اعتدال، پُرسکون نیند، دماغی قوت میں اضافہ، موٹاپے کا خاتمہ، امراض دل پر قابو اور ہڈیوں اور جوڑوں کی فعالیت کا برقرار رہنا شامل ہیں۔ (خواتین میگزین، صفحہ طب وصحت، ۶۰/ مارچ ۲۰۱۳ء)

یہ حدیث نبوی کا علمی اعجاز ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کے اوپر سے معانی اور فوائد کی پرتیں اٹھ رہی ہیں اور انسانیت نئے منافع سے روشناس ہو رہی ہے۔ پیدل چلنا دراصل ایک جسمانی حرکت ہے اور رسول اللہؐ کی ہدایات نیز شریعت کے فرائض واجبات میں جسمانی حرکت کے ذریعے ادائیگی کو بہت اہمیت حاصل ہے اور سخت مجبوری میں بھی اس سے کوئی چھوٹ نہیں دی گئی ہے، اسی طرح عبادات کے طبی فوائد کی ساری بحث انہی حرکات و سکنات کے اردگرد گھومتی ہے۔

صحت کی بقا اور استواری

عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ وَفِیْ کُلٍّ خَیْرٌ اِحْرِصْ عَلٰی مَایَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ. (صحیح مسلم:۲۶۶۴۔ السنہ لابن ابی عاصم:۳۵۲)

’’حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا: توانا مومن کمزور سے بہتر ہے، البتہ دونوں میں بھلائی موجود ہے۔ جو چیز تمہارے لیے فائدہ مند ہو اُس کی جستجو کیا کرو اور اللہ سے مدد مانگتے رہو اور لاچار بن کے بیٹھے نہ رہو‘‘۔

یہ حدیث صحت مند اور توانا زندگی گزارنے کی ترغیب دیتی ہے۔ ایمان و اعتقاد اور روحانی کیفیت کے لحاظ سے قوی وضعیف دونوں قسم کے مومن افراد کو خیر کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ البتہ دنیاوی لحاظ سے چست و ہوشیار رہنے اور ہمیشہ نفع مند اقدامات کے ذریعے اپنی قوت کو برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح آخری ٹکڑے میں سستی و کاہلی اختیار کرنے

Marfat.com

اور محنت سے جی چرانے سے منع کردیا گیا ہے۔

نفسیاتی اور جسمانی قوتوں کا تحفظ اور متوازن استعمال کی تلقین ونصیحت آج کے اطباء اور ماہرینِ صحت بھی کرتے ہیں وہ اس غرض کے لیے قوت بخش غذاؤں کے ساتھ مفید ورزشوں کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ آرام طلبی اور پڑے رہنے کے بجائے چاق وچوبند رہنے کے یے محنت اور جفاکشی اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ صحت کے جدید نظریے کے مطابق محض امراض سے پاک ہونا صحت نہیں کہلاتا بلکہ انسانی بدن میں ایک خاص مقدار میں قوت کا ہونا بھی ضروری ہے، جس کے باعث نہ صرف اُس کے اعضاء تمام وظائف انجام دیں بلکہ اُس میں اتنی مدافعانہ صلاحیت بھی ہو کہ وہ امراض کے جراثیمی حملوں کو پسپا کرسکے۔ (روائع الطب الاسلامی، ج۱، ص۲)

جسمانی صحت کے یہی اصول آنحضرتؐ سے منقول اس حدیث بالا میں بیان کیے گئے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث ان جیسے اصولوں کا ذکر کرتی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کا اندازِ تربیت روحانی بلندی کے ساتھ بہت اعلیٰ سائنٹفک درجے کا حامل تھا اور آپ صحت کی استواری اور بقا کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

آپؐ صحابہ کو محنت مزدوری کرنے اور اپنے ہاتھ سے رزق کمانے کی تلقین فرماتے اور معمولی کاموں میں بھی کسی سے خدمت لینے کے بجائے خود کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

یہ احادیث اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ تعلیماتِ نبویؐ کی دسترس بہت دور تک ہے اور آپؐ نے ڈیڑھ ہزار سال قبل بھی آج کی جدید تحقیقات کے مقابلے میں زیادہ بہتر اصولوں کے مطابق اپنے معاشرے کی تعمیر فرمائی اور نفسیاتی وجسمانی صحت کے لحاظ سے نہایت کامل، متحرک، مضبوط اور مطمئن انسان دنیا کے سامنے پیش کیے۔ اس مفہوم کی مزید احادیث کے لیے دیکھیے: (صحیح بخاری: ۱۹۶۶، سنن ابن ماجہ: ۱۸۳۷، سنن البیہقی: ۷۶۶۴)

راحت اور آنکھوں کا تعلق

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍوؓ یَقُوْلُ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ: بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّھَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِعَیْنِکَ

Marfat.com

عَلَیْکَ حَقًّا. (صحیح مسلم:۱۱۵۹،وفی روایۃ)

اِنَّکَ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ هَجَمَتْ عَیْنُکَ. (صحیح ابن خزیمہ:۲۱۵۲)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا: مجھے پتا لگا ہے کہ تم دن میں روزہ اور رات کو تہجد پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہو، دیکھو: ایسا مت کرو تمہارے بدن کا تمہارے اوپر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق فرمایا اگر تم اس طرح کرو گے تو اپنی آنکھیں برباد کرلو گے''۔

اوپر ذکر ہونے والی حدیث کے الفاظ ایک طویل گفتگو کا مختصر حصہ ہیں جو رسول اللہؐ اور آپؐ کے برگزیدہ صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے درمیان ہوئی۔ اس گفتگو میں آپؐ نے حضرت عبداللہ کے شوقِ عبادت اور کثرت صیام و قیام کا عمل دیکھ کر انہیں اعتدال کی نصیحت فرمائی۔ افضل عبادات کے متعلق بتایا اور معاشرتی و خانگی حقوق کی جانب توجہ دلائی، اسی بات چیت میں آپ نے بدن کے حقوق کا تذکرہ بھی فرمایا اور پھر بدنِ انسانی کے ایک خاص عضو آنکھوں کا خاص طور پر ذکر کیا، حالانکہ پورے جسم کے حق میں آنکھوں کا حق بھی شامل تھا اور الگ سے آنکھ کے ذکر کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن یہی وہ تکنیکی اور فنی نکتہ ہے جس کی طرف فوری توجہ نہیں جاتی۔

آپؐ کے الفاظِ مبارک سے بدن کے دیگر اعضا کے مقابلے میں آنکھ کی افادیت اور بدن پر اس کے ہمہ گیر اثرات کا علم ہوتا ہے۔ گویا یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نیند کی صورت میں اگر آنکھ کا حق ادا نہ کیا جائے تو بدن کا حق ادا نہیں ہوتا، بلکہ پورا بدن اور اس کا ہر عضو ایک طرح کی بے کلی اور اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر ہادی برحقؐ نے آنکھ کے علاوہ کسی اور عضو کا ذکر نہیں کیا۔ اصل مقصود نیند کی اہمیت اور جسم کی کارکردگی میں اس کی افادیت اور اثرات کو بیان کرنا ہے، جسے آنکھ کے تذکرے کے بغیر بیان نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی آنکھ کے بغیر نیند کا تصور ممکن ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے براہ راست نیند کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وَجَعَلْنَا

Marfat.com

نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا (سورہ نباء:۹) ''ہم نے نیند کوتمہارے لیے باعث قوت ونشاط بنادیا ہے''۔

اکثر مفسرین نے ''سُبات'' کا مفہوم راحت وآرام اور سکون کو قرار دیا ہے۔ یہ کیفیات نیند کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ؐ کا بیان گویا علم الاعضاء کی روشنی میں اس آیت کی تفسیر ہے کہ جس راحت وسکون اور قوت ونشاط کا تذکرہ آیت مبارکہ میں کیا جارہا ہے، اس کا مرکز آنکھیں ہیں، حدیث کے آخری جملے میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ یہ سارا فائدہ صحت مند آنکھوں سے ہی ممکن ہے اگر خود آنکھیں ہی بے خوابی کے باعث آشوب یا کسی اور مرض کا شکار ہوجائیں گی تو نہ پُر کیف نیند حاصل ہوسکے گی اور نہ ہی آرام وسکون کے ذریعے بدن کا حق ادا ہوگا۔ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر ج ۶/۱۱۴)

ایک حالیہ تحقیق میں امریکی دماغی ماہرین نے بتایا ہے کہ نیند دماغ کو زہریلے مواد سے پاک کرنے کا سبب بنتی ہے، دن بھر کے دماغی کام اور سوچ وتفکر کے نتیجے میں جو زہریلے پروٹین پیدا ہوجاتے ہیں وہ نیند کی حالت میں زائل ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیند کے دوران دماغ کے خلیے سکڑ جاتے ہیں اور دماغ کی شریانوں میں خون اور سیال مواد کو بہنے کا بہتر موقع مل جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنے ساتھ اس زہر کو بھی بہا کر لے جاتا ہے اور پورا بدن ہلکا پھلکا پن اور تازگی محسوس کرتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو الزائمر اور پارکنسن جیسے امراض کا خدشہ ہوتا ہے۔ (روزنامہ جنگ صفحہ سائنس وصحت، ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۳ء)

غذا کا بہترین وقت

عَنۡ اَنَسٍؓ قَالَ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ قَالَ: خَیۡرُ الۡغِذَاءِ بَوَاکِرُہٗ (مسند الدیلمی:۲۹۰۸)
''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی مہربانؐ نے ارشاد فرمایا: سب سے فائدہ مند وہ غذا ہے جو صبح سویرے کھائی جائے''۔

مختلف معاشروں میں کھانے پینے کی عادات اور اس کے اوقات اگرچہ خاصے الگ اور متنوع ہیں، لیکن رات کا طویل دورانیہ تقریباً سبھی کو بھوک کا شکار کر دیتا ہے اور صبح سویرے کچھ نہ کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے، یہ کیفیت دراصل غذا کے جزوِ بدن بننے کے لیے بہترین

Marfat.com

ہوتی ہے اور بھوک یا اندرونی طلب کے موقع پر کھائی جانے والی خوراک قوت بخش ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ دن بھر کے محنت طلب جسمانی اور دماغی کاموں کے لیے جو ضروری قوت اور توانائی درکار ہوتی ہے وہ صبح سویرے ناشتے کے بغیر فراہم نہیں ہوسکتی۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الصبح غذا لینے کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اسے نفع بخش اور بہتر غذا قرار دیا ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے شعبہ خوراک اور امراضِ قلب کی جانب سے ۲۷ ہزار افراد پر سولہ سال کے طویل دورانیے تک بعض تحقیقات کی گئیں، نتائج سے یہ علم ہوا کہ ناشتہ ترک کرنے والے افراد میں دل کے امراض اور ان کی وجہ سے موت کا خدشہ ۲۷ فیصد تک بڑھ گیا ہے۔

اس تحقیق میں بتایا گیا کہ رات کی نیند قوت ہضم میں بہتری پیدا کرتی ہے اور صبح فطری طور پر انسان بھوک میں مبتلا ہوتا ہے، اگر اس عالم میں بھی کچھ نہ کھانے کا معمول بنالیا جائے تو بدن کئی قسم کے عوارض کا شکار ہوسکتا ہے۔ اس تحقیق کے سرکردہ مصنفین کا کہنا ہے کہ ناشتہ دل کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے ان کا تجزیہ ہے کہ بھوک کے موقع پر مناسب خوراک خون میں کولیسٹرول، انسولین اور دیگر کیمیکلز کی مقدار کو متوازن اور صحت مند سطح پر برقرار رکھتی ہے، ایک غذائی ماہر کا یہ خیال ہے کہ ناشتہ ترک کرنے کی صورت میں یہ خدشہ رہتا ہے کہ انسان دوپہر کے اوقات میں کھانا ضرورت سے زیادہ کھالے گا، یہ امر بھی بدن کو اعتدال سے خارج کرکے گوناگوں مسائل سے دوچار کردے گا۔

امریکا کی کورنل یونیورسٹی نے بھی ۴۰۰ طلبہ پر اسی نوع کی ایک تحقیق کی ہے، اس کے نتائج بھی ہارورڈ یونیورسٹی کی تحقیق اور نتائج کی تصدیق کرتے ہیں۔

(سنڈے ایکسپریس، صفحہ صحت نمبر ۲۰، ۱۸؍ اگست ۲۰۱۳ء)

اشتہاء اور خوراک کا تعلق

عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ قَالَ: مَاعَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ طَعَاماً قَطُّ اِنْ اِشْتَهَاهُ اَكَلَهُ وَاِلَّا تَرَكَهُ. (صحیح مسلم:۲۰۶۴، سنن الکبری بیہقی:۱۴۳۹۸)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ: رسول اللہؐ نے کبھی کسی کھانے میں عیب

Marfat.com

نہیں نکالا، خواہش ہوتی تو تناول فرماتے ورنہ ترک کر دیتے‘‘۔

لغوی اعتبار سے اگر چہ اشتہاء رغبت اور چاہت کے مفہوم میں مستعمل ہے، تاہم اس کا بھوک کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ بھوک کے بغیر یا تو خواہش پیدا نہیں ہوتی، اگر ہو تو اطباء اسے ’’اشتہائے کاذب‘‘ یعنی جھوٹی خواہش کہتے ہیں۔ اسی بنا پر بھوک کو عُرفاً اشتہاء کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ گویا اصل میں اشتہاء بھوک ہی کا دوسرا نام ہے۔

حدیثِ بالا درحقیقت بحالتِ بھوک کھانے اور بھوک نہ ہونے کی صورت میں کھانا ترک کر دینے کا اصول بیان کر رہی ہے۔ ماہرینِ حیاتیات کے مطابق جسمِ انسانی میں ازخود ایک توازن اور معیار موجود ہے، جو اسے گاہے بگاہے اُن مفید سرگرمیوں کی جانب متوجہ کرتا رہتا ہے جس سے یہ توازن برقرار رہے۔ جیسے تھکن کے وقت آرام اور بھوک کے وقت مختلف غذاؤں کی جانب رغبت کا پیدا ہونا، بدن اس نظام کے تحت اس کمی کو فوراً پورا کرنا چاہتا ہے جس کا توازن معیار سے گھٹ گیا ہو یا جس کی طلب بدن میں پیدا ہوگئی ہو۔

(The Wisdom of the Body از: ڈاکٹر والٹر کانون)

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ غذا بدن کے لیے مفید اور قوت کا باعث تب ہی بنتی ہے جب اس کی چاہت اور میلان طبیعت میں پیدا ہو جائے، ایسی صورت میں بدن اُس غذا کو فوراً قبول کر لیتا ہے، اور نظامِ انہضام اُسے جزوِ بدن بنا لیتا ہے، چنانچہ بلا رغبت اور بھوک خوراک ٹھونسنا کبھی مفید عمل نہیں ہو سکتا، بلکہ ہمیشہ بوجھ ہی ثابت ہوتا ہے۔ (طب نبوی از ابن قیم، ص ۹۱)

حدیث سے یہ بھی اندازا ہوتا ہے کہ کھانے پینے کا تعلق مخصوص اوقات سے نہیں، بلکہ طبیعت میں موجود اشتہا اور بھوک کے ساتھ ہے۔ اسی طرح حدیث میں اکل و شرب کے معاملے میں اعتدال اور خواہشات کو قابو رکھنے کے نفسیاتی ہنر کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

کھانے کے لیے موزوں نشست

عَنْ اَبِی جُحَیْفَۃَ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: أَنَا لَا آکُلُ مُتَّکِأً.

(صحیح بخاری: ۵۳۹۸، سنن ابو داؤد: ۳۷۶۹)

Marfat.com

وَعَنْ اَبِی اُمَامَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: أَنَا أَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ وَآكُلُ كَمَا يَاكُلُ الْعَبْدُ. (کتاب الزہد از امام احمدؒ: ۶۶۵)

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُقْعِيًا يَأْكُلُ تَمْرًا. (صحیح مسلم: ۲۰۴۴)

''حضرت ابو جحیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا میں غلام کی طرح بیٹھتا ہوں اور غلاموں کی طرح ہی کھاتا ہوں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ کو اُکڑوں بیٹھے ہوئے کھجور کھاتے دیکھا''۔

اوپر ذکر کی گئی احادیث میں بالترتیب اللہ کے رسولؐ نے سہارا لے کر بیٹھنے یا تکیہ لگا کر کھانا کھانے کی نفی فرمائی ہے۔ محدثین نے آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کو بھی ٹیک لگانے میں شامل کیا ہے، کیونکہ اس میں بھی زمین پر خوب جم کر بیٹھا جاتا ہے۔ اس پر تکلف اور شاہانہ نشست کے مقابلے میں آنحضرتؐ نے غلامانہ روش کو پسند فرمایا ہے، جس میں ہمہ وقت مستعدی اور فعالیت غالب ہوتی ہے، اگر بیٹھنے کی ضرورت پیش آجائے تب بھی ایسے انداز سے بیٹھا جائے جس میں تیزی کے ساتھ دوبارہ اٹھا جا سکے۔

بیٹھنے کی اسی کیفیت کو حدیث کے تیسرے جملے میں ''اکڑوں'' بیٹھنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرز میں بے تکلفی اور انکساری نمایاں ہے اور یہ مفہوم بھی واضح ہوتا ہے کہ مقصدِ حیات اہتمام کے ساتھ باقاعدہ کھانا پینا نہیں، بلکہ زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے محض چند لقموں پر اکتفا کرنا ہے۔

حدیث میں ٹیک لگا کر کھانے سے اجتناب بڑی طبی اور سائنسی حکمتوں پر مبنی ہے۔ نشست کے سہارے بیٹھ کر کھانے میں خوراک کی نالی سیدھی لٹکنے کے بجائے پیچھے کمر کو جا لگتی ہے، جس سے خوراک کے سیدھے معدے میں گرنے کا عمل دشواری کا شکار ہو جاتا ہے، سہارا لے کر بیٹھنے کا یہ عمل پیٹ کے پٹھوں کو بھی ڈھیلا کر دیتا ہے اور استرخاء کی وجہ سے معدہ کھانا جذب کرنے کی صلاحیت سے وقتی طور پر محروم ہو جاتا ہے، جس کے باعث کھانے کی نالی میں بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اس نشست کی دوسری شکل آلتی پالتی مار کر بیٹھنے میں کچھ اور

Marfat.com

ضرر پوشیدہ ہیں جو پیٹ کے پھیل جانے کے باعث اشتہاء میں عدم توازن اور بسیار خوری کی صورت میں نکلتے ہیں، تسلسل کے ساتھ یہ عمل دہرایا جائے تو پیٹ بڑھ جانے کی شکایت پیدا ہوتی ہے پھر اس کے بعد کئی عوارض قطار میں لگ جاتے ہیں۔ اطباء نے پہلو کے بل ٹیک لگانے کو بھی اس نشست میں شامل کیا ہے، اُن کے نزدیک یہ کیفیت سب سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ اس میں خوراک کی نالی کے ساتھ سانس کی نالی میں بھی ایک قسم کا خم واقع ہو جاتا ہے اور معدے میں تنگی کا احساس ہوتا ہے اور خوراک بسہولت نہیں اُترتی۔

(طب نبوی از امام ابن القیم، ص ۲۲۱ تا ۲۲۲)

ان تینوں حالتوں کے مقابلے میں اُکڑوں بیٹھ کر کھانا کئی فوائد کا باعث ہے۔ بعض اہل علم نے دوزانو بیٹھ کر کھانے کو بھی اسی طرح مفید بتایا ہے۔ (زاد المعاد، ج ۴/۲۲۱)

غذائی ماہرین متفق ہیں کہ معدے کو خوراک ہضم کرنے کے لیے خون کی وافر مقدار میں ضرورت ہوتی ہے، اُکڑوں یا دوزانو بیٹھنے میں ٹانگوں کے خم کی وجہ سے دورانِ خون نیچے کی طرف خاصا کم ہو جاتا ہے اور خون کی بڑی مقدار بدن کے نصف اوپری حصے میں باقی رہ جاتی ہے اور معدے کو مطلوبہ خون میسر آجاتا ہے جو عمل انہضام کو تیز اور اشتہاء کو متوازن بنا دیتا ہے۔

اُکڑوں بیٹھ کر کھانے کا ایک فائدہ دائمی قبض سے نجات کی صورت میں بھی دیکھا گیا ہے اس کی وجہ بہت معقول ہے، کیونکہ اس حالت میں معدہ قدرے دباؤ کے ساتھ فاضل غذائی مواد کو آنتوں کی طرف دھکیلتا ہے اور بڑی آنت کا رُخ سیدھا ہونے کے باعث اخراج کے عمل میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے، اس طریقے کو معمول بنالیا جائے تو قبض کی تکلیف جاتی رہتی ہے۔ (التغذیۃ والطب الوقائی فی الحدیث، از ڈاکٹر محمد عبد محمود ص ۳۹)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ سارے طبی حقائق تشریحِ بدن کی تحقیقات کے بعد سامنے آئے ہیں اور نبی کریمؐ کی تعلیمات میں بہت پہلے سے ان کا ادراک کر لیا گیا تھا۔

خوراک اور بیکٹیریا (Bacteria)

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: مَنْ اَکَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْیَلْفَظْ وَمَا

Marfat.com

لَاکَ بِلِسَانِهٖ فَلْيَبْلَعْ. (سنن ابوداؤد:۳۵، سنن الدارمی:۶۶۲)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ: آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا، جس نے کھانے کے بعد خلال کے ذریعے کچھ نکالا تو اُسے تھوک دینا چاہیے، البتہ جو (غذائی اجزا) محض منہ میں زبان پھرانے سے الگ ہو جائیں، انہیں نگل لیا جائے''۔

مختلف غذائیں منہ میں جانے اور دانتوں سے چبنے کے بعد کس نوعیت کی کیمیائی شکل اختیار کرتی ہیں اس حدیث میں اُن کی بہت واضح تقسیم بیان کی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ کھانے کے بعد اُس کے کچھ عناصر تو دانتوں کے بیچ موجود درزوں میں پھنس جاتے ہیں جنہیں نکالنے کے لیے خلال کی ضرورت پڑتی ہے اور کچھ دوسرے اجزا محض دانتوں اور مسوڑھوں کے اوپر چپکتے ہیں، جنہیں زبان کی مدد سے باآسانی دور کیا جاسکتا ہے، یہ اجزا چونکہ اوپری سطح پر چپکتے ہیں اور ان میں مضرِ صحت بیکٹیریا شامل نہیں ہوتے، لہٰذا انہیں نگل لینے کی ہدایت کی گئی ہے اور بظاہر اس میں کوئی مضائقہ اور طبعی کراہت بھی محسوس نہیں ہوتی البتہ اس کے مقابلے میں وہ خوراکی اجزا جو دانتوں کے شگافوں میں اندر تک پہنچ کر پھنس جاتے ہیں۔ وہ واضح طور پر اندر موجود بیکٹیریا اور سخت متعفن زہریلے مواد سے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے ان اجزا کو خلال سے نکالنے کے بعد نگلنے کے بجائے تھوک دینے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اس بات کا قوی خدشہ موجود ہے کہ یہ بدبودار اجزا اگر کھا لیے جائیں تو نہ صرف معدے میں موجود غذا فساد زدہ ہو جائے گی، بلکہ پورا نظامِ انہضام زہر آلود ہوگا۔ یہ وہ الہامی روشنی ہے جس سے بغیر کسی خوردبین کے ساری حقیقت نظر آجاتی ہے اور سائنس دان مائیکرواسکوپ کی ایجاد تک اس سے بےخبر ہی تھے۔

نظامِ اخراج پر شکر اور تعریف

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: كَانَ النَّبِیُّ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ. (سنن ابن ماجہ:۳۰۱)

''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف

Marfat.com

لاتے تو فرماتے: تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھ سے ایک تکلیف دہ چیز دور کردی اور مجھے (اس کی اذیت سے) بچالیا''۔

بظاہر یہ ایک سادہ سی دعا معلوم ہوتی ہے جو بیت الخلاء سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے، مگر کچھ غور کریں تو اس کے الفاظ بہت دقیق اور گہرے مفہوم کے حامل ہیں۔ انسان جو غذا کھاتا ہے بدن کے اندر موجود نظام انہضام اس سے قوت کشید کرنے کے بعد اس غذا کو فاضل مواد کی صورت میں آگے کو دھکیل دیتا ہے، گویا حلق سے معدے تک نظامِ انہضام قائم ہے اور معدے سے مقعد تک نظامِ اخراج۔ یہ نظام کئی پیچیدہ اعضا اور تنگ و تاریک راہوں پر مشتمل ہے، اس نظام کی معمولی خرابی انسانی زندگی کی شادابی کا خاتمہ کرسکتی ہے اور بدن میں ایسی اذیتیں نمودار ہوسکتی ہیں جنہیں زندگی کا چراغ گل کرنے میں ادنیٰ سی دیر نہیں لگتی۔ حدیث کے الفاظ دراصل اس پورے نظام کی تشکیل کو واضح کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں جن مصائب و آلام سے عافیت ملتی ہے اُن کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اذیت کا لفظ ناپاکی اور نجاست کے علاوہ ہر طرح کے مرض کو بھی شامل ہے اور حدیث میں اس کو دور لے جانے کی تعبیر واضح کرتی ہے کہ یہ اتنا پیچیدہ اور باریک عمل از خود وجود میں نہیں آتا، بلکہ اس کی پشت پر ایک قادرِ مطلق ذات کا علم اور رہنمائی موجود ہے جو بدنِ انسانی سے بول و براز کی غلاظتوں کو دور کر کے اسے صحت و عافیت سے نوازتا ہے۔ یہ نظامِ اخراج چونکہ خود انسان کی مرضی کا تابع نہیں بلکہ اللہ کی مشیت سے چلتا ہے اس لیے اس پر اللہ کی تعریف کی گئی ہے۔

قرنطینہ کا اصول

عَنْ اُسَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ: اِذْ سَمِعْتُمُ الطَّاعُوْنَ بِاَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوْهَا عَلَیْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا فِرَاراً مِنْهُ.

(صحیح بخاری: ۳۴۳۷، صحیح مسلم: ۱۹۔۲۲۱۸)

''حضرت اسامہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا، جب تم کسی علاقے میں طاعون (پھیل جانے) کے بارے میں سنو تو وہاں مت جاؤ اور اگر

Marfat.com

یہ مرض وہاں پر واقع ہو جائے جہاں تم رہ رہے ہو تو وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش مت کرو"۔

حدیث میں طاعون زدہ علاقے میں داخل ہونے یا اُس علاقے سے فرار ہو کر باہر نکلنے اور دوسرے علاقوں کی طرف چلے جانے دونوں سے ممانعت فرما دی گئی ہے۔

اس امتناعی حکم کا واضح مطلب یہی ہے کہ صحت مند انسان مرض زدہ علاقے میں جائیں گے تو وبا کا شکار ہوں گے، لہٰذا حفظانِ صحت کا تقاضا یہ ہے کہ وبائی علاقوں میں جانے سے گریز کیا جائے۔ اس طرح وبائی علاقوں کے باشندے اگر دوسرے محفوظ علاقوں میں داخل ہوں گے تو اس بات کا قوی خدشہ موجود ہے کہ اُن کے ساتھ وباء کے جراثیم بھی سفر کریں گے اور صحت مند انسانوں کو بھی وبا میں مبتلا کر دیں گے۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ انسانی دنیا میں سب سے پہلے "قرنطینہ" کا عالمی اصول آنحضرتﷺ نے متعارف کرایا۔ جسے نظامِ صحت کے علمبرداروں نے بہت بعد میں اختیار کیا۔ اس اصول کے تحت وبا زدہ علاقے کے مسافروں اور مریضوں کو جبراً دوسرے لوگوں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے تاکہ اختلاط کے نتیجے میں صحت مند علاقے بھی وبا سے متاثر نہ ہوں۔ بعینہٖ یہی بات حدیث بالا سے ثابت ہو رہی ہے۔ (روائع الطب الاسلامی از ڈاکٹر محمد نزار، ج ا، ص ۳)

یاد رہے کہ یہاں طاعون کا ذکر محض اُس کی ہلاکت آفرینی اور شہرت کی بنا پر کیا گیا ہے، ورنہ تمام وبائی امراض یا متعدی بیماریوں کا یہی حکم ہے۔ اس ممانعت میں ایک اور طبی نکتہ بھی پوشیدہ ہے۔ ماہرین کے مطابق مرض طاعون کا ماحول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی وبا کے دوران صحت مند انسان بھی وقایتاً سخت محنت اور تھکن سے اجتناب کریں، مگر یہ احتیاطیں علاقہ چھوڑنے اور سفر کرنے میں برقرار نہیں رہ سکتیں، بلکہ ایسا کرنے میں تیزی و سرعت حرکت و اختلاط نیز وزنی اشیا اٹھانے کی نوبت آسکتی ہے۔ ان امور میں قوت صَرف ہونے سے مدافعت کمزور پڑ سکتی ہے اور مرض حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اطبا کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ طاعون کیا ہے؟ بعض ماہرین اس وبا میں بدن کے نرم حصوں گردن، بغل اور رانوں کے اندرونی جانب نکلنے والی اذیت ناک گلٹیوں کو طاعون سے تعبیر کرتے

Marfat.com

ہیں، جبکہ بعض دوسرے تشخیص کاروں کا کہنا ہے کہ یہ گلٹیاں خود مرض طاعون نہیں بلکہ یہ اس کی علامات ہیں جو مریض کے بدن پر ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کے خیال میں مرض کا سبب کچھ اور ہے۔ امام ابن قیمؒ نے اپنی مشہور کتاب طب نبوی میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ نیز انہوں نے اس کی تائید میں دو حدیثوں کا حوالہ بھی دیا ہے جن میں طاعون کے اصل سبب کی طرف اشارہ موجود ہے۔

پہلی حدیث میں بتایا گیا ہے: اِنَّهُ بَقِيَّةُ رِجْزٍ اُرْسِلَ عَلٰى بَنِي اِسْرَائِيل. (صحیح مسلم: ۲۲۱۸) ''یہ بنی اسرائیل کے اوپر بھیجے جانے والے موذی اور پلید عذاب کے باقیات میں سے ہے''۔

دوسری حدیث میں کہا گیا ہے: اِنَّـهُ وَخْزُ الْجِنِّ. (معجم الاوسط از طبرانی: ۲۲۷۳، الآثار، از امام ابویوسف: ۹۰۷) ''یہ دراصل جنات کا کچوکا ہے''۔

امام ابن قیمؒ نے اس سلسلے میں بہت دلچسپ نکات اور علمی گفتگو کی ہے، انہوں نے علمِ وحی کی فوقیت اور اطباء کی نارسائی کو بھی ثابت کیا ہے۔ (زادالمعاد، ج ۴، ص ۳۹)

گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث کے تحت ذی روح جراثیمی مخلوق کے وجود سے متعلق گفتگو کی ہے، یہ دونوں حدیثیں بھی اس غیر مرئی جاندار کو ثابت کر رہی ہیں بالخصوص دوسری حدیث میں لفظ ''جن'' پوشیدہ اور خفیہ ہونے کے معنی میں نظر نہ آنے والے ان خردبینی جراثیموں کو صراحتاً ثابت کرتا ہے۔ جن عربی زبان میں ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو نظر نہیں آتی، چنانچہ لغوی اعتبار سے جراثیم کو جن کہنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔ اگرچہ جنات ایک معروف مخلوق کے طور پر بھی ایک مسلمہ حقیقت ہیں اور اہلِ اسلام کے معتقدات کا حصہ ہیں۔

پیاس پانی اور سیرابی

عَنْ اَبِي الْحُسَيْنِؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَصُّو الْمَاءَ مَصاً وَلَا تَعُبُّوا عَباً فَاِنَّ الْكُبَادَ مِنَ الْعَبأ. (جامع معمر بن راشد: ۱۹۵۹۴، الآداب از امام بیہقی: ۴۴۴)

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَتَنَفَّسُ اِذَا شَرِبَ ثَلَاثاً وَيَقُوْلُ: اِنَّهُ اَرْوىٰ وَاَبْرَاءُ وَاَمْرَاءُ. (صحیح مسلم: ۲۰۲۸، مستخرج ابوعوانہ: ۶۶۲۹)

Marfat.com

''حضرت ابی حسینؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانی کو چوس کر پیو اور غٹاغٹ مت پیو، بے شک جگر کی تکلیف یونہی تیزی سے پینے کے باعث واقع ہوتی ہے''۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ؐ مشروب پیتے ہوئے تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ طریقہ سیرابی کے لیے زیادہ موزوں، پیاس بجھانے کے لائق اور بدن کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔

حدیث میں پانی کا تذکرہ محض اغلبیت کے لیے ہے، ورنہ تمام مشروبات اسی حکم کے تحت آتے ہیں۔ دوسری حدیث اسی عمومیت کی طرف اشارہ کرتی ہے، پانی اور دوسرے مشروبات پینے کا یہ ادب محض ایک سادہ سی نصیحت نہیں، جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ اپنے اندر کئی فوائد اور محاسن سموئے ہوئے ہے۔ ساتھ ہی اس ادب کی پامالی پر ایک تنبیہ بھی موجود ہے، جسے تمام اطبا نے درست تسلیم کیا ہے۔ (التمہید از ابن عبدالبر: ۱/۳۹۷)

حدیث میں بیان کی جانے والی حکمت تجربے سے بھی ثابت ہے۔ تیزی سے مشروب پینے کے نتیجے میں پیاس بجھتی نہیں، مرضِ استسقاء (پیاس لگنے کی بیماری) پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، جرعہ جرعہ پینے سے پانی کو جزو بدن بننے کا اچھا موقع ملتا ہے، یکبارگی حلق میں پانی انڈیلنے سے معدے اور جگر پر اچانک دباؤ بڑھ جاتا ہے اور بالعموم پیٹ پھول جاتا ہے، گردوں کے قریب درد کی شکایت بھی ہو جاتی ہے۔ یہ سب ردعمل اس بنا پر ہوتا ہے کہ یہ اعضا پانی کی اتنی مقدار کو فوراً قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اس کی مثال موسلا دھار بارش اور مسلسل ہلکی ہلکی بوندا باندی سے دی جاسکتی ہے۔ اول الذکر زمین کی سیرابی میں کوئی کردار ادا نہیں کرتی، بلکہ تیزی سے اوپر بہہ جاتی ہے، جبکہ ثانی الذکر دھیمے دھیمے زمین میں جذب ہوتی جاتی ہے اور پھر روئیدگی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح گھونٹ گھونٹ پینے پر بدن کے اعصاب، خوراک کا راستہ اور ہارمونز بیدار ہو کر قبولیت کے لیے مستعد ہو جاتے ہیں۔ (روائع الطب: ج ۱/۳۳، الطب النبوی والعلم الحدیث از ڈاکٹر ناظم نسیمی)

اس تفصیل کے بعد دوسری حدیث کا ترجمہ ایک بار پھر پڑھیے تو کلامِ نبویؐ کی معنویت کا

Marfat.com

ٹھیک ادراک حاصل ہوتا ہے۔ اس ادب کو اختیار کرنے کا ایک اور ضمنی فائدہ بیان کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص ہمیشہ غٹاغٹ پینے کا عادی ہو تو یہ خدشہ بھی منہ کھولے کھڑا رہتا ہے کہ شدید پیاس کے عالم میں ایسا شخص کسی بھی زہریلے اور مہلک سائل کو پانی سمجھ کر نہ پی لے، ظاہر ہے کہ ایسا عمل یا تو موت کی وادی میں پہنچا دے گا یا شدید جسمانی اذیت کا موجب بنے گا۔

غذا اور اصولِ کفایت

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِؐ یَقُوْلُ: طَعَامُ الْوَاحِدِ یَکْفِي الاِثْنَیْنِ وَطَعَامُ الاِثْنَیْنِ یَکْفِي الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ یَکْفِي الثَّمَانِیَةَ.

(صحیح مسلم: ۲۰۵۹، مسند ابی عوانہ: ۶۷۸۹)

''حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ایک شخص کا کھانا دو کے لیے کافی ہوتا ہے اور دو افراد کا کھانا چار کے لیے، نیز چار افراد کا کھانا آٹھ کے لیے کافی ہوتا ہے''۔

یہ حدیث مبارک اس طبی نکتے کی بخوبی وضاحت کرتی ہے کہ خوراک میں کچھ کمی مہلک نہیں ہوتی اور مقصدِ حیات محض شکم سیری نہیں، بلکہ خود بقائے حیات ہے اور اس کے لیے چند لقمے ہی کافی ہوتے ہیں۔ ایک فرد کے کھانے کو دو افراد اور چار کے کھانے کو آٹھ افراد کے لیے کافی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ کھانے میں اس کمی سے جسم کی سرگرمیوں میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، بلکہ وہ معمول کے مطابق جاری و ساری رہتی ہیں۔ لغوی اصطلاح میں ''کفایت'' کا معیار یہ ہے کہ اس سے کم اور اس سے زیادہ دونوں میں نقصان کا خدشہ ہوسکتا ہے۔ البتہ خود کفایت کسی بھی طرح نقصان دہ نہیں ہوتی، بلکہ وہ زندگی کو رواں دواں رکھنے کا عمل بخوبی انجام دیتی ہے۔ ایک حدیث میں یہ مفہوم گزر چکا ہے کہ کم خورا کی صحت مندی اور درست قامتی کا سبب ہے اور بسیار خوری خمیدہ کمر اور عوارض بدنی کا باعث بنتی ہے۔

امریکی جریدے ''ایوننگ پوسٹ'' نے طویل العمری کا راز جاننے کی ایک جائزہ رپورٹ

Marfat.com

شائع کی ہے جس میں دیگر اسباب کے ساتھ خوراک میں اعتدال اور کفایت کا اصول طویل عمری کی نمایاں وجہ کے طور پر سامنے آیا ہے۔(اسپیشل رپورٹ سنڈے ایکسپریس یکم ستمبر ۲۰۱۳ء ص ۱۶)

حدیث بالا میں بیان کردہ کفایت کے فلسفے میں یہ دقیق اشارہ بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ انسانی خوراک میں حیاتین، لحمیات، چکنائی اور حرارے اتنی مقدار میں پائے جاتے ہیں کہ ایک فرد کا کھانا دو افراد کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔اسی طرح یہ لطیف نکتہ بھی حدیث کے مفہوم سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اضافی اور زائد قوت اگر بذریعہ خوراک حاصل کر بھی لی جائے تب بھی یہ ضائع ہوجاتی ہے اور بدن بقدر کفایت قوت کو ہی محفوظ رکھتا ہے۔

دوامِ صحت کا اصول

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صُوْمُوْا تَصِحُّوْا.

(معجم الطبرانی الکبیر:۱۱۹۰، الاوسط:۸۴۷۷)

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: روزہ رکھو اور صحت مند رہو''۔

روزہ بھی ارکانِ اسلام کا ایک اہم جزو ہے۔عبادات میں روزہ کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں۔البتہ روزے کا تصور ہزاروں سال قدیم تہذیبوں اور اطبا کے ہاں بھی ملتا ہے۔سقراط و افلاطون، ارسطو و جالینوس اور یونان و ہند کی تہذیب سبھی روزے کی افادیت پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔قرآن پاک میں روزے کی فرضیت والی آیت میں ''کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ '' کے الفاظ اس کے قدیم ہونے کا واضح ثبوت ہیں۔حدیث بالا کے الفاظ میں روزے کو صحت و تندرستی کے لیے اکسیر کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔روحانی بنیادوں سے عاری جدید طب میں روزے کی افادیت طویل مشاہدات اور تجربوں کے بعد سامنے آئی ہے، جبکہ نبی کریمؐ کا یہ قول فیصل بہت پہلے سے یہ حقیقت واضح کر چکا ہے۔روزے کی اس حیثیت کو نمایاں کرنے والے چند اور ارشادات نبوی بھی موجود ہیں، جن کا تذکرہ اسی کتاب میں شامل ہے۔آج کی سائنس روزے کے طبی و بدنی نیز دماغی فوائد پر طویل تحقیقات میں مشغول ہے۔

Marfat.com

www.fasting.com نامی ویب سائٹ پر اس سلسلے کا وسیع مواد موجود ہے۔ ماہرینِ خوراک وغذا یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنی فطری عمر میں بیسیوں کلوگرام مختلف زہریلے مواد اور معدنیات صرف پانی کے ذریعہ اپنے بدن میں داخل کرتا ہے۔ یہی حال سانس کے ذریعے اندر داخل ہونے والے مواد کا ہے، نظامِ انہضام اس مواد کی بہت بڑی مقدار کو جزوِ بدن نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اسے فوری طور پر بدن سے خارج کر سکتا ہے۔ اس فاضل مادّے کو فنا کرنے کا سب سے آسان فطری طریقہ یہ ہے کہ بدن میں خوراک کی اشتہا کو معمول سے بڑھا دیا جائے اور یہ کام روزہ بہت بہتر طور پر انجام دیتا ہے۔ اس صورت میں بھوک اور اشتہا کے بڑھنے پر بدن میں قوت کشید کرنے کا نظام از خود ان فاضل غذائی مادّوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو بدن کے رگ و ریشے میں عبث طور پر ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں اور روزانہ تازہ خوراکوں کی جلدی جلدی آمد بدن کو ان سے مستغنی کیے رکھتی ہے۔ جسمِ انسانی بھوک بڑھ جانے پر اس مواد کو جلا کر توانائی حاصل کر لیتا ہے اور جسم اس مواد کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے، ورنہ ان کی موجودگی سے موٹاپا، ہائی بلڈ پریشر، دل کی رگوں کا سکڑنا، شوگر، دمہ اور امراضِ جگر کے علاوہ بہت سارے جلدی امراض اور گردے و مثانے کی پتھری کا پیدا ہونا طبی تجربات سے ثابت ہے بلکہ یہ بات دلچسپی کا باعث ہے کہ جسمانی بیماریوں کے علاوہ روزے سے اب نفسیاتی اور دماغی عوارض کا بھی کامیاب علاج کیا جا رہا ہے۔ روسی ڈاکٹر یوری نیکولائف ''علاج بالصوم'' کے متخصص شمار ہوتے ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ میں نے دماغی مسائل کے سات ہزار سے زائد مریضوں کا علاج روزے سے کیا ہے۔

علم وحی پر مبنی کلامِ نبوی کا اعجاز یہ ہے کہ صدیوں پر محیط تجربات اور تحقیقات کو صرف ایک جملے میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ صوموا تصحوا، روزہ رکھو اور صحت مند رہو۔ (دیکھیے روائع الاعجاز الطبی ۱/۳۱)

تطہیر بدن اور نشو و نما

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ. (معانی الاخبار از امام کلاباذی: ۳۲۱۔ سنن ابن ماجہ: ۱۷۴۵)

Marfat.com

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کا ارشادِ مبارک ہے کہ ہر چیز کی زکاۃ ہوتی ہے اور بدن کی زکاۃ روزہ ہے''۔

لفظ زکاۃ عرفِ عام میں ایک فقہی اصطلاح ہے، مگر وہ اس حدیث میں بہت گہری سائنسی معنویت کی نقاب کشائی کر رہا ہے، اس بات کی وضاحت اس لفظ کے لغوی مفہوم کو سمجھنے سے بہتر طور پر ہو سکتی ہے۔ لغت عرب میں لفظ ''زکاۃ'' نشوونما، اضافے اور پاک ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے (مختار الصحاح مادہ زک ی)

انسانی بدن کی بہتر نشوونما اور پاکیزگی دونوں لازم وملزوم ہیں۔ روزے کے ذریعہ بدن کی زکاۃ ادا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ بدن کے خلیات سے فضلات کو تحلیل اور خارج کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے، جب بدن مختلف قسم کے سمّی مواد سے پاک ہو جاتا ہے تو اس کے خلیات کی نشوونما اور پائیداری میں خود بخود اضافہ ہو جاتا ہے، یہ عمل نہ صرف بدن کی قوتوں میں افزائش کا باعث بنتا ہے بلکہ اس کے نتیجے میں درازیٔ عمر اور بڑھاپے کے اثرات کو مؤخر کرنے میں بھی خاصی مدد ملتی ہے۔ اب یہ تاثیرات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہیں۔ (دیکھیے، فاسٹنگ فار ہیلتھ اینڈ لانگ لائف از: ڈاکٹر ہارورڈ)

روزہ ایک حفاظتی ڈھال

عَنْ مُعَاذٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ.

(سنن نسائی: ۲۲۲۴۔ مسند احمد: ۸۰۴۵)

''حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ ایک ڈھال ہے''۔

نبیٔ رحمت ﷺ کے معجز کلمات دین ودنیا کی بھلائیوں سے معمور ہوتے ہیں، ان پر تھوڑا سا غور وخوض معانی کی اس جہت کو روشن کر دیتا ہے۔

درج بالا حدیثِ پاک اس کا واضح نمونہ ہے۔ عربی زبان میں جُنَّۃٌ سپر اور ڈھال کو کہتے ہیں۔ روزہ محض گناہوں، معاصی اور اخلاقی وروحانی خرابیوں سے ہی محفوظ نہیں رکھتا،

Marfat.com

بلکہ فی الحقیقت بے شمار بدنی عوارض بیماریوں اور مضرصحت جراثیمی حملوں سے بھی بالکل اُسی طرح بچاتا ہے جس طرح دشمن کے حملے کے وقت ایک ڈھال، تیروتفنگ اور خنجر وتلوار کے حملوں سے بچاؤ فراہم کرتی ہے۔ یہ مفہوم گزشتہ عنوانات میں بیان ہونے والی تفصیل سے یوں قدرے مختلف ہے کہ اُن میں بدن کے اندر پیدا شدہ اسباب مرض کے خاتمے اور ازالے کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے جبکہ زیرنظر اس حدیث میں ''حفظ ماتقدم'' کے تحت ''وقائی اصول'' یا حفاظتی تدابیر کا ضابطہ بیان کیا گیا ہے جن کے اختیار کرنے سے ابتدائی طور پر ہی بیماریوں کے حملے سے بچاؤ ممکن اور آسان ہو جاتا ہے۔ طبی اکتشافات کے مطابق روزہ بدن کے اندر ایک دفاعی نظام تشکیل دیتا ہے جس کی بدولت بدن وائرس کے بیرونی حملوں اور اندر موجود سمّی مواد کے داخلی حملوں دونوں سے محفوظ ہو جاتا ہے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ روزہ بدن کے کمزور سیلز کو ختم کر کے نئے سیلز کو جنم دیتا ہے، جس سے جسم میں قوت مدافعت زیادہ اور بہتر سطح پر آجاتی ہے۔

(روزہ کے متعدد فوائد کے لیے دیکھیے، The Sapooro Medical Journal 1986, Japan)

قدموں کا توازن

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ اَحَدِكُمْ فَلَا یَمْشِ اَحَدُكُمْ فِی نَعْلٍ وَاحِدٍ لِیَخْلَعْهُمَا جَمِیْعاً اَوْلِیَمْشِ فِیْهِمَا جَمِیْعاً. (صحیح مسلم:۲۲۹۸۔ سنن ابن ماجہ:۳٦۱۷)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ ایک جوتے میں نہ چلے بلکہ دونوں اتار دے، یا پھر دونوں ہی پہن کر چلے''۔

حدیث بالا میں عزتِ نفس، وقار اور متانت کا پہلو تو بہت نمایاں ہے، عقل مند انسان کے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ اس کا ظاہری حلیہ، لباس اور چال ڈھال سنجیدگی اور نفاست کا نمونہ ہو۔ اُسے ایسی ہیئت کذائی اختیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے وہ مضحکہ

Marfat.com

بن جائے۔ البتہ حدیث میں ان تمام معانی کے ساتھ ایک اور جانب بھی توجہ ملتفت ہوتی ہے جس کا تعلق روش اور چلنے میں توازن (Balance) اور اعتدال کے ساتھ ہے چلتے ہوئے توازن درست اور برقرار رکھنے میں جن اشیا کا عمل دخل بہت زیادہ ہے اُن میں پاپوش یا جوتوں کا بہت بڑا کردار ہے ان میں پاؤں کی ناہمواری یا معمولی اونچ نیچ کئی خطرات سے دوچار کرسکتی ہے، پاؤں کی رگوں میں موچ آنا یا ٹانگ کا پٹھہ کھنچ جانے کی شکایت بھی پیدا ہو سکتی ہے، چلتے ہوئے انسان معمولی عدم توازن کے باعث گر سکتا ہے اور اُسے ٹھوکر بھی لگ سکتی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہی وہ سارے طبی عوارض ہیں جو اصولِ توازن کے فقدان سے پیدا ہو سکتے ہیں اور آپؐ نے اس کے بنیادی سبب سے منع فرما دیا ہے۔ اس حدیث سے تعلیماتِ نبوی کی ہمہ گیری اور وسعت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

(دیکھیے، حاشیہ مسند احمد: ۱۲/۳۰۳، از احمد شاکر)

متوقع ضرر کا تدارک

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُکُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلْیَغْسِلْ یَدَهٗ قَبْلَ اَنْ یَّدْخِلَهَا فِیْ وَضُوْئِهٖ فَاِنَّ اَحَدُکُمْ لَایَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُهٗ. (صحیح بخاری: ۱۶۲۔ مسند الطیاسی: ۲۵۴۰)

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اُسے ہاتھوں کو اپنے وضو کے پانی میں ڈالنے سے پہلے دھونا چاہیے، کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اُس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے“۔

نیند کے عالم میں انسان کی بے خبری اور بے ہوشی ایک معروف حقیقت ہے، اس حال میں انسان مسئول اور مکلّف بھی نہیں رہتا۔ چنانچہ نیند کے دوران حرکات و افعال بے اختیاری قرار پاتے ہیں، تاہم بیدار ہونے کے بعد فوراً احتیاطیں اور پابندیاں عود کر آتی ہیں، اس حدیث میں کچھ اسی جانب اشارہ کیا گیا جس میں صحت و تندرستی اور امراض کے حملے سے دفاع کی رہنمائی بھی مضمر ہے۔

Marfat.com

پُرکیف اور سرور آگیں نیند میں بظاہر تو انسان ساکت و جامد پڑا نظر آتا ہے، تاہم ہاتھوں کی آوارہ گردی کو یہ گہری نیند بھی نہیں روک سکتی، نہ ہی بدن میں نجاست کے مراکز تک ہاتھوں کے پہنچنے میں کوئی امر مانع ہوتا ہے۔ آج کی عصری تحقیقات میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نجاست لامحالہ بعض زندہ جراثیموں پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں چھونے پر وہ دفعتاً ہاتھوں پر بھی منتقل ہو جاتے ہیں، جہاں سے یہ سلسلہ مزید آگے بڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ کا یہ حکم جہاں وضو کے لیے پاکیزہ پانی کو شرط قرار دیتا ہے وہیں آلودہ ہاتھ کے ذریعہ نجاست اور جراثیمی پھیلاؤ سے بھی روکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ حکم اور احتیاط یوں تو ہر حال میں نہایت ضروری ہے، البتہ اُس طرزِ معاشرت میں تو اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں جہاں آب رسانی کے لیے جدید نلکے وغیرہ نہیں پائے جاتے اور برتن میں ہاتھ ڈبو کر ہی پانی کا چلو بھرا جاسکتا ہے۔ اس حال میں ہاتھ ڈبونے سے پہلے لازماً کسی ذریعہ سے آلودہ ہاتھوں کو دھو لینا چاہیے۔ حدیث کے الفاظ سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس احتیاطی تدبیر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سونے والے شخص کو اپنے ہاتھ کی حرکات کا یقین ہو، اسے کچھ یاد نہ آرہا ہو تب بھی اس ادب پر عمل کرنا خود اپنے اور دوسروں سب کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

تکالیف کا سدّ باب

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: مَنْ نَامَ وَفِیْ یَدِہٖ غَمَرٌ وَلَمْ یغسلہ فَاَصَابَہٗ شَیْئٌ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَہٗ. (سنن ابوداود:۳۸۵۴۔ الادب المفرد:۱۲۱۹)

''حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص (کھانے کی بُو) اور چکنائی والے ہاتھوں کو دھوئے بغیر سو گیا، اگر کوئی تکلیف اسے پہنچی تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے''۔

نظافت وطہارت کا پہلو تو اس حدیث میں بہت واضح ہے اور اس کا التزام بہت ساری ضرر رسانیوں سے بچاتا ہے، سردست حدیث کے الفاظ میں دو اہم حالتوں کی طرف اشارہ نظر آتا ہے، ایک حالت کا تعلق کیمیاوی تغیر سے ہے۔ کھانے کے باقیات چکنائی اور دیگر

Marfat.com

اشیا ہاتھوں پر لگی رہ جائیں تو بدن کی فطری حرارت کے نتیجے میں تخمیری عمل اُسے کسی اور مضر حالت میں تبدیل کرسکتا ہے، بالخصوص ہند و پاک میں تیز مصالحوں کے استعمال سے یہ تغیر اور بھی مضر ہوسکتا ہے، جس کے باعث جلدی امراض خارش اور الرجی کے علاوہ پھوڑے وغیرہ بھی جنم لے سکتے ہیں۔

دوسری حالت حشرات الارض کی عادات اور عام تجربہ انسانی سے متعلق ہے کہ کھانے پینے کی بُو پر زہریلے اور بے آزار دونوں قسم کے کیڑے مکوڑے فوراً لپکتے ہیں اور اسی دوران وہ انسانی ہاتھوں کو ڈس سکتے ہیں یا اپنے ساتھ موجود خطرناک جراثیموں کو جسمِ انسانی تک منتقل کرسکتے ہیں۔ (مصابیح التنویر، از: شیخ الالبانی، ج ۱/۲۰۳)

یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں کہ ان سے احتراز ہی میں عافیت اور سلامتی ہے۔ نبی اُمی کا یہ حکم کس قدر مبارک رہنمائی پر مشتمل ہے، اس کا اندازہ اُس شخص کو بخوبی ہوسکتا ہے جو کبھی اسی نوعیت کی الرجی یا گزیدگی کے تکلیف دہ عمل سے گزرا ہو۔

برکت اور سائنس

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ طَعَامًا فَلَا یَمْسَحْ اَصَابِعَهٗ حَتّٰی یَلْعَقَهَا اَوْیُلْعِقَهَا. (صحیح مسلم: ۲۰۳۱۔ سنن ابوداوٗد: ۳۸۴۷)

وَعَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَاکُلُ بِثَلَاثِ اَصَابِعَ فَاِذَا فَرَغَ لَعِقَهَا. (صحیح مسلم: ۲۰۳۲۔ سنن ابوداؤد: ۳۸۴۸)

وَعَنْ جَابِرٍؓ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَرَبِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیِّ طَعَامِکُمُ الْبَرَکَةُ. (صحیح مسلم: ۲۰۳۳۔ سنن ترمذی: ۱۸۰۳)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو صاف نہ کرے بلکہ انہیں خود چاٹ لے یا چٹوا دے''۔

''حضرت کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو تین انگلیوں سے کھاتے ہوئے دیکھا، جب آپ فارغ ہوئے تو آپؐ نے اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا''۔

Marfat.com

''حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے انگلیوں اور تھالی کو چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تمہیں علم نہیں کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت پائی جاتی ہے''۔

سطورِ بالا میں تین احادیثِ مبارکہ ذکر کی گئی ہیں، تینوں میں کھانا کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو چاٹنے کا ذکر ہے۔ البتہ آخری حدیث میں اس کی توجیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ کھانے کے کس جز میں برکت پائی جاتی ہے، تمہیں اس کا علم نہیں اور تم بے خبری میں اُس جز کو تھالی میں چھوڑ سکتے ہو اور انگلیوں سے صاف کر سکتے ہو، اس صورت میں تم یقیناً برکت سے محروم ہو جاؤ گے۔

یہاں یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ کھانے کی برکت کون سی چیز ہوسکتی ہے، اس کا تعین کرنے کی کوشش کی جائے۔ لغت عرب میں لفظ برکت بڑھنے، اضافہ ہونے کے ساتھ نافذ اور قائم ہو جانے کا مفہوم بھی ادا کرتا ہے۔ (مختار الصحاح مادہ ب ر ک)

اس سے بدیہی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر کھانے کی مقدار وافر معلوم ہو، سیری اور سیرابی محسوس ہو، کھانا نظامِ انہضام میں نفوذ حاصل کرے اور بدن کو قوت پہنچائے تو بڑی حد تک برکت حاصل ہو جاتی ہے، دوسرے لفظوں میں کوئی بھی چیز جب اپنے اصل مقاصد حاصل کر لے تو اسے برکت کے حصول سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، چنانچہ خوراک کا اصل مقصد پُرشکمی نہیں بلکہ بدن کو وہ قوت بہم پہنچانا ہے، جس کے توسط سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی آسان ہو جائے۔

ان احادیث پر ہونے والی جدید خردبینی تحقیقات برکت کی اسی صورت کو واضح کرتی ہیں کہ کھانے کے بعد انگلیوں کے چاٹنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اس عمل سے ہاتھوں کے مساموں سے ایک مخصوص پلازمہ خارج ہوتا ہے جو نظامِ انہضام کو تقویت دیتا ہے، اسی طرح منہ کے اندر پائے جانے والے بعض غدود صرف انگلیاں چاٹنے سے ہی کچھ ایسی رطوبتیں خارج کرتے ہیں جو کھانے کے اندر تخمیری عمل کو آسان بنا دیتے ہیں اور معدے پر اضافی بوجھ نہیں آتا بعض امریکی ماہرینِ خوراک نے اس تحقیق کا انکشاف کیا ہے۔

(دیکھیے: سنت نبوی اور جدید سائنس، ج ۱، ص ۸۸)

Marfat.com

بعض جرمن سائنس دان تحقیق کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ انگلیوں کی پوروں میں قدرتی طور پر ایسے پروٹین پائے جاتے ہیں جو انسان کو اسہال، اُلٹی اور بدہضمی سے تحفظ فراہم کرتے ہیں، یہ پروٹین اس بیکٹیریا کو ہلاکت سے دوچار کر دیتے ہیں جو ہیضے جیسے امراض کا باعث ہوتا ہے۔ (نوائے وقت، صفحہ طب وصحت، ۳۰ جون ۲۰۰۵ء)

چنانچہ آنحضرتؐ کے احکامات کی روشنی میں یہ سمجھنا اب بہت آسان ہوگیا ہے کہ انگلیوں پر لگے ہوئے اور تھالی میں رہ جانے والے خوراک کے معمولی اور بظاہر ناکارہ اجزاء کس نوعیت کی برکت سے لبریز ہوتے ہیں اور پھر ان کو چاٹ لینے سے مزید کیسے کیسے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس بحث سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ چھری کانٹے اور چمچے کا استعمال یکسر ممنوع ہے، یہاں فقط یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ کھانے میں انگلیوں کا استعمال ان مصنوعی آلات سے بدرجہا زیادہ فوائد کا حامل ہے۔ اب تو مشاہدہ یہ ہے کہ متعدد مغربی باشندے بھی انگلیوں سے کھانا تناول کرنا پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ نورِ نبوت سے محروم یہ لوگ اس کی توجیہہ میں کہتے ہیں کہ کھانے کو چھونے کی بھی ایک لذت ہے اور وہ کانٹے چمچے کو درمیان میں لا کر اس لطف سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔ اب یہ مسلمان محققین کا فرض ہے کہ وہ انہیں آدابِ شریعت میں مضمر دیگر فوائد سے بھی آگاہ کریں، تاکہ اُن کے دلوں میں دینِ اسلام کی رغبت اور حقانیت کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

خواتین سے مصافحے کی ممانعت اور اس کی حکمت

عَنْ اُمَیْمَةَؓ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّؐ فِی نِسَاءٍ نُبَایِعُهُ فَاَخَذَ عَلَیْنَا مَافِی الْقُرْآنِ قَالَ: فِیْمَا اسْتَطَعْتُنَّ اَطَعْتُنَّ قُلْنَا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُه اَرْحَمُ بِنَا مِنْ اَنْفُسِنَا. قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تُصَافِحُنَا قَالَ: اِنِّی لَا اُصَافِحُ النِّسَاءَ.

(صحیح ابن حبان: ۴۵۵۳۔ موطا امام مالک: ۲۸۳۵)

''حضرت امیمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم کچھ عورتیں آنحضرت کی بیعت کے لیے آپؐ کے پاس حاضر ہوئیں، آپؐ نے ہم سے قرآن پاک کے بیان کے مطابق بیعت

Marfat.com

لی، اور فرمایا: جتنی طاقت ہو، اطاعت کرنا۔ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسولؐ ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔ پھر ہم نے کہا اے اللہ کے رسولؐ آپ ہم سے مصافحہ کیوں نہیں فرمارہے؟ آپ نے فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا"۔

اجنبی عورتوں کے ساتھ مصافحے سے احتراز اس حدیث سے ظاہر و باہر ہے۔نفس کے تزکیے اور اخلاق کو اس طرح کے اختلاط سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی اہلِ عقل سے مخفی نہیں، شریعت کے اوامر ہوں یا نواہی، سب بہت سارے محاسن اور حکیمانہ علتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ البتہ نارسا انسانی علم آہستہ آہستہ ان تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ زیرِ نظر حدیث مبارک میں بھی بعض ایسے پہلو موجود ہیں جو "Human Body" انسانی بدن پر ہونے والی جدید تحقیق میں منکشف ہوئے ہیں۔ علماء نے دریافت کیا ہے کہ انسانی جلد کی سطح پر اَن گنت ایسے خلیات پائے جاتے ہیں جو لمس کے احساس کو دماغ تک منتقل کرتے ہیں اور دماغ اس لمس کی یادداشت محفوظ کر لیتا ہے، یہ خلیات بالکل الیکٹرانک سینسرز کی طرح کام کرتے ہیں۔ اگر چھونے کا عمل پُرلطف اور لذت سے لبریز ہو تو دماغ میں اس چھونے والے کی پوری شخصیت کا ایک تصور قائم ہو جاتا ہے اور اس کی طرف پُرکشش میلانات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اگر لمس کا یہ عمل مسلسل ہو تو دماغ پر ایک ہیجان اور تشویش سی چھا جاتی ہے، جو بالآخر صنفِ مخالف سے ناروا اختلاط تک لے جاتی ہے۔ (روائع الاعجاز الطبی: ۱/۵۹۔۶۰)

اس تحقیق سے خواہ کوئی اتفاق نہ کرے، لیکن انسانی تجربہ و مشاہدہ بہرحال اس صورتحال کی توثیق کرتے ہیں اور رسول اللہؐ کے اس احتراز کی سائنسی توجیہہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔

نظربازی کے عواقب

عَنْ عَلِيِّ بن ابی طَالِبؓ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ لَهُ: یَاعَلِیُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَکَ الْاُوْلٰی وَلَیْسَتْ لَکَ الثَّانِیَةَ. (صحیح ابن حبان: ۵۵۷۰)

وَعَنْ جَرِیْرٍؓ قَالَ: سَاَلْتُ نَبِیَّ اللّٰهِ عَنْ نَظَرِ الْفُجْئَاةِ فَقَالَ اِصْرِفْ بَصَرَکَ. (صحیح مسلم: ۲۱۵۹)

Marfat.com

''حضرت علی بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے اُن سے فرمایا، اے علی (غیر محرم کی طرف) بار بار مت دیکھو، تمہیں پہلی نظر کی تو اجازت ہے، مگر دوسری کی نہیں''۔

''حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے (کسی غیر محرم پر) اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا: اپنی نظریں پھیر لو۔''

غیر محرم چہروں کو قصداً دیکھتے رہنے کے اخلاقی نقصانات بہت زیادہ ہیں اور اُن کی تفصیل کتب اخلاق و فقہ میں موجود ہے۔ ان سطور میں ہم نظر بازی کے جسمانی عواقب و نتائج پر مختصر اشارات کرنا چاہتے ہیں اور جو یقیناً آنحضرتؐ سے منقول ممانعت کے حکم میں داخل ہیں لیکن نبی کریمؐ نے بحیثیت پیغمبر اور رسول ہمیشہ پاکیزہ روحانی اقدار کو ترجیحاً زیادہ نمایاں طور پر بیان فرمایا ہے۔ تاہم آپؐ کے کلامِ معجز کے دائرے میں روح و اخلاق کے ساتھ مادّہ و بدن کی عافیت کا بھی کافی سامان موجود ہے۔ یہ کتاب اسی اجمال کی وضاحت میں تحریر کی گئی ہے۔

ماہرینِ اعصاب و دماغ کی رائے ہے کہ شہوت انگیز مناظر دیکھنے سے جسم میں کچھ ایسی کیمیاوی تحریک پیدا ہوتی ہے کہ بدن کے ہارمونز سخت زہریلی اور تیزابی رطوبت خارج کرنے لگتے ہیں جو دل و دماغ اور اعصاب کے لیے سوزش اور جلن کی سی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ نظر کا براہ راست اثر بھی دماغ، پٹھوں اور قلب پر ہوتا ہے۔ مزمن لوگوں میں یہ بے چینی اور ناآسودگی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ پھر وہ اعصابی تسکین اور نشیلی دواؤں کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے۔ (روائع الاعجاز الطبی فی الاسلام، از عبدالدائم الکحیل ۱/۶۰)

کمپیوٹر کے سوفٹ ویئر ماہرین اور عام تجربے سے یہ علم ہوتا ہے کہ تصویر کمپیوٹر کی میکانکی یادداشت (Memory) میں بہت زیادہ جگہ گھیرتی ہے، بالکل یہی کیفیت دماغی ذخیرے کی ہے۔ جس قدر دل پذیر اور متاثر کن مناظر نگاہوں میں آئیں گے اتنا ہی دل و دماغ کی یادداشت پر بوجھ بڑھے گا اور حافظے میں غور و فکر اور یادگیری کی صلاحیت کم ہوتی جائے گی۔ نتیجتاً دماغ انہی دلکش مناظر میں مشغول ہو کر تخلیقی و تعمیری سرگرمیوں سے پیچھے رہ جائے گا۔ اس تحقیق کو

Marfat.com

دیکھ کر نامحرم چہروں کا بار بار دیدار کرنے کی ممانعت اور اُس کی حکمت سمجھ میں آجاتی ہے۔

وراثتی عیوب سے تحفظ

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِؐ: تَخَیَّرُوا لِنُطَفِکُمْ وَانْکِحُوا الْاَکْفَاءَ وَانْکِحُوا اِلَیْهِمْ. (سنن ابن ماجہ:۱۹۶۸، سنن دار قطنی:۳۷۸۸)

''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: اپنے نطفوں کے لیے بہتر جگہوں کا انتخاب کرو، اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں نکاح کرو اور انہی کو اپنے رشتے دو''۔

حدیثِ پاک میں اپنی افزائشِ نسل کے لیے خاندان اور عورت میں بہتری کے ایک سے زائد مفاہیم ہو سکتے ہیں، بدنی اعتبار سے بہتری اور اخلاقی و دینی اعتبار سے بہتری دونوں کے متعلق احادیث میں مواد موجود ہے۔

یہاں ہم بدنی صحت و خوبصورتی کے اُن عوامل کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جنہیں بالعموم شادی بیاہ اور رشتوں کے قیام میں مدنظر رکھا جاتا ہے اور جو بدنی خواص یا عیوب وراثتی طور پر ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ پہلے یہ علم تجرباتی بنیادوں پر بہت کم افراد تک محدود تھا، مگر اب قانونِ وراثت کے سائنسی طور پر اثبات اور تعارف کے نتیجے میں بہت عام ہو گیا ہے۔ حدیث میں نطفوں کے لیے بہتر خاندان کے انتخاب کا واضح مطلب اپنی آئندہ نسل کو وراثتی عیوب و نقائص سے محفوظ رکھنے کی سعی کرنا ہے۔ یہی بات وراثتی قانون کے ذریعے بے خبر لوگوں کی سمجھ میں اب آئی ہے۔

وراثتی عیوب سے بچنے کے لیے جدید سائنس نے اب آ کر یہ نسخہ تجویز کیا ہے کہ ایک ہی خاندان کے اندر قریبی رشتہ داروں میں مناکحت سے اجتناب کیا جائے تاکہ خاندانی امراض ایک سے دوسرے کی طرف فوراً منتقل نہ ہو سکیں، تاہم حیرت ہے کہ بسند ضعیف اس بارے میں ایک روایت آنحضرتؐ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''قریبی رشتہ داروں میں شادیاں نہ کرو، اس کے نتیجے میں بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے''۔

Marfat.com

اسی طرح کا ایک قول حضرت عمرؓ سے بھی منقول ہے، جس کی سند بالکل صحیح ہے۔

(دیکھیے: ارشاد الساری از: امام قسطلانی، ۲۲/۸)

اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کی گفتگو اور مجالس میں یہ موضوع کسی نہ کسی طرح زیرِ بحث رہا اور وہیں سے حضرت عمرؓ نے اکتساب کیا اور مذکورہ بات آنحضرتؐ کی طرف بھی منسوب کر دی گئی۔ حدیثِ بالا کے الفاظ پر غور کریں تو گویا اسلام تخلیق ولد یا افزائشِ نسل کی شروعات سے قبل ہی صحیح اور صحت مند جوڑے کی تلقین کرتا ہے۔ بعض ممالک میں شادی سے قبل جس طبی معائنہ کو آج لازمی قرار دیا گیا ہے گویا اس کا اصول اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

علمِ طب کی دستاویزی حیثیت

عَنْ عَمْرِو بِنِ شُعَیْبٍؓ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ یَکُنْ مَعْرُوْفاً بِالطِّبِّ فَهُوَ ضَامِنٌ. (سنن ابوداود: ۳۵۸۸۔ سنن دارقطنی: ۳۴۳۹)

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا کے توسط سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جس نے علاج معالجے کا شعبہ اختیار کیا اور وہ سند یافتہ طبیب نہیں تھا، تو وہ (نقصان) کا ذمہ دار ہوگا''۔

ڈاکٹری یا فنِ طبابت خدمت انسانی کا بہت معزز شعبہ ہے، علم کی ایک معروف تقسیم ''علم الادیان اور علم الابدان'' کے لحاظ سے بھی یہ نصف علم کا درجہ رکھتا ہے۔ شاید اس کی توقیر و منزلت کا تقاضا یہی ہے کہ یہ علم مروجہ دستور کے مطابق اپنے متخصص ذرائع سے باقاعدہ حاصل کیا جائے۔ اس معروف طریقے کے بعد ہی کوئی اس قابل ٹھہرے کہ بیمار اپنے علاج کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔ اس حدیثِ پاک کے مطابق عطائیوں اور عطار کے لونڈوں کو ہرگز یہ اجازت نہ ہونی چاہیے کہ وہ انسانی زندگیوں سے کھیلیں اور مریضوں کو اپنے نسخے آزمانے کے لیے تختۂ مشق بنائیں۔ شعبہ طب سے تعلق کی بنیاد پر معاشرے میں معروف و معتبر ہونے کے ساتھ الفاظِ حدیث اس میدان میں مہارت کا بھی تقاضا کرتے ہیں، فی الحقیقت ماہر ہونا ہی سند یافتہ ہونے کی پہچان ہے ورنہ اکیلی یہ دستاویز خود کوئی مقام نہیں رکھتی۔

Marfat.com

آنحضرتؐ نے دیگر علوم وفنون کے مقابلے میں صرف فنِ طبابت ہی کے لیے دستاویز اور مہارت کو ضروری قرار دیا ہے، اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس شعبے میں انسانی جان داؤ پر لگی ہوتی ہے، جبکہ دوسرے شعبوں میں غالباً ایسا نہیں ہوتا۔

موٹاپے کے نقصانات

عَنْ جَعْدَةَؓ قَالَ: رَأَى النَّبِیُّ رَجُلاً سَمِیْناً، فَجَعَلَ النَّبِیُّ یُوْمِیْ اِلٰی بَطْنِہٖ وَیَقُوْلُ لَوْ کَانَ ھٰذَا فِیْ غَیْرِ ھٰذَا لَکَانَ خَیْراً لَکَ.

(مسند الطیاسی: ۱۳۳۲، مسند احمد: ۱۹۰۰۵)

''حضرت جعدہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ایک موٹے شخص کو دیکھا تو آپؐ نے اُس کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر یہ (افزائش) کسی اور جگہ ہوتی تو تمہارے لیے بہتر تھا''۔

حدیث کا منظر بہت واضح طور پر موٹاپے کے نقصانات اور اس کی وجہ سے بدن کا عدم توازن ظاہر کر رہے ہیں۔ آپؐ کا جملہ کئی معانی پر محیط ہے، ہم نے ترجمے میں صرف ایک کی نشاندہی کی ہے، یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ اس بڑھے ہوئے پیٹ کے باعث جو مسائل ومشکلات درپیش ہوتی ہیں وہ یہاں نہ ہوتیں تو بہتر تھا یا قوت وتوانائی کا جو سرمایہ اس پر صَرف کیا گیا ہے یہ کسی اور مقام پر لگایا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا، یہ معنی بھی خارج از قیاس نہیں کہ اس بڑھے ہوئے حجم میں فاضل اور غیر ضروری رطوبات یا ردی مواد جمع ہونے کی جو گنجائش پیدا ہوگئی ہے وہ یہاں نہ ہوتی تو یہ حالت، صحت، فعالیت اور چوکس رہنے کے لیے زیادہ مناسب ہوتی۔

جن معانی کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، حضرت عمرؓ سے منقول ایک قول میں بھی ان کو واضح کیا گیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا: تمہیں خوب کھا پی کر اپنا پیٹ پھلائے رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ یہ موٹاپا بدن کو خراب کر دیتا ہے، بیماریاں پیدا کرتا ہے اور عبادت میں سستی کا باعث ہے۔ (الطب النبوی، از: ابونعیم۔۱۲۷)

طب وجسم کے تازہ مطالعے ان سب اثرات کی تصدیق کے ساتھ کچھ تفصیل بھی فراہم

Marfat.com

کرتے ہیں۔ غذا و بدن پر جدید تحقیقات کے مطابق موٹاپے کے اگرچہ اسباب ایک سے زائد ہو سکتے ہیں، تاہم بالعموم یہ حالت بدن میں چکنائیوں کے جمع ہو جانے کے سبب پیدا ہوتی ہے، زائداز ضرورت خوراک کا استعمال اور زندگی کے معمولات میں بدنی مشقت کی کمی سے یہ فاضل چربیلے مادّے تحلیل نہیں ہو سکتے اور بدن میں جمع ہو جاتے ہیں اور موٹاپا وجود میں آجاتا ہے۔

اطبا یہ کہتے ہیں کہ موٹاپے کے باعث اوسط عمر میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے، یورپ اور امریکا سمیت دنیا کے خوشحال ملکوں میں اموات کا جائزہ اس تاثر کو ثابت کرتا ہے۔ امراضِ قلب، تنگیٔ نفس، خراٹے اور شوگر کا مرض بھی موٹاپے میں بہت جلدی حملہ آور ہوتا ہے، ان عوارض کے علاوہ بھی بہت سے بدنی مسائل کی نشاندہی تحقیقات میں کی گئی ہے۔

(دیکھیے: وکی انسائیکلوپیڈیا، مقالہ-Obesity)

اعلیٰ و ادنیٰ گوشت کی شناخت

عَنْ ضُبَاعَةَ اَنَّهَا ذَبَحَتْ شَاةً فِيْ بَيْتِهَا فَاَرْسَلَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ اَطْعِمِيْنَا مِنْ شَاتِكُمْ فَقَالَتْ مَاعِنْدَنَا اِلَّا الرَّقَبَةُ وَاِنِّي لَاَسْتَحْيِ اَنْ اُرْسِلَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ: قُلْ لَهَا اَرْسِلِي بِهَا فَاِنَّهَا هَادِيَةُ الشَّاةِ اِلَى الْخَيْرِ وَاَبْعَدُهَا عَنِ الْاَذٰى. (سنن نسائی: ٦٦٥٨، ۔ احمد: ٢٧٠٧٦)

''حضرت ضباعہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں بکری ذبح کی تو رسول اللہؐ کا پیغام آیا کہ کچھ ہمیں بھی چکھاؤ، میں نے کہا اب تو ہمارے پاس سوائے گردن کے کچھ نہیں بچا اور مجھے رسول اللہؐ کی طرف گردن بھیجتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ آپؐ نے پیغام بھجوایا کہ گردن ہی بھجوا دو کیونکہ یہ بکری کا ابتدائی حصہ ہے، زیادہ بہتر اور فاسد مواد سے بہت دور ہے''۔

دراصل جانور کے گوشت کی خوبی اور بہتری کے مقامات اور وجوہات کا جاننا خود ایک گہرا علم ہے، ایک ہی بدن کے بعض حصوں کو دوسرے اجزا کے مقابل خوب تر یا ردی قرار

Marfat.com

دینا محض ذائقے کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا، بلکہ حدیث میں اس کے جن اسباب و علل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ آجکل برقی خوردبینوں کے ذریعے ہی دریافت کیے جاسکتے ہیں، لیکن آنحضرتؐ نے فقط علمِ وحی کی بنیاد پر ان حقائق کو روشناس فرمادیا ہے، چنانچہ آپؐ کی یہ رہنمائی ایک سائنسی مقام کی حامل قرار پاتی ہے۔ حاذق اطبا نے ہمیشہ اس کی تصدیق کی ہے۔

اس حدیث میں جانور کی گردن کا تذکرہ آیا ہے، چند دوسری احادیث میں بکرے کی دستی اور پشت (پٹھ) کے گوشت کو آپ نے پسند فرمایا اور اسے زیادہ پاکیزہ اور سریع الہضم قرار دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد:۳۷۸۱، مستدرک حاکم:۷۰۹۸)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ گوشت کی خوب وخوب تر درجہ بندی سے پوری طرح واقف تھے۔

اطبا نے بھی جانور کے گوشت میں ترجیحات کی تقسیم کچھ اس طرح کی ہے، سر کے علاوہ جانور کا ابتدائی اگلا حصہ سب سے بہتر اور زود ہضم ہوتا ہے، پھر دائیں جانب کا گوشت بائیں کے مقابلے میں بہتر ہوتا ہے اور بدن کے اوپر (پشت) والا حصہ نچلے حصے سے زیادہ صاف ستھرا، مقوی اور لذیذ ہوتا ہے۔ (طب نبوی، از: ابن قیم۔۳۷۳)

ماہرین کی اس درجہ بندی میں حدیث کا استنباط ہی جھلکتا ہے اور کوئی نئی چیز نمایاں نہیں ہوتی۔

Marfat.com

باب دوم

تشخیصِ مرض،
دواسازی اور علاج

Marfat.com

ترتیب

جراحتِ قلب ۷۱
آلۂ قلب شناسی ۷۳
امراض قلب کی تشخیص ۷۴
تھرمامیٹر کا اصول ۷۶
امراضِ گردہ ومثانہ سے تحفظ ۷۷
فسادِ خون سے نجات ۷۸
توازن واعتدال کے ذریعے علاج ۸۰
بڑھاپے اور بیماری کا تدارک ۸۱
مادّی دوا سے نفسیاتی علاج ۸۲
خالص حیوانی دوا سے علاج ۸۴
خالص نباتاتی دوا سے علاج ۸۵
خاصیتِ دوا کی معرفت ۸۶
خالص معدنی دوا سے علاج ۸۷
صحت ومرض کا مرکز ۸۷
تشخیصِ مرض اور دوا کا انتخاب ۸۹
علاج اور اشتہائے صادق ۹۰
قانونِ توازن اور شفا ۹۱
زہر اور تریاق ۹۲
اُلٹا سونے کی قباحتیں ۹۵
خارش، الرجی اور ریشم ۹۶
علمِ طب میں مصلح کا اصول ۹۷
بخار اور بدن کی صفائی ۹۸
دوا کی مقدار کا ٹھیک تعین ۱۰۰
مرکب ادویہ کا اصول ۱۰۱
مفرد دوا کی اہمیت ۱۰۲
بڑھاپا ایک مرض! مگر لاعلاج ۱۰۴
غذا کا جوہر ۱۰۵
علاج بالغذا کا اصول ۱۰۶
مضبوط دانتوں کا نسخہ ۱۰۷
نماز اور شفا کا تعلق ۱۰۹
جنسی ہیجان کا علاج ۱۱۰
بسیار خوری کے عواقب ۱۱۲
لعاب اور مٹی کی شفائی خاصیت ۱۱۳
دائیں کروٹ لیٹنے کی حکمت ۱۱۵
چکنائی اور صحتِ دہن ۱۱۶
پانی سے علاج ۱۱۷
کولیسٹرول کی تحلیل ۱۱۹
حرام چیز سے دوا سازی کی ممانعت ۱۲۰
لاعلاج امراض ۱۲۲
حیوانی فضلات سے علاج ۱۲۴
تعینِ جنس اور شکل وشباہت ۱۲۵
جینیاتی ڈھانچے کا انہدام ۱۲۷
طبی وقانونی معائنہ ۱۲۹
انسانی بدن کے جوڑ ۱۳۰

Marfat.com

تشخیصِ مرض، دواسازی اور علاج

جراحتِ قلب (Open Heart Surgery)

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَاہُ جِبْرِیْلُ وَھُوَ یَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَہٗ فَصَرَعَہٗ وشَقَّ عَنْ قَلْبِہٖ فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ وَاسْتَخْرَجَ مِنْہُ عَلَقَۃً فَقَالَ ھٰذَا حَظُّ الشَّیْطَانِ فِیْکَ ثُمَّ غَسَلَہٗ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَھَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ اَعَادَہٗ فِیْ مَکَانِہٖ ثُمَّ لَاَمَہٗ وَجَاءَ الْغِلْمَانُ یَسْعَوْنَ اِلٰی اُمِّہٖ (ظئرہ) فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْہُ وَھُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ، قَالَ اَنَسٌ کُنْتُ اَرٰی اَثَرَ ذٰلِکَ الْمِخْیَطِ فِیْ صَدْرِہٖ۔

(صحیح مسلم: ۱۶۲۔ الشریعۃ از امام آجری: ۹۵۳)

”حضرت انسؓ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بچپن میں ایک دن آنحضرتؐ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے، انہوں نے رسول اللہؐ کو پکڑا اور لٹا دیا، پھر آپ کا سینہ چیر کر اُس میں سے آپؐ کا دل نکال لیا، پھر دل میں سے ایک لوتھڑا نکالا اور فرمایا کہ یہ آپ کے بدن میں شیطان کا حصہ تھا، پھر ایک سونے کے طشت میں آپؐ کے دل کو زمزم کے پانی سے دھویا اور اُسے دوبارہ اپنی جگہ پر نصب کر دیا، پھر اس جگہ کو سی دیا۔ (آپؐ کے ساتھ کھیلنے والے) بچوں نے یہ منظر دیکھا تو دوڑتے ہوئے آپؐ کی (رضاعی) والدہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ محمدؐ تو قتل ہو گئے، وہ سب لوگ فوراً آپ کی طرف آئے تو دیکھا کہ آپ کا رنگ اُڑا ہوا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپؐ کے سینے پر اس سلائی (Stitching) کے نشانات دیکھا کرتا تھا“۔

Marfat.com

یہ حیرت انگیز اور دلچسپ واقعہ آج سے قریباً ڈیڑھ ہزار برس قبل پیش آیا تھا اور اس سے بھی زیادہ حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے ساتھ جراحتِ قلب (Heart Surgery) کا یہ واقعہ کُل چار بار ظہور پذیر ہوا۔

پہلی مرتبہ چار سال کی عمر میں، جب آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ (حوالہ مذکور)

دوسری مرتبہ ۱۰ سال کی عمر میں (زوائد علی المسند، از: ابن احمد ۱۳۹/۵۔ مستدرک، از: امام حاکم۔ ۳۹۴۹)

تیسری مرتبہ جب آپ کو نبوت کی ذمہ داری سونپی گئی۔

(دلائل النبوۃ، از: ابونعیم۔ ۱۶۳، مسند الطیاسی۔ ۱۵۳۹)

چوتھی مرتبہ سفرِ معراج کے موقع پر یہ جراحی (Operation) عمل میں لائی گئی۔

(صحیح بخاری۔ ۳۳۴۲، صحیح مسلم۔ ۲۶۳)

تاریخِ انسانی میں دل کو بدن سے جدا کر کے عملِ جراحی کی یہ پہلی مثال ہے، اس نوعیت کے آپریشن کو جدید طبی اصطلاح میں (Open heart surgery) اوپن ہارٹ سرجری کہا جاتا ہے، اطباء قلب کے لیے اس نوعیت کا آپریشن ۱۹۵۵ء کے بعد ہی ممکن ہو سکا، جب ایک ایسی مشین (Heart lung machine) ایجاد کر لی گئی جو مصنوعی طور پر دل اور پھیپھڑوں کا کام کرتی ہے۔ بدن میں سانس اور جریان خون کا نظام وقتی طور پر اس مشین سے منسلک کرنے کے بعد اطباء کے لیے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ وہ دل پر آزادانہ جراحت کا عمل انجام دے سکیں۔

مسلمان اطبا میں سب سے پہلے ابوالقاسم الزاہراوی (متوفی ۴۲۷ھ) نے جراحتِ بدن کو باقاعدہ ایک فن کا درجہ دیا اور اسے پورے اندرونی اعضا کی جراحی تک ترقی سے نوازا اور بہت سے آلات جراحی بھی ایجاد کیے۔ زاہراوی کی کوششوں سے بہت سے لاعلاج امراض قابل علاج بن گئے، اس سے قبل جراحت کا عمل محض پھوڑوں پھنسیوں تک محدود تھا اور اکثر یہ کام حجام کیا کرتے تھے۔

(دنیائے اسلام میں سائنس کا عروج ص ۱۵۰، از: ڈاکٹر حفیظ الرحمان صدیقی۔ الاعلام للزرکلی ۳۱۰/۲)

آنحضرتؐ کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعہ کی معجزاتی حیثیت میں کوئی کلام نہیں، یقیناً اس جراحی میں خود آپ کی اپنی کوئی مہارت بھی کارفرما نہیں تھی، بلکہ یہ سب کچھ اللہ کے

Marfat.com

خصوصی کارندوں کے ذریعہ انجام پذیر ہوا۔ اگر اس کو ایک معجزۂ جان کا تسلیم کیا جائے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کی جانب سے آنے والی جملہ ہدایات، افعال و اقوال سب درحقیقت ایک معجزہ سے کم نہیں ہیں۔ جب ایک امّی نبی ایسی باتوں اور حکمتوں کی نشاندہی کرتا ہے جو صدیوں تک سائنس دانوں اور ماہرینِ فنون کی نظروں سے اوجھل رہیں اور پھر ان کے علم و تحقیق سے درست ثابت گئیں تو ایسے علوم اور انکشافات کو معجزے سے بہتر نام نہیں دیا جاسکتا۔ اس نقطۂ نگاہ سے آپؐ سے ثابت شدہ تمام معلومات، احکام اور حکمتیں قابلِ اتباع ہیں خواہ وہ بظاہر معجزاتی نظر آتی ہوں یا اُن میں خود آپؐ کا فکر و عمل نظر آرہا ہو، وہ عقل اور ٹیکنالوجی کے موافق معلوم ہوں یا اس کے مخالف، یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے بتائے ہوئے بہت سارے طبی، معاشرتی اور فنی نوعیت کے آداب جنہیں ایک زمانے تک پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ سمجھا جاتا رہا، آج وہ پوری علمیت کے ساتھ درست اور نہایت سائنٹفک ثابت ہو رہے ہیں۔

معجزہ ہونے کے باوجود نبی مہربانؐ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات نے جراحت قلب کی جس شکل اور امکانات کو متعارف کرایا تھا، آج جدید طب کچھ مشینوں اور برقی آلات کے سہارے بالآخر اُس کے قریب تک پہنچ گئی ہے، لیکن انسانی استعداد اور معجزے کے درمیان کچھ نہ کچھ فاصلہ تو تاقیامِ قیامت باقی رہے گا۔

آلۂ قلب شناسی (Stethoscope)

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَاصٍؓ قَالَ: مَرِضْتُ مَرَضاً أَتَانِی رَسُوْلُ اللّٰہِ فَوَضَعَ یَدَہُ عَلٰی ثَدْیِیْ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَھَا عَلٰی فُؤَادِیْ فَقَالَ اِنَّکَ رَجُلٌ مَفْئُوْدٌ۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۷۴، طبرانی کبیر: ۵۴۷۹)

''حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مریض ہوگیا تو آنحضرتؐ میرے پاس تشریف لائے، آپؐ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر رکھا، میں نے آپؐ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دل پر محسوس کی، پھر آپؐ نے فرمایا:

Marfat.com

تمہیں دل کی تکلیف ہوگئی ہے''۔

مشہور معالج ڈاکٹر خالد غزنوی مرحوم نے لکھا ہے کہ تاریخِ طب میں پہلی مرتبہ دل کے دورے کی تشخیص اسی موقع پر کی گئی جس کا تذکرہ اوپر حدیث میں آیا ہے۔

(دل کی بیماریاں اور علاج نبوی، ص ۸۰)

البتہ یہ حدیث ایک اور پہلو کی بھی نشاندہی کرتی ہے، جس کا تعلق دل کی حرکت اور بدن کی نبضوں کو جانچنے سے ہے، بعد میں اسی اصول کی بنیاد پر ایک سائنسی آلہ ایجاد کیا گیا جسے اسٹیتھو اسکوپ کا نام دیا جاتا ہے، آجکل اس آلے کی مدد سے حرکتِ قلب اور بدن کی اندرونی کیفیت کو سمجھا جاتا ہے، پہلے جو کام انسانی ہاتھ اور انگلیاں سرانجام دیتی تھیں، آج یہ آلہ وہی کام کر رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ جدت پیدا ہوگئی ہے کہ اس آلے کے ذریعے حاسہ سماعت بھی تشخیصی عمل میں شریک ہوگیا ہے اور معالج اسٹیتھو اسکوپ کی مدد سے بدن کے اندر مخصوص آوازیں بھی سن سکتا ہے جن سے مرض کو سمجھنا اور سہل ہوجاتا ہے۔

اس ترقی کے باوجود بھی حاذق معالج کی ہتھیلی اور انگلیوں کی پوریں تشخیص کا جو عمل انجام دیتی ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔ حدیثِ پاک میں رسول اللہؐ نے قلب شناسی کا جو طریقہ اختیار فرمایا وہ آج بھی مسلّم ہے، ساتھ ہی آپ کے انداز سے وہ سائنسی اصول بھی مستنبط ہوئے جن کی بنیاد پر حرکاتِ قلب اور نبض شناسی کے جدید آلات تیار کیے گئے۔ دل کی کیفیات کا مطالعہ کرنے کے لیے ECG اور ایکوساؤنڈ کے آلات بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

امراضِ قلب کی تشخیص (Cardiology)

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ: اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ. (صحیح بخاری:۵۲، صحیح مسلم:۱۵۹۹)

''حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا، غور سے سنو: بے شک بدن میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا بدن درست رہتا

Marfat.com

ہے اور اگر وہ خرابی کا شکار ہو جائے تو پورا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ گوشت کا یہ لوتھڑا دل ہے۔''

اس حدیث پر علوم طبعی کے ماہرین سے زیادہ روحانی علوم کے ماہرین کی توجہ رہی ہے، تزکیہ نفس اور صفائے باطن کا عنوان اس حدیث کی متصوفانہ تشریحات کے بغیر ہمیشہ نامکمل رہا ہے، تمام اہل تصوف بدن کے اعضاء کی راستی اور درستی کے لیے دل کو اخلاقی و روحانی امراض سے محفوظ رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔

(الرسالۃ القشیریۃ از عبدالکریم قشیر، ۱/۲۰۸۔ رسالۃ المسترشدین از حارث المحاسبی، ص ۱۱۰)

اہلِ باطن اور سالکین کی یہ بات قطعاً غیر معقول نہیں، بلکہ تربیت وارشاد کے لحاظ سے اس حدیث کی کوئی اور تشریح ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن نبی کریمؐ کے ارشادات گرامی اور ان کے مفاہیم کو کسی محدود معنی میں مقید نہیں کیا جا سکتا، بلکہ علم وعرفان کی ترقی اور اسرار ورموز کی پردہ کشائی کے نتیجے میں نئے معارف اور معانی کے دروازے کھل رہے ہیں۔

علم الاعضاء اور تشریح بدن کی حیرت انگیز معلومات انسان کے سامنے آئیں تو علم ہوا کہ اعضاء کے بدنی وظائف میں بھی دل کی حیثیت بالکل اسی طرح مرکزی ہے جس طرح فکر و اخلاق اور رشد و ہدایت کے امور میں دل کو اساسی مقام حاصل ہے۔ دل بدن کے تمام افعال کا حاکم ہے اور پورے جسم میں دوڑنے والے خون کا سارا نظام دل سے مربوط ہے۔ دل کی صحت، روانی اور متوازن حرکت سے پورے بدن کا توازن قائم ہے اور اس کے ضعف یا دھڑکن کی بے ترتیبی سے سارا پیکر متاثر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے آنحضرت کا ارشاد گرامی دل کے طبی وروحانی دونوں کرداروں کو واضح کرتا ہے اور دونوں شعبوں کے وسیع معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

دل کی ایک یہ انفرادیت بھی سامنے آئی ہے کہ یہ عضلاتی ٹکڑا جگر وغیرہ کی مانند نہیں ہے کہ اس کا اکثر حصہ خراب ہو جائے تب بھی چھوٹا سا درست حصہ کام کرتا رہتا ہے۔ اور بدن کی صحت پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، دل کے عضلات کچھ اس طرح گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ حرکت کریں تو سب اکٹھے، ورنہ کوئی بھی حرکت نہیں کرتا اور موت واقع ہو جاتی ہے، اسی

Marfat.com

طرح بدن کی تازگی اور تندرستی کے لیے دل کا قوی ہونا ضروری ہے۔ دل کے پٹھے، شریانیں اور خون کی نالیاں اگر کمزور ہو جائیں تو لامحالہ پورا بدن کمزوری اور ضعف کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وہ معنی ہے جسے حدیث میں دل کی صحت اور صلاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی طرح دل کے فساد کو پورے جسدِ خاکی کی خرابی کا مؤجب بتایا گیا ہے۔

امراضِ قلب کے بارے میں آنحضرتؐ کا یہ تشخیصی بیان اس وقت مزید نکھر کر سامنے آتا ہے جب اقوام متحدہ اور عالمی ادارہ صحت کی رپورٹیں یہ اعلان کرتی ہیں کہ دنیا میں موت کا سب سے پہلا بڑا سبب دل کا مرض ہے۔ ۱۹۴۸ء میں شروع ہونے والی ایک تحقیق میں دل کی شریانوں کے امراض کو ۶۰ فیصد تک موت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

(روائع الطب، از: نزار دقر ۴۳ ـــ National vital statistics reports volume.58 No-19)

تھرمامیٹر کا اصول (Thermometer)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِؐ وَهُوَ یُوْعَکُ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّکَ تُوْعَکُ وَعْکاً شَدِیْدًا، قَالَ اَجَلْ: اِنِّی اُوْعَکُ کَمَا یُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ. (صحیح بخاری: ۵۶۴۸۔ صحیح مسلم: ۶۷۲۴)

"حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی کریمؐ کے ہاں گیا تو دیکھا آپ بخار میں مبتلا تھے، میں نے کہا یا رسول اللہؐ آپ کو تو شدید بخار ہو رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں بے شک مجھے تمہارے دو مردوں کے برابر بخار ہوتا ہے"۔

حدیث میں بہت واضح طور پر انسانی بدن کی حرارت کو ناپنے اور اس کی مقدار معلوم کرنے کے امکان کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ دو افراد کی حرارت تب ہی معلوم کی جاسکتی ہے جب ایک فرد کی حرارت کا اندازہ معلوم ہو جائے۔ بعد میں اس تصور کو تھرمامیٹر کی ایجاد نے مکمل کر دیا۔ ابتدا میں کافی زمانے تک تھرمامیٹر پانی یا گیسوں کے انجماد اور کھولاؤ کو ماپنے کے لیے استعمال ہوتے تھے اور انسانی بدن کی حرارت معلوم کرنے کا خیال اس وقت تک نہیں آیا تھا، ۱۸۷۶ء میں پہلی مرتبہ تھرمامیٹر کو جسمانی حرارت ماپنے کے لیے

Marfat.com

استعمال کیا گیا۔ (۱۰۰ عظیم دریافتیں، ص ۱۸۱)

حیرت ہے کہ نبی کریمؐ نے اس امکان کا اظہار اُس وقت فرمایا جب اس کے بارے میں سوچنا بھی شاید مشکل تھا۔

امراضِ گردہ و مثانہ سے تحفظ (Urology)

عَنْ اَنَسٍؓ: اَنَّ اَعْرَابِیاً بَالَ فِی الْمَسجِدِ فَوَثَبَ اِلَیْہِ بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ: لاَ تُزْرِمُوْہُ: ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَصَبَّ عَلَیْہِ. (صحیح بخاری: ۲۲۰۔ صحیح مسلم: ۶۸۶)

''حضرت انسؓ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص مسجد میں پیشاب کرنے لگا، کچھ لوگ دوڑ کر اس کی طرف لپکے، چنانچہ آپؐ نے انہیں روکا اور فرمایا: اُس کا پیشاب منقطع مت کرو، پھر آپؐ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا اور اس کے پیشاب پر انڈیل دیا''۔

حدیث میں یہ پہلو قابل توجہ ہے کہ آپؐ نے دیہاتی کو پیشاب کرنے سے نہیں روکا، بلکہ الٹا اُن لوگوں کو بھی اسے بُرا بھلا کہنے یا اس کے پیشاب میں رکاوٹ ڈالنے سے منع کر دیا جو اس غرض کے لیے اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس سلسلے میں آپؐ نے جو لفظ استعمال فرمایا، وہ بہت گہرے طبی و سائنسی معانی اور حکمتوں پر مشتمل ہے۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا ''لَاتُـزْرِمُـوْہُ'' اس کے پیشاب میں رکاوٹ اور انقطاع پیدا مت کرو۔ شاید یہ بات اُن لوگوں کے لیے بہت سادہ ہو جو اعضائے بدن کے وظائف اور سرگرمیوں کے بارے میں کافی معلومات نہیں رکھتے۔ لیکن بدن میں موجود فاسد اور فاضل مواد کے نظامِ اخراج کو جاننے والے اہل علم کے نزدیک آپؐ کے الفاظ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ طبی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ پیشاب کو نکلنے سے پہلے روکے رکھنا اتنا نقصان دہ نہیں، جتنا اُس وقت روک لینا تکلیف اور امراض کا باعث ہو سکتا ہے جب وہ مثانے سے چھوٹ کر اپنے مخرج سے نکل رہا ہو۔ اس صورت میں پیشاب کی نالی میں سوزش اور دباؤ کے باعث سوجن پیدا ہو سکتی ہے اور اس کے اثرات مثانے کے علاوہ گردوں پر بھی پڑ سکتے ہیں، مثانے میں پیشاب

Marfat.com

پر قابو رکھنے کی استعداد کم ہوسکتی ہے۔

یہ وہ خطرات تھے جن کی بنا پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس بدوی کے پیشاب میں رکاوٹ پیدا کرنے سے روک دیا تھا۔

محدثین اور اہلِ قانون کی رائے یہ ہے کہ جب دو ضرر ایک جگہ جمع ہو جائیں تو اصولاً کم درجے والے ضرر کو قبول کرنا بہتر ہے۔ اس واقعہ میں بھی مسجد کی ناپاکی اور ایک انسان کا مختلف امراض میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ دونوں یکجا ہو گئے تھے، چنانچہ رسول اللہؐ نے مسجد کی ناپاکی کو قبول کرلیا، جسے بعد میں با آسانی دھو کر پاک کرلیا گیا۔ مگر اس بات کی اجازت نہ دی کہ دورانِ اخراج پیشاب رکوا کر متعدد خدشات کو در آنے کا موقع دیا جائے۔ (فتح الباری، ۱/۳۲۵)

آج جدید طب کا شعبہ (Urology) نبی کریمؐ کی بتائی ہوئی حکمت اور اصول کی تصدیق اور اتباع کر رہا ہے۔

فسادِ خون سے نجات

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ خَیْرَ مَاتَدَاوَیْتُم بِهِ الْحَجَامَةَ.

(صحیح بخاری: ۵۶۹۶)

وَقَالَ: اِنَّھَا تَذْھَبُ الدَّاءَ وَالصُّدَاعَ وَتَخِفُّ الصُّلْبَ وَتَجْلُو الْبَصَرَ.

(صحیح مسلم: ۱۵۷۷)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: ''علاج کے لیے سب سے اچھی چیز حجامہ ہے، یہ بیماری کو دور کرتی ہے، سر کا درد ختم کرتی ہے، طبیعت کو سبک اور رواں اور نظر کو تیز کرتی ہے''۔

عربی میں حجامت کا لفظ بدن سے فاسد خون نکلوانے کے ایک خاص طریقے پر بولا جاتا ہے، اردو میں اس عمل کو پچھنے یا سینگی لگوانا بھی کہتے ہیں۔ بعض اطباء اور سنیاسی جونکوں کے ذریعے خون کھینچ کر بھی یہ کام انجام دیتے ہیں۔ بظاہر یہ کام بہت زیادہ معقول نظر نہیں آتا، لیکن ذرا غور کریں تو یہ ایک بہت لطیف فن اور سائنٹفک طریقۂ علاج ہے، جس میں بدن کے

Marfat.com

اندر جریان خون کے نظام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض مخصوص مقامات سے زہریلا اور مواد فاسدہ سے آلودہ خون نکالا جاتا ہے، جس سے بدن ہلکا پھلکا اور چست ہو جاتا ہے۔ مختلف اعضا کا درد جاتا رہتا ہے اور کثیف مادّوں کے نکل جانے کی وجہ سے خون کی طبعی گردش میں بہتری آجاتی ہے اور انسان ایک قسم کی تازگی اور توانائی محسوس کرتا ہے۔

قدیم زمانے میں اس عمل کے ماہرین بدن کے متعلقہ حصے پر نشتر سے معمولی شگاف ڈال کر خون منہ سے چوس لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرتؐ کا خون حجامت کے دوران حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے چوس کر نکالا تھا۔ (معجم طبرانی اوسط: ۹۰۹۸) بعض لوگ کسی جانور کا سینگ اندر سے کھوکھلا کرنے کے بعد اس غرض کے لیے استعمال کرتے تھے، آج اس علاج کے لیے بہت جدید قسم کے شیشے کے ایسے کپ استعمال ہوتے ہیں جن میں اندرونی خلاء پیدا کر کے خون چوسنے کی بہترین صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اس طرزِ علاج کی خوبی پر رسول اللہؐ کی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، خود آنحضرت بھی معمولاً پچھنے لگوایا کرتے تھے۔

حدیث بالا میں آنحضرتؐ نے بدن کے بوجھل پن، دردوں اور بیماریوں کے رفع ہونے اور حجامت کے عمل کے درمیان جو گہری مناسبت بیان فرمائی ہے، وہ علم تشریح بدن کے لحاظ سے کافی غور طلب ہے۔ نیز ضمناً یہ پہلو بھی دلچسپ علمی حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے کہ خون کی آلودگی کیا ہوتی ہے، کثافت کیسے وجود میں آتی ہے اس طرح کا خون بدن میں کیسے کیسے عوارض پیدا کرتا ہے اور اس کا ٹھیک طرح سے اخراج کتنے منافع کا موجب ہے۔

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حدیث پاک میں اس جانب اشارہ موجود ہے کہ حجامت کا تعلق صرف حالتِ مرض سے نہیں، بلکہ حالت صحت میں بھی اس فن سے استفادہ سبک روی اور اضافی تازگی بخشتا ہے اور کئی متوقع تکالیف سے محفوظ رکھتا ہے۔

بعض علما حجامہ کو موسم گرما یا جغرافیائی طور پر گرم خطے کے باشندوں کے لیے مفید گردانتے ہیں، کیونکہ اس موسم میں خون رقیق ہوتا ہے اور جِلد کے مسام کھلے ہوتے ہیں، لہٰذا حجامہ کا عمل زیادہ آسان اور مفید ہوتا ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۱۵۱)

Marfat.com

توازن واعتدال کے ذریعے علاج

عَنْ عَائِشَةَؓ: اِنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِیَّ یَقُوْلُ: اِنَّ فِی الْحَبَّةِ السَّوْدَآءِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّامُ قُلْتُ وَمَا السَّامُ قَالَ اَلْمَوْتُ.

(صحیح بخاری: ۵۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۰۴)

''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بے شک کلونجی میں ہر مرض کی شفا موجود ہے، مگر سام کی نہیں۔ میں نے پوچھا کہ سام کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: موت''۔

اگر اطباء اور ماہرینِ نباتات کی طرز پر کلونجی کے تفصیلی خواص اور ان امراض کی فہرست جن میں یہ شفا بخش ثابت ہوتی ہے گنوائے جائیں تو شاید بات کسی اور طرف نکل جائے، ہماری جستجو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے نہایت مختصر الفاظ میں پوشیدہ جامع (Comprehensive) سائنسی حکمتوں کا کھوج لگایا جائے۔

اس نقطۂ نگاہ سے دیکھیں تو کلونجی کے بارے میں قدیم وجدید اطباء کی تحقیق اور تجربات یہ ثابت کرتے ہیں کہ کلونجی بدن کے اندر عضویاتی توازن کو منظم کرتی ہے، ہر طرح کے خلل اور بے اعتدالی سے انہیں محفوظ رکھتی ہے۔ یہ معیار برقرار ہو تو بدن کے عناصر اربعہ اور اخلاط اپنے مطلوب میزان کے مطابق رہتے ہیں یہ حالت بذاتِ خود ایک شفا ہے اور بدن میں بھرپور قوت مدافعت پیدا کرنے کا موجب، جس کے باعث امراض کے حملے پسپا ہو جاتے ہیں اور جسم انسانی تادیر صحت مند وتوانا رہتا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں ہر مرض کی شفا ہونے کا مفہوم دراصل یہی ہے جس کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے، البتہ موت کے مرض کو یہ شفا بھی درست نہیں کر سکتی، یہاں موت کا استثناء بھی ایک علمی معنویت کا حامل ہے۔ بے عقیدہ سائنس دانوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوتی تو وہ موت کا علاج دریافت کرنے کی کوفت اور پریشانی سے بچ جاتے۔ (الاعجاز العلمی فی الحبۃ السوداء، ص ۲۴۔۲۵، از ڈاکٹر احمد القاضی/ ڈاکٹر اسامہ قندیل)

Marfat.com

بڑھاپے اور بیماری کا تدارک

عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: یُنَادِیْ مُنَادٍ فِیْ الْجَنَّةِ اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا اَبَدًا اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَحْیَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَاَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا اَبَدًا. (صحیح بخاری:۴۵۳۸، صحیح مسلم:۲۸۳۷)

’’حضرت ابو سعید خدریؓ نبی پاکؐ سے روایت کرتے ہیں: آپ نے فرمایا، ایک اعلان کرنے والا جنت میں اعلان کرے گا، بے شک اب تم جواں رہو گے اور کبھی بوڑھے نہ ہو گے، تم زندہ رہو گے اور کبھی نہ مرو گے، اور تم ہمیشہ صحت مند رہو گے، کبھی بیمار نہ پڑو گے‘‘۔

حیاتِ سرمدی کی تمنا اور ہمیشہ جواں سال رہنے کی آرزو ہر دل میں پائی جاتی ہے، ماہرین حیاتیات اپنی تحقیقات سے تاحال اس خواہش کو بر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، البتہ انہوں نے اس جستجو میں اُن اسباب کو تلاش کر لیا ہے جو بڑھاپے، موت اور بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ تاہم وہ انہیں قابو کرنے میں ابھی تک ناکام ہیں اور کامیابی کا کوئی امکان اس دنیا میں نظر نہیں آتا۔ طبیعات کی رو سے امکان اور عدم امکان کی اسی بحث کو حدیثِ بالا میں واضح کیا گیا ہے۔ گویا یہ کہا گیا ہے کہ بڑھاپا اور موت ختم ہو سکتے ہیں، جوانی اور زندگی قائم رہ سکتی ہے، مگر اس دنیا کا قانونِ ناکارگی Entropy اس کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ اس کے لیے مابعد حیات جنت و دوزخ کا ایک نیا عالم وجود میں آئے گا جس کی طبیعات کا اصول فنا کے تابع نہیں ہو گا۔

علمی حیثیت سے یہ بہت کارآمد بات ہے کہ سائنس دان جس امکان کی تلاش میں مسلسل سرگرداں ہیں، انہیں اس امکان کی خبر دے دی گئی ہے، لیکن اس تک پہنچنے کے لیے ایک بار موت کی وادی سے گزرنا لازمی ہے۔ بڑھاپے اور موت سے فرار کی جدوجہد کے دوران محض اس حد تک واضح ہو سکا ہے کہ جسمِ انسانی میں ٹیلومیریز نامی کروموسومز پائے جاتے ہیں جو بدن کے خلیات کو بوڑھا ہونے سے روکتے ہیں اور ڈی این اے کے اندر صحت اور جوانی سے متعلق جینیاتی کوڈ کی حفاظت کرتے ہیں۔ البتہ خود ان ٹیلومیریز کو بہتر خوراک، اچھے ماحول، ورزش اور ذہنی دباؤ کی کمی سے کچھ عرصہ توانا رکھا جا سکتا ہے، لیکن انہیں خاتمے سے

Marfat.com

بچائے رکھنا ممکن نہیں۔ انہی کے خاتمے اور کمزوری سے بڑھاپا بیماریاں اور موت تیزی سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ (سنڈے ایکسپریس ۳ نومبر ۲۰۱۳ء صفحہ صحت۔ ہیومن باڈی، ص ۹۸)

حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جنت کی زندگی ایک ایسے ترقی یافتہ طبیعاتی قانون کے تحت قائم ہوگی جس میں بیماریوں، بڑھاپے اور موت کا باعث بننے والے اسباب کو کچھ ایسے طبعی خواص سے بدل دیا جائے گا، جن کی بدولت صحت اور جوانی ہمیشہ برقرار رہے گی۔

مادّی دوا سے نفسیاتی علاج

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ جَاءَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِؓ مِنَ الطَّائِفِ اِلَی النَّبِیِّ ؐ بِسَفَرْ جَلَۃٍ فَنَاوَلَہٗ اِیَّاھَا فَقَالَ: کُلُوْاالسَّفَرْ جَلَ فَاِنَّہٗ یَذْھَبُ بِطَخَاوَۃِ الصَّدْرِ.

(معجم طبرانی کبیر: ۱۱۰۴۶، الآثار لابن بشکوال: ۸۵)

وَقَالَ لِطَلْحَۃَؓ: اِنَّھَا تَجُمُّ الْفُوَادُ. (الطب النبوی لابی نعیم: ۷۹۱)

’’حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ طائف سے ایک بہی لے کر آنحضرت کے پاس تشریف لائے اور بہی آپ کو پکڑا دی۔ آپؐ نے فرمایا: بہی کھاؤ کیونکہ یہ دل کی مایوسی اور گھبراہٹ کو ختم کرتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے حضرت طلحہؓ کو بہی دیتے ہوئے فرمایا: یہ دل کو حوصلہ دیتی ہے‘‘۔

دل میں ناامیدی اور مایوسی کا پیدا ہونا یا دل کا تاریکی میں مبتلا ہوجانا دراصل ایک نفسیاتی و روحانی مرض ہے۔ اس طرح بے حوصلگی اور خوف کا طاری ہونا بھی جسمانی مرض نہیں لیکن ان امراض میں خالصتاً مادّی دواؤں کا استعمال بظاہر ایک اچھنبے کی بات ہے۔ چنانچہ حدیث ایک تجرباتی حقیقت کے طور پر اُن فلاسفہ کے نظریے کو باطل قرار دیتی ہے جو مادے اور روح کے باہمی ربط کو تسلیم نہیں کرتے۔ حدیثِ نبوی میں بہی کے متعلق اس انکشاف کے بعد اطباء کی تحقیقات بھی اس کے عین موافق ثابت ہوئی ہیں۔

(الحاوی از محمد بن ذکریا الرازی ج ۶/ ۲۰۵۔ کتاب المفردات: ۱۳۹)

حدیثِ نبوی کے ذخائر میں یہ واحد مثال نہیں، جس میں آپؐ نے نفسیاتی علاج کے

Marfat.com

لیے مادّی شے بطور دوا تجویز کی، بلکہ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں اور خاص طور پر طب نبوی کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ البتہ توضیح کے لیے ایک اور حدیث کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

صحیحین کی روایت کردہ ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دودھ ملا جو کا دلیہ (تلبینہ) مریض کا حوصلہ بڑھاتا اور غم و حزن میں کچھ کمی کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ اسی بنا پر اہل میّت کو تلبینہ پکا کر کھانے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ (صحیح بخاری:۵۶۸۹۔ صحیح مسلم:۲۲۱۶)

بخار کے عالم میں بھی آپؐ مریض کو یہی دلیہ کھلانے کی ہدایت فرماتے، تاکہ مریض کا دل یاسیت اور غم کا شکار نہ ہو۔ (سنن ترمذی:۲۰۳۹۔ سنن ابن ماجہ:۳۴۴۵)

جس طرح مادّہ روح پر اثر انداز ہوتا ہے، بعینہٖ اسی طرح روحانی ادویہ یعنی ماثور دعائیں اور کلماتِ مقدسہ بھی مادّے پر نفوذ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تمام قسم کے ثابت شدہ دَم اسی زمرے میں آتے ہیں، پھر جس طرح مبارک کلمات کی تاثیر پاکیزہ ہوتی ہے اسی طرح لغو اور کلماتِ خبیثہ کی تاثیر نہایت مضر اور خطرناک ہوتی ہے، جادو اور اُس کی قبیل کے اعمال اسی دائرے میں شامل ہیں اور شریعت میں اسی بنا پر جادو اور بیہودہ جھاڑ پھونک کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

جدید علوم میں پیرا سائیکلوجی کے تحت جب سے روحانی اور نفسانی خیالات اور الفاظ کی برقی قوت، تیزی اور رنگت پر تحقیقات ہوئی ہیں، تب سے روح و مادّے کے ارتباط کو سمجھنا بہت آسان ہوگیا ہے۔ روح کے اثرات مادّے اور مادّے کی تاثیر روح پر ہونا اب کوئی عجوبہ یا بعید از عقل بات نہیں رہی۔ سائنس نے خاصی عرق ریزی کے بعد ان دونوں کی حقیقت کو اب سمجھا ہے اور رسول اللہؐ نے بہت زمانے قبل ہی ان کی اصل حقیقت کی طرف اشارات فرما دیے تھے، بلکہ آپ کے بتائے ہوئے وہ طریقہ ہائے علاج جن میں آپ نے روحانی اور مادّی دونوں چیزوں کو یکجا کر کے ایک مرکب دوائی تصور پیش فرمایا اُس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے میں خلط ملط ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور یکجا ہو کر بھی اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بطور مثال بچھو کے ڈسنے پر آپ کا تجویز کردہ علاج پیش کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حالتِ نماز میں بچھو نے آپؐ کی انگلی پر ڈس لیا آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے ایک برتن میں پانی اور نمک منگوایا آپ اس نمکین پانی کو ڈسنے والی جگہ پر انڈیلتے جاتے اور سورہ اخلاص اور معوذتین بھی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے، یہاں تک کہ درد رُک گیا۔ (سنن ترمذی:۲۹۰۵)

اسی نوع کی ایک حدیث مٹی کی دوائی تاثیر والے عنوان کے تحت گزر چکی ہے، چند اور مثالیں بھی قارئین کے سامنے آجائیں گی۔

خالص حیوانی دوا سے علاج

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ: دَوَاءُ عِرْقِ النَّسَا اِلْیَۃُ شَاۃٍ اَعْرَابِیَّۃٍ تُذَابُ ثُمَّ تُجَزَّاءُ ثَلَاثَۃَ اَجْزَاءٍ ثُمَّ یُشْرَبُ عَلَی الرِّیْقِ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ جُزْأٌ۔ (سنن ابن ماجہ:۳۴۶۳۔ مسند احمد:۱۳۳۲۸)

''حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے سنا: عرق النساء کی دوا یہ ہے کہ بیابان میں چرنے والی بھیڑ کی چکتی پگھلا کر تین حصوں میں تقسیم کرلی جائے پھر روزانہ صبح نہار منہ ایک حصہ پی لیا جائے''۔

مرضِ عرق النساء میں ران اور کولہے کے جوڑ سے ایک درد نیچے کی جانب جاتا ہے، مرض پرانا ہوجائے تو پنڈلی اور ٹخنوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اس مرض کے نام میں لفظ ''نسا'' کا آخر میں ہمزہ کے ساتھ لفظ ''نساء'' بمعنی عورتیں، کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ عام طور پر غلط فہمی کی وجہ سے مشہور ہے، نہ ہی یہ کوئی نسوانی مرض ہے، بلکہ شاید مردوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں دو توجیہات قابل ذکر ہیں۔ (۱) نسا بمعنی مؤخر یا عقب، کیونکہ جو رگ دکھتی ہے اور اس مرض کا باعث ہے وہ ران کے عقب میں پائی جاتی ہے۔ (۲) نسا بمعنی نسیان اور بھلا دینا۔ یہ مفہوم اس طرح صادق آتا ہے کہ اس مرض کا درد اتنا شدید ہوتا ہے کہ باقی ہر تکلیف کو بھلا دیتا ہے۔

بالعموم اطباء کے نزدیک یہ مرض طبیعت میں خشکی اور بعض لیس دار فاضل اور فاسد

Marfat.com

مادوں کے باعث نمودار ہوتا ہے، اس کا فطری علاج یہی ہے کہ بدن کو حرارت پہنچائی جائے اور فاسد مواد کو پگھلا کر با آسانی خارج کر دیا جائے۔ (الطب النبوی، از امام ابن قیم، ص ۷۱)

بھیڑ کی چکنی میں یہ دونوں خصوصیات یعنی حرارت اور اخراج پائی جاتی ہیں اور پھر وہ بھیڑ جو پہاڑوں اور جنگلوں میں انواع اقسام کی جڑی بوٹیاں کھاتی ہے اس کی چربی میں بھرپور غذائی اجزا بھی پائے جاتے ہیں اور متوازن خوراک کی بنا پر ایک نوع کی لطافت اور ہلکا پن بھی موجود ہوتا ہے۔ گویا نبی کریمؐ نے اس حدیث میں خالص حیوانی دوا کو متعارف فرمایا ہے۔ بعد کے اطباء نے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے بے شمار جانوروں کے مختلف اعضاء کی تاثیر اور خواص پر گہری تحقیق کی ہے اور انہیں مختلف امراض و عوارض میں بطور دوا استعمال کیا ہے۔ (دیکھیے: حیاۃ الحیوان الکبریٰ، از امام کمال الدین الدمیری، دو جلدیں)

خالص نباتاتی دوا سے علاج

عَنْ سَلْمیٰؓ خَادِمَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَتْ: مَا کَانَتْ تُصِیْبُہٗ قُرْحَۃٌ وَلَا نِکْبَۃٌ اِلَّا اَمَرَنِیْ اَنْ اَضَعَ عَلَیْھَا الْحِنَاءَ. (سنن ترمذی: ۲۰۵۴۔ سنن ابن ماجہ: ۳۵۰۲)

وَقَالَتْ وَلَا وَجْعاً فِیْ رِجْلَیْہِ اِلَّا قَالَ اِخْضِبْھَا بِالْحِنَاءِ. (سنن ابوداؤد: ۳۸۵۸)

وَقَالَتْ: کَانَ اِذَا صَدَعَ غَلَفَ رَأْسَہٗ بِالْحِنَاءِ. (معجم الاوسط طبرانی: ۵۶۲۹)

''حضرت سلمیٰؓ آنحضرتؐ کی خادمہ بیان فرماتی ہیں کہ آپ کو کبھی زخم لگ جانے یا پھوڑے پھنسی کی شکایت ہو جاتی تو آپؐ مجھے اس پر مہندی لگانے کا حکم فرماتے، اسی طرح اگر کسی کے پاؤں دُکھتے تو فرماتے: ان پر مہندی لگاؤ۔ جب آپ کا سر دُکھتا تب بھی اس پر مہندی کا لیپ لگاتے تھے''۔

اس حدیث میں مہندی کے خواص کے علاوہ ہمارے قائم کردہ عنوان کی وضاحت بھی بخوبی ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث بطور نمونہ ہے، ورنہ ذخیرۂ احادیث میں خالص نباتات کے ذریعے علاج کی متعدد مثالیں موجود ہیں اور چند ایک کا تذکرہ زیر مطالعہ کتاب میں بھی قارئین کے سامنے آگیا ہے۔ مہندی ایک کثیر الفوائد پودا ہے، حدیث نبوی سے بھی اس کے

Marfat.com

متعدد استعمالات واضح ہو رہے ہیں۔ اطباء کے نزدیک بھی مہندی سرد و خشک درجہ دوئم کے ساتھ خون صاف کرنے، درد رفع کرنے اور جلد کی بیماریوں میں اکسیر کا مقام رکھتی ہے۔

(الطب النبوی از ابن قیم، ص ۸۹۔ المفردات: ۴۷۸)

خاصیتِ دوا کی معرفت

عَنْ اَبِیْ هِنْدِ الدارِیؓ قَالَ اُهْدِیَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ طَبَقٌ مِنْ زَبِیْبٍ مُغَطًّی فَکَشَفَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ کُلُوْ بِسْمِ اللّٰهِ نِعْمَ الطَّعَامُ الزَّبِیْبُ یَشُدُّ الْعَصَبَ وَیَذْهَبُ بِالْوَصَبِ وَیُطْفِئُ الْغَضَبَ وَیُطَیِّبُ النَّکْهَةَ وَیَذْهَبُ بِالْبَلْغَمِ وَیُصَفِّی اللَّوْنَ.

(الطب النبوی، از امام ابو نعیم اصفہانی: ۳۷۱۔ تلخیص از امام خطیب بغدادی، ۲/۳۶)

''حضرت ابو ہند داریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم کو ایک تھال میں ڈھانپ کر کشمش بطور ہدیہ پیش کی گئی، آپؐ نے اُس پر سے پردہ اٹھایا اور فرمایا: اللہ کا نام لے کر کشمش کھاؤ یہ اعصاب کو مضبوط کرتی ہے، تھکن کو دور اور غصے کو ٹھنڈا کرتی ہے، منہ میں خوشبو کا باعث اور بلغم ختم کرنے کے ساتھ رنگ میں نکھار پیدا کرتی ہے''۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ فنِ علاج میں مطلوبہ دوا کی تاثیر، مزاج اور خواص کی پہچان بہت اہمیت رکھتی ہے، اس کے بغیر نہ تو درست دوا تجویز کی جا سکتی ہے اور نہ ہی مریض شفا و صحت کے قریب آ سکتا ہے، اسی ضرورت کی بنا پر قدیم و جدید معالجین نے Matria, Medica پر مستقل کتب تصنیف کی ہیں۔

حدیث بالا خواص دوا کو جاننے کی بہترین مثال ہے، پھر ان خواص کو متعلقہ امراض سے منسلک کرنا اس سے بھی اگلا قدم ہے۔ حدیث دونوں کی اصولی حیثیت کو واضح کرتی ہے۔ آنحضرتؐ نے کشمش کے جو خواص اور فائدے بیان کیے ہیں بعد کے اطباء نہ صرف اُس میں کوئی خاص اضافہ نہیں کر سکے بلکہ وہ انہی خواص کی تشریح کرتے رہے ہیں۔

(دیکھیے: الحاوی از امام محمد بن ذکریا الرازی، ج ۶/۲۶۹۔ کتاب المفردات: ۳۶۵)

Marfat.com

خالص معدنی دوا سے علاج

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ: مِنْ خَیْرِ اکحالِکُمُ الْاِثْمِدُ یَجْلُوْ الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ. (معجم الطبرانی الکبیر: ۱۲۲۵۷۔ سنن ابوداؤد: ۳۸۷۸)

''حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: سرموں میں سب سے اچھا اثمد ہے، یہ نظر تیز کرتا ہے اور (پلکوں) کے بال بڑھاتا ہے''۔

سرمہ ایک معروف سیاہ معدنی پتھر ہے، جس کا سفوف برسہا برس سے آنکھوں کی خوبصورتی، نظر کی صفائی اور تیزی نیز آشوب چشم اور پلکوں کی خارش میں مستعمل ہے۔ رسول اللہؐ نے ان سرموں میں ایک خاص قسم اثمد کو متعارف فرمایا ہے یہ سرمہ نسبتاً سرخی مائل سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور حجاز (مکہ و مدینہ) کے پہاڑوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی اچھی قسم اصفہان سے بھی آتی ہے۔ اطباء کے نزدیک اثمد میں عام سرموں کے مقابلے میں زیادہ منافع پائے جاتے ہیں۔ (القانون فی الطب، از ابن سینا ۲/ ۱۶۵۔ عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۱۰/ ۲۵۹)

اثمد خالصتاً ایک معدنی پتھر ہے جو بغیر کسی اور کو ساتھ ملائے استعمال کیا جاتا ہے۔ دافع عفونت ہونے کے باعث آنکھوں کی سوزش اور مختلف امراض میں بہت مفید نتائج کا حامل ہے۔ رسول اللہؐ نے حدیث بالا میں اس کے دوایسے فوائد یا نتائج کا ذکر فرما دیا ہے جو ظاہر ہے کہ آنکھوں کی جملہ تکالیف کے خاتمے سے ہی برقرار رہتے ہیں۔ پلکوں کو گھنا بنانے میں اس سرمے کا جو کردار ہے اس کی جدید افادیت یہ سامنے آئی ہے کہ بڑی پلکیں آنکھوں کو سورج کی الٹرا وائلٹ اور دیگر مضر شعاعوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس، ج ۱، ص ۳۴۵)

حدیث بطور مثال اس اصول میں بہت واضح ہے کہ مختلف معدنیات کو بطور دوا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

صحت و مرض کا مرکز

عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ: اَلْمِعْدَۃُ حَوْضُ الْبَدَنِ وَالْعُرُوْقُ اِلَیْهَا وَارِدَۃٌ فَاِذَا صَحَّتِ الْمِعْدَۃُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالصِّحَّۃِ وَاِذَا

Marfat.com

سَقَمَتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالسُّقْمِ.

(فوائد تمام لابی القاسم الرازی:۳۱۵۔طبرانی الاوسط:۴۳۴۳)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی رحمتؐ نے فرمایا: معدہ بدن میں (توانائی کا) حوض ہے (بدن کی) رگیں اس سے پیاس بجھاتی ہیں، اگر معدہ صحت مند ہوگا تو رگیں صحت کے ساتھ سیراب ہوں گی اور اگر معدہ بیمار ہوگا تو رگیں بھی مرض کے ساتھ لوٹیں گی''۔

علم الابدان کے قدیم و جدید تمام ماہرین انسانی بدن میں معدے کی بنیادی اہمیت کے قائل رہے ہیں۔ قانونِ طب میں معدہ وہ عضو ہے جس کی صحت یا خرابی اعضائے رئیسہ سمیت پورے بدن کی کارکردگی کو متاثر کرتی ہے۔ اطباء کے نزدیک معدہ جسم میں خوراک ذخیرہ کرنے کا ایک ''ظرف'' ہے۔ یہی بات حدیث بالا میں معدے کو ''حوضِ بدن'' کی تعبیر کے ساتھ واضح کی گئی ہے، جس طرح ایک تالاب پانی کو ذخیرہ کرتا ہے اور دور دراز سے پیاسی مخلوق آکر اُس سے اپنی پیاس بجھاتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح بدن کے تمام اعضاء اپنی خوراک و توانائی کی ضرورت معدے میں موجود غذا سے پوری کرتے ہیں۔ چنانچہ معدے کا یہ حوض اگر زہریلے اثرات اور امراض کے جراثیم سے پاک ہوگا تو تمام دیگر اعضاء بھی امراض سے محفوظ رہیں گے اور بدن چست و توانا ہوگا۔ دوسری صورت میں تمام اعضاء ضعف اور اضمحلال کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ مفہوم بھی اس میں شامل ہے کہ مزاج کے لحاظ سے غذاؤں کے استعمال میں توازن اور اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے ورنہ ایک جیسی تاثیر اور مزاج رکھنے والی خوراکوں کی کثرت بھی معدے کے نظام میں خلل کا سبب بن سکتی ہے اور اس کے نتیجے میں پورا بدن متاثر ہوسکتا ہے۔

معدہ ایک لچکدار مگر سخت عضلاتی تھیلا ہے۔ یہ تمام حیوانات میں نہیں پایا جاتا بلکہ یہ ''ہمہ خور'' یا خاص طور پر گوشت خور حیوانات کا خاصہ ہے۔ انسان بھی اس صنف سے تعلق رکھتا ہے۔ انسانی بدن میں معدہ باہر سے آنے والی خوراک کو ایک نسبتاً طویل اور پیچیدہ کیمیاوی عمل کے ذریعہ قابل استعمال توانائی میں تبدیل کرتا ہے، ورنہ اس عمل کے بغیر مختلف

Marfat.com

خوراکیں بہت جلد تعفن اور پھپھوند کا شکار ہو جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں بدن نا قابل تلافی نقصان سے دوچار ہو سکتا ہے۔ انسانی جسم میں رگ و ریشے کا نہایت طویل اور دقیق نظام کسی نہ کسی شکل میں معدے سے مربوط ہے اور اُس سے توانائی کشید کرتا ہے، پھر اس کا نتیجہ پورے بدن کی کارکردگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تفاصیل علمِ طب کے تحقیق نگاروں کو صدیوں کی عرق ریزی اور جراحی کے طویل تجربات کے بعد حاصل ہوئی ہیں۔ مگر نبی کریمؐ نے نورِ نبوت کی روشنی میں انسانی جسم کے اندھیروں میں جنم لینے والی اس کہانی کو صرف دو جملوں میں سمو دیا ہے۔ روایتِ مذکور میں دو الفاظ ''ورود'' یعنی پیاس بجھانے کے لیے رجوع کرنا اور ''صدور'' یعنی سیراب ہو کر لوٹنا بہت علمی پیرائے میں معدے کی اس مرکزی سرگرمی کو بیان کرتے ہیں جس کا ذکر گزشتہ سطور میں گزرا ہے۔ حدیث نبوی میں پائے جانے والے یہی وہ قابل توجہ پہلو ہیں جو جدید سائنسی تحقیقات میں حدیثِ پاک سے استفادے کی ضرورت کو واضح کرتے ہیں۔ (دیکھیے: ہیومن باڈی از برائن آر وارڈ، ص ۲۲ تا ۲۷)

تشخیصِ مرض اور دوا کا انتخاب

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّاءَ بَرِاءَ بِاِذْنِ اللّٰہِ. (صحیح مسلم)

''حضرت جابرؓ نبی کریم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ہر بیماری کی ایک دوا موجود ہے، جب کوئی دوا مرض کے مطابق متعین ہو جاتی ہے تو مریض شفایاب ہو جاتا ہے''۔

شاید یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ علم طب کا سارا دارو مدار مرض کی ٹھیک تشخیص اور پہچان پر قائم ہے۔ اس ضمن میں مرض کی نوعیت، اسباب اور علامات کا علم بھی بہت ضروری ہے، یہ بہت باریک اور لطیف علم ہے جو بہت کم معالجین کے نصیب میں آتا ہے، ورنہ بے چارے اکثر مریض اطباء کی تجربہ گاہ اور تختۂ مشق بنے رہتے ہیں۔ حدیثِ بالا میں نبی کریمؐ نے مرض کی درست تحقیق پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس مرض کے لیے بالکل مناسب اور

Marfat.com

ٹھیک دوا کے انتخاب کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ فنِ علاج میں درحقیقت یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔ اگر مرض کی تشخیص درست نہیں تو اچھی سے اچھی دوا بھی نافع نہیں ہوتی، بلکہ ضرر کا امکان زیادہ ہوتا ہے اسی طرح اگر بیماری کی پہچان تو ٹھیک طرح سے کر لی گئی ہے مگر دوا کا تعین اُس کے موافق نہیں تب بھی شفا کوسوں دور ہی رہتی ہے۔ یہی وہ طبی اصول ہے جسے حدیث میں بہت جامع الفاظ میں سمو دیا گیا ہے۔

علاج اور اشتہائے صادق

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ عَادَ رَجُلاً فَقَالَ: مَاتَشْتَهِیْ؟ فَقَالَ اَشْتَهِیْ خُبْزَ بُرٍّ قَالَ النَّبِیُّ: مَنْ کَانَ عِنْدَهُ خُبْزُ بُرٍّ فَلْيَبْعَثْ اِلٰی اَخِيْهِ ثُمَّ قَالَ: اِذَا اشْتَهٰی مَرِيْضُ اَحَدِکُمْ شَيْئاً فَلْيُطْعِمْهُ. (سنن ابن ماجہ:۱۴۳۹)

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ عَلٰی مَرِيْضٍ يَعُوْدُهُ فَقَالَ أَتَشْتَهِیْ شَيْئاً؟ اَتَشْتَهِیْ کَعْکاً قَالَ نَعَمْ فَطَلَبُوْا لَهُ. (سنن ابن ماجہ:۱۴۴۰)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپؐ نے مریض سے پوچھا کس چیز کو جی چاہتا ہے؟ وہ بولا گندم کی روٹی کو جی چاہتا ہے، آپؐ نے فرمایا: جس کسی کے پاس گندم کی روٹی ہو وہ اپنے بھائی کے پاس بھجوائے، پھر فرمایا: جب کسی کا مریض کوئی چیز کھانے کی خواہش کرے تو وہ اُسے کھلا دے''۔

''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ ایک مریض کی عیادت کو تشریف لے گئے تو اُس سے پوچھا، کیا کھانا چاہتے ہو، کیا کیک کھانے کو دل کر رہا ہے، مریض نے کہا، جی ہاں، چنانچہ صحابہؓ نے اُسے کیک منگوا کر دیا''۔

سطورِ بالا میں بیان کی گئی دونوں حدیثیں مریض کی نفسیات، اس کی رغبت اور اشتہائے صادق کو دورانِ علاج ملحوظ رکھنے کی افادیت واضح کر رہی ہے۔ یہ بات علم علاج وطب میں مسلّم ہے کہ حالتِ صحت میں بھی اشتہاء کے مطابق خوراک ہی بدن کو نفع پہنچاتی ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

حالتِ مرض اس بات کا زیادہ تقاضا کرتی ہے کہ مریض کی خواہش اور اس کے بدن میں پیدا ہونے والی رغبت اور طلب کے مطابق اُسے غذا فراہم کی جائے، اس طرح کی غذا کو بدن کا حیاتیاتی نظام فوراً جذب کرتا ہے اور مریض کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات خود مرض بھی جسم میں غذائی عدم توازن کے باعث پیدا ہوتا ہے، چنانچہ مریض کے دل میں متعین غذاؤں کی خواہش پیدا ہوتی ہے، ان کے کھانے سے بدن میں وہ عناصر پیدا ہوتے ہیں جن کی اس کو ضرورت تھی، پھر اس عمل کی بدولت نہ صرف جسم کو فائدہ پہنچتا ہے بلکہ مرض کے خاتمے میں بھی مدد ملتی ہے۔ (حدیثِ نبوی اور علم النفس، از: ڈاکٹر محمد عثمان نجاتی، ص ۱۶)

ان حدیثوں میں اُس معیار اور توازن کی جانب بھی واضح اشارہ ہے جس کی بدولت بدن میں رغبت و کراہت اور اشتہاء کا مزاج تشکیل پاتا ہے، اس ضابطۂ توازن پر ہم ان شاء اللہ اگلی حدیث کے ضمن میں بات کریں گے۔

قانونِ توازن اور شفا

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَاتُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ.

(سنن ترمذی: ۲۰۴۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۴۴)

''حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور مت کرو، بے شک اللہ رب العزت انہیں کھلاتے اور پلاتے ہیں''۔

اس حدیث کے مطالعہ سے ایک بدیہی حقیقت تو یہ نمایاں ہوتی ہے کہ حالتِ مرض میں تمام تر بدنی قوتیں مرض کے حملے، اس کی تکالیف اور منفی اثرات سے نبرد آزما ہوتی ہیں، چنانچہ اس عالم میں کھانے پینے کی جانب توجہ نہیں ہوتی، بسا اوقات تو لذیذ اور مقوی غذاؤں کی طرف بھی بالکل رغبت نہیں ہوتی، ایسی حالت میں بااصرار مریض کو کچھ کھانے پینے پر آمادہ کرنا مناسب عمل نہیں بلکہ بنا رغبت کا کھانا مریض کے لیے سخت مضر اور بعض حالات میں مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

حدیث میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے مریض کو کھلانے اور پلانے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے بدنِ انسانی میں ایک طبعی توازن کا نظام قائم کر دیا ہے جو حسب ضرورت اشیا کی طلب اور عدم طلب کا ماحول پیدا کرتا ہے، مریض اگر کسی خوراک کی حاجت محسوس نہیں کرتا تو اس کا اولین مطلب یہی ہے کہ نظامِ توازن کو اس کی ضرورت نہیں اور وہ اپنے قدرتی معیار کے مطابق بدن کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہے، جب اسے کسی غذا کی طلب ہوگی تو مزاج میں طبعاً اس کی خواہش پیدا ہو جائے گی۔ یہ نظامِ توازن بیمار اور صحت مند دونوں میں یکساں متحرک رہتا ہے، پھر اس کا دائرہ محض کھانے پینے کی اشتہا تک محدود نہیں بلکہ سردی گرمی تھکن آرام جاگنے اور سونے تک کے تمام محرکات اسی نظام کے باعث فعال رہتے ہیں۔

عام طور پر اس قانونِ توازن کو دورِ حاضر کی دریافت سمجھا جاتا ہے، ایک امریکی ماہر علم الاعضا ڈاکٹر والٹر کانون (Walter Canon) کو اس کا مؤجد خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی مشہور کتاب "The Wisdom of the Body" میں بہت سارے عملی تجربات کے ذریعے اس قانون کی وضاحت کی گئی ہے۔ حالانکہ مسلمان اطبا اور محدثین زمانۂ قدیم سے اس قانونِ توازن کو نہ صرف جانتے تھے، بلکہ اپنے طریقۂ علاج میں اسے باقاعدہ ملحوظ رکھتے تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں پیدا ہونے والے معروف محدث فقیہ اور طبیب حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب ''طبِ نبوی'' میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ (دیکھیے: طب نبوی، ص ۹۰-۹۴)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قانون فنِ علاج کی روح کے مترادف ہے اور تعلیماتِ نبویؐ انسانی طبیعت کے کس قدر پیچیدہ اور دقیق گوشوں کو سادہ الفاظ میں واضح کر دیتی ہیں۔

(نیز دیکھیے: القرآن وعلم النفس، ص ۲۰، از ڈاکٹر عثمان نجاتی)

زہر اور تریاق

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ شَرَابِ اَحَدِكُمْ فَامْقِلُوْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَالآخَرُ شِفَاء۔

(صحیح بخاری: ۱۸۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۴۴)

Marfat.com

وفی لفظ: اَحَدُ جُنَاحَیْ اَلذُّبَابِ سَمٌّ. (سنن ابن ماجہ: ۳۵۰۴)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: اگر تم میں سے کسی کے مشروب میں مکھی گر جائے تو اُسے ڈبو دو، بے شک مکھی کے ایک پَر میں بیماری اور دوسرے پَر میں اس کی شفا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی روایت میں آپؐ نے فرمایا: مکھی کا ایک پَر زہر ہے''۔

جدید خرد بینی آلات اور غیر مرئی اجسام کی تحقیق سے پہلے اس حدیث کا مفہوم بعض لوگوں کے لیے بہت مشکل تھا۔ اسی بنا پر بعض مستشرقین نے اس حدیث کو خلافِ عقل اور ذوقِ سلیم کے منافی قرار دیا ہے، فرانس سے تعلق رکھنے والے مشہور نصرانی محقق ڈاکٹر مورس بوکائی نے بھی اس حدیث کا ذکر سائنسی طور پر ناقابل قبول روایات کے ضمن میں کیا ہے۔

(بائبل قرآن اور سائنس، مورس بوکائی، ص ۲۹۳۔۲۹۵)

اس سلسلے میں اہل علم کے نزدیک بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی شے کا آنکھوں سے نظر نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شے بالکل معدوم ہے، یا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ اسی اصول کی روشنی میں وائرس، جراثیم، برقی لہریں، رنگین شعاعیں اور مادّے کے بعض غیر مرئی اجزائے ترکیبی منکشف ہوئے ہیں، جنہیں بچشم سر دیکھا نہیں جا سکتا، مگر دنیا انہیں تسلیم کرتی ہے۔

حدیث بالا میں سائنسی توجیہہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے زہریلے مواد کو زائل کرنے کے لیے اس کے مدِ مقابل تریاق کے تصور کو واضح کیا ہے۔ یہی نکتہ دراصل طبی سائنس ہے، نیز مکھی کے بارے میں اتنی باریک معلومات علمِ نبوی کی فوقیت کو ثابت کرتی ہیں۔ آج کی جدید تحقیقات اس کی مؤید اور تصدیق کنندہ ہیں، مقام حیرت ہے کہ کئی صدیاں قبل بھی اطبا مکھی کو زہر زائل کرنے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب طب نبوی میں لکھا ہے کہ حکماء بھڑ، یا بچھو کے ڈسنے والی جگہ پر مکھی کو مسل دینا بہترین علاج قرار دیتے آئے ہیں۔ یہ اسی بنا پر ہے کہ مکھی میں زہر کے خلاف دفاعی مواد موجود ہے۔ (طب نبوی: ۱۱۲)، حدیث سے ایک دوسرے طبی اصول علاج بالمثل کی جانب بھی اشارہ ملتا ہے جو اس اعتبار سے قابل فہم ہے کہ جو چیز مرض کا باعث بن رہی ہے، اُسی میں اس

Marfat.com

مرض کا علاج بھی پوشیدہ ہے۔ بیماری کو بیماری سے مارنے کے اس اصول کے تحت سانپ کے زہر کا تریاق اُسی کے گوشت سے تیار کیا جاتا ہے۔ چیچک اور طاعون کے اپنے جراثیم ہی خود ان امراض کو روکتے ہیں، جب انہیں ویکسین کے اصول پر کسی انسانی بدن میں داخل کیا جاتا ہے۔ (مشکلات الاحادیث النبویۃ، ص۵۲/ ج۱)

محققین نے مکھی کے دائیں پَر میں وہ وائرس دریافت کرلیا ہے جو شفا کا باعث بنتا ہے۔ انہوں نے اس کا نام "Bacteriophage" بیکٹر یوفوگ تجویز کیا ہے، مشہور کیمیا دان پروفیسر ڈریل اور اٹلی کے اطبا نے اس وائرس کو انڈیا میں ہیضے کی وبا کے خاتمے اور ٹائیفائڈ بخار میں بہت مفید قرار دیا ہے۔ (سنت نبوی پر تحقیقات ۔عربی، ص۵۲)

خرد بینی تحقیق میں اس وائرس کی تصدیق کے بعد مصری ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے بھی اس اینٹی بیکٹیریا وائرس کے مشاہدے کی کوشش کی اور اسے حقیقت کے مطابق پایا۔

(صحیح بخاری انگریزی، از ڈاکٹر محمد محسن، ص ۶۵۶، حاشیہ نمبر۳) (کتابات اعداء الاسلام، از شربینی، ص ۱۱۰۶)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرض سے مرض کا علاج یا جدید اصطلاح کے مطابق جراثیم سے جراثیم کے خاتمے کا نظریہ شعرا کے ہاں بھی غیر معقول نہیں رہا۔ اس سلسلے میں انہوں نے خوبصورت طبع آزمائی کی ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

وکاساً شربت علی لذۃ

میں نے ایک جام تو لذت وسرور کے لیے پیا

واخری تداویت منہا بہا

اور دوسرا اُس کے بداثرات کو دور کرنے کے لیے نوش کیا

ایک اور شاعر نے کہا:

وداونی بالّتی کانت ھی الداء　　　فربما صحت الاجساد بالعلل

اُس نے میرا علاج ایک مرض کے ذریعے کیا۔ کبھی کبھی بدن مرض سے ہی ٹھیک ہوتے ہیں۔

آخر میں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ مکھی کے کون سے پَر میں بیماری اور کون سے پَر میں شفا پائی جاتی ہے۔ حدیث میں اس کی کوئی واضح تعیین نہیں کی گئی۔ البتہ بعض احادیث میں یہ

Marfat.com

جملہ نقل ہوا ہے: فَاِنَّهُ يَتَّقِي بِجَنَاحِهِ الَّذِي فِيهِ الدَّاءُ. ''مکھی اپنے آپ کو اُس پَر کے ذریعے (ڈوبنے سے) بچاتی ہے، جس میں بیماری ہوتی ہے''۔ یہ الفاظ بھی آئے ہیں: اِنَّهُ يُقَدِّمُ السَّمَّ وَيُؤَخِّرُ الشِّفَاءَ. ''مکھی زہریلے پَر کو ڈبو دیتی ہے اور شفا والے پَر کو اٹھائے رکھتی ہے''۔

صحیح بخاری کے مشہور شارح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علما کا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے جب اس پر غور کیا تو دیکھا کہ مکھی ہمیشہ اپنے بائیں پر کو ہی ڈبوتی ہے اور دائیں کو اٹھائے رکھتی ہے، جس سے یہ یقینی اندازہ ہوگیا کہ مکھی کے دائیں پَر میں شفا اور بائیں میں بیماری کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ (فتح الباری: ج ۱۰/۲۵۱)

گزشتہ سطور میں بھی مکھی کے دائیں پَر سے علاج اور شفا کے تجربے کا ذکر گزر چکا ہے۔

اُلٹا سونے کی قباحتیں

عَنْ يَعِيشِ بْنِ طِخْفَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ: بَيْنَمَا اَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰى بَطْنِي اِذَا رَجُلٌ يُحَرِّكُنِي بِرِجْلِهٖ وَيَقُولُ: قُمْ: هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَاِذَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ. (سنن ابوداؤد: ۵۰۴۲، طبرانی کبیر: ۸۱۴۹)

''حضرت یعیش بن طخفہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: میں اپنے پیٹ کے بَل لیٹا ہوا تھا، اچانک کسی شخص نے مجھے اپنے پاؤں سے ہلایا اور کہا، اٹھو کہ اِس طرح لیٹنا اللہ کی ناراضی کا باعث ہے، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو یہ رسول اللہ ﷺ تھے''۔

اُلٹا ہوکر سونے والے پر اللہ تعالیٰ کی جس ناراضی کا ذکر حدیث میں گزرا ہے وہ دراصل اس عمل کا ارتکاب کرنے والے پر مختلف تکالیف کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ علم الاعضا Physiology کے ماہرین کہتے ہیں کہ اُلٹا لیٹنے سے گردن اور ریڑھ کی ہڈی کا خم بڑھ جاتا ہے جس سے درد اور کھنچاؤ کا عارضہ لاحق ہوتا ہے۔ تنفس میں رکاوٹ اور تنگی پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ پشت پر نصب تمام اعضا کا جھکاؤ سینے کی طرف ہو جاتا ہے، اس لیے سانس لینے میں دشواری ایک فطری امر ہے۔ ناک کی جڑ (خیشوم) اور حلق کے ملاپ کا مقام خشکی کا شکار ہو

Marfat.com

جاتا ہے اور سانس منہ سے کھینچنا پڑتا ہے، خراٹے اس کے علاوہ ہیں جو خود کو بھی بے آرام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اذیت میں مبتلا کرتے ہیں۔ اتنے سارے مفاسد اگر کسی عمل میں جمع ہو جائیں تو اللہ کی ناراضی کا مفہوم خوب سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اپنی امت پر یہ نبی کریمؐ کی شفقت و مہربانی ہے کہ آپؐ نے علمِ وحی کی روشنی میں تمام مضرت رساں عوامل سے اسے متنبہ فرما دیا ہے۔ سائنسی اور طبی تحقیقات میں ان کا نقصان دہ ہونا تو بہت بعد میں ثابت ہوا ہے۔ برطانیہ میں ہونے والی ایک تحقیق سے یہ خوفناک نتائج سامنے آئے ہیں کہ اوندھے منہ سونے سے بچوں میں اچانک موت کے واقعات میں اضافہ دیکھا گیا ہے، سوائے اُلٹا ہو کر لیٹنے کے اس کی اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ (رسالہ ٹائم Time، ص ۵، جولائی ۱۹۹۳ء۔ اوضاع النوم الخاطئہ، مقالہ مجلۃ الطبیۃ العربیۃ نمبر ۱۹۶۔ ۱۹۹۳ء، از: ڈاکٹر احمد خیاط)

خارش، الرجی اور ریشم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ رَخَّصَ لِعَبْدِالرَّحمَانِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَیْرَ فِیْ لُبْسِ الْحَرِیْرِ لِحِکَّۃٍ کَانَتْ بِھِمَا. (صحیح بخاری: ۲۹۱۹، صحیح مسلم: ۲۰۷۶)

''حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر کو خارش کی تکلیف کے باعث ریشم پہننے کی اجازت عطا فرمائی تھی''۔

نبی کریمؐ نے اپنی امت کے مَردوں کو ریشم پہننے سے روک دیا تھا، اس ممانعت کی سائنسی توجیہہ پر ہم اس کتاب میں علیحدہ سے گفتگو کریں گے۔ یہاں محض ریشم کی اُس خاصیت کا ذکر مطلوب ہے جس کی بدولت آنحضرتؐ نے اپنے دو اصحاب کو خارش کے مرض میں اسے استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ خارش کا مرض اطبا کے نزدیک حرارت، خشکی اور تیزابی ماڈوں کے بڑھ جانے سے پیدا ہوتا ہے، حدیث میں اس مرض کا خارجی علاج تجویز کیا گیا ہے، ریشم اپنی بے پناہ ملائمت، قدرے مرطوب اور معتدل حرارت کے باعث لطیف مزاج کا حامل ہے۔ خشک اور تیزابی کیفیت کو تحلیل کرتا ہے، جووں سمیت وہ

Marfat.com

تمام تر جراثیم جو خارش اور الرجی کا باعث بنتے ہیں ریشم کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے، ریشم میں مفرح ہونے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے، یہ طبیعت کی بے چینی اور اضطراب کو دور کرتا ہے۔ انہی خصوصیات کی بنا پر آنحضرتؐ نے اُس زمانے میں اسے بطور علاج استعمال کرایا، جب اشیا کے مزاج اور خاصیت کو جانچنے کے لیے کوئی لیبارٹری موجود نہیں تھی۔

(Islamic Medicine، ص۱۰۱، از Manered Ullmann، المفردات، از حکیم مظفر حسین، ص ٦٤)

علمِ طب میں مصلح کا اصول

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: اِنَّهٗ کَانَ یَأْکُلُ الْبِطِّیْخَ بِالرُّطَبِ وَیَقُوْلُ نُکْسِرُ حَرَّ هٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا وَبَرْدَ هٰذَا بِحَرِّ هٰذَا. (سنن ابوداود: ٣٨٣٦، سنن ترمذی: ١٨٤٤)

وَکَانَ یَقُوْلُ: کُلُوْا الْبَلَحَ بِالتمر. (سنن نسائی الکبری: ٦٧٢٤، سنن ابن ماجہ: ٣٣٣٠)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریمؐ تربوز کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول کرتے اور فرماتے کہ ہم اس (تربوز) کی ٹھنڈک سے اس (کھجور) کی حرارت کو زائل کر رہے ہیں۔ آپؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: کچی کھجور کو پکی ہوئی کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرو''۔

علمِ طب کی اصطلاح میں ''مصلح'' یا ''مصالح'' اُس مفرد دوا کو کہتے ہیں جو کسی دوسری دوا کا کوئی ضرر روکنے والی ہو یا اپنی متضاد خاصیت کی بنا پر اس ضرر کی اصلاح کردے۔ حدیث پاک میں اس کی بہت واضح مثال بیان کی گئی ہے، آپؐ نے سرد تاثیر والے پھل تربوز کے ساتھ گرم تاثیر رکھنے والے ایک دوسرے پھل کھجور کو استعمال فرمایا اور وجہ بھی بتا دی کہ ایک کی ٹھنڈک کو دوسرے کی گرمی اور اسی طرح گرمی کو سردی سے رفع کرنے کے لیے یہ ترکیب اختیار کی گئی ہے۔

حدیث کے دوسرے ٹکڑے میں حرارت اور سردی کے بجائے دو نئے مزاج متعارف کرا دیے گئے ہیں، یہ خشکی اور تری یا رطوبت کے نام سے معروف ہیں۔ اس جملے میں کچی کھجور کو

Marfat.com

پکی ہوئی کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کا حکم دیا گیا ہے، اس کی وجہ بھی واضح ہے کھجور کچی حالت میں سخت خشکی پیدا کرتی ہے جبکہ پکی ہوئی کھجور کی تاثیر گرم اور تر ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے خشکی کے ضرر کی اصلاح کے لیے گرم اور مرطوب تاثیر والی شے کو ساتھ ملانے کا حکم دیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے مختلف پکوانوں میں خوشبو اور ذائقے پیدا کرنے کے لیے جو مسالہ جات لونگ، دارچینی، زیرہ، ادرک اور الائچی وغیرہ کی صورت میں ملائے جاتے ہیں یہ دراصل وہی ''مصالحہ جات'' ہیں جو مختلف سبزیوں اور دالوں کی مضر تاثیرات کی اصلاح کرنے والے ہیں اور عربی کی اصطلاح ''مصالح'' سے اردو میں ''مسالہ'' بن گئے ہیں۔

حدیث مذکور نہ صرف غذائی اشیا کی مختلف تاثیرات کا انکشاف کر رہی ہے بلکہ کسی چیز کی تاثیر کے ضرر ناک ہونے کی صورت میں اس کا علاج بھی تجویز کر رہی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ علاج کے لیے ''دوائی'' صورت اختیار کرنے کے بجائے ''غذائی'' شکل تجویز کی گئی ہے کیونکہ غذائی صورت بالعموم معدے کے لیے زیادہ موافق اور ہموار ہوتی ہے۔ (کتاب المفردات از حکیم مظفر حسین، ص ۲۲۔ فیروز اللغات اردو، ص ۶۳۱)

بخار اور بدن کی صفائی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: ذُكِرَتِ الْحُمیَّ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَبَّهَا رَجُلٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: لَاتَسُبَّهَا فَاِنَّهَا تَنفِی الذُّنُوبَ كَمَا تَنفِی النَّارُ خُبثَ الْحَدِیْد. (سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۹)

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْ جَابِرٍؓ قَوْلُهٗ لِاُمِّ الْمُسَیِّب: لَا تَسُبِّی الْحُمّٰی فَاِنَّهَا تَذْهَبُ خَطَا یَابَنِی آدَمَ كَمَا یَذْهَبُ الْكِیْرُ خُبثُ الْحَدِیْدُ. (صحیح مسلم: ۴۵۷۵)

''حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکؐ کے سامنے بخار کا ذکر ہوا، ایک شخص نے اُسے بُرا بھلا کہہ دیا: آپؐ نے فرمایا بخار کو بُرا نہ کہو، بے شک یہ گناہوں کو بالکل اس طرح نکال باہر کرتا ہے جس طرح آگ لوہے سے اُس کے گند کو نکال دیتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت جابرؓ آنحضرتؐ کا قول یوں نقل کرتے ہیں کہ آپؐ

Marfat.com

نے امِ مسیّب کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بخار کو بُرا مت کہنا، بے شک بخار بنی آدم کی خطاؤں کواسی طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے کچرے کو ختم کرتی ہے۔‘‘

دونوں حدیثوں میں بخار کے متعلق ایک ہی حقیقت کو ذرا مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے، اس بارے میں تشبیہ کا جو اسلوب اپنایا گیا ہے، اس میں ایک روحانی کیفیت کو ایک دوسری مادّی شے اور اس کی کیمیائی کیفیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مادّے اور روح کا تعلق ہی درحقیقت زندگی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان احادیث میں بخار کی گرمی سے انسانی خطاؤں اور گناہوں کے بالکل اس طرح خاتمے کا تذکرہ فرمایا ہے جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کو پگھلا کر اُس میں سے کھوٹ اور کچرے کو نکال باہر کرتی ہے اور خالص لوہا اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔ چونکہ رسول اور پیغمبر درحقیقت روح کا معالج ہوتا ہے اور اپنی امت کے روحانی علاج کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے اسی لیے آپؐ نے بخار کے باعث گناہوں کے خاتمے کا ذکر فرمایا ہے، جو ایک معنوی مرض ہے اور بخار کی تکلیف اس کے لیے ایک کفارہ بن جاتی ہے۔ البتہ بخار کے بدنی اور مادّی فوائد کی صراحت کیے بغیر انہیں بین السطور میں چھوڑ دیا گیا ہے، جنہیں حدیث میں بیان کی گئی تشبیہ کے دائرے میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر ماہر معالجین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ جس طرح بھٹی لوہے کی صفائی اور مضبوطی کا باعث بنتی ہے۔ بعینیہ اسی طرح بخار بھی بدن کے اندر موجود فاسد اور جمے ہوئے زہریلے فاضل مواد کو اپنی حرارت سے جلا کر فنا کر دیتا ہے اور قابل اخراج فضلات کو نکال باہر کرتا ہے اس اعتبار سے بخار کئی عوارض میں دوا کے مقابلے میں زیادہ نافع ثابت ہوتا ہے، حاذق اطبا کے نزدیک بخار اپنی زحمت اور ناخوشگواری کے باوجود قدرت خداوندی کا ایک عطیہ بھی ہے جس کی حدت اور گرمی کے باعث بدن میں کئی ایسے سدّے کھل جاتے ہیں جن کی تحلیل دواؤں سے ممکن نہیں ہوتی۔

(دیکھیے: زادالمعاد، از ابن قیم ج ۴/ص ۲۶ تا ۳۰)

تشنج، لقوے اور فالج میں بخار کے باعث بہتری کی واضح علامات دیکھی گئی ہیں اسی

Marfat.com

طرح گٹھیا یا جوڑوں کے اکڑ جانے میں بخار کی حرارت کو بہت مفید پایا گیا ہے، شاید اسی لیے جدید طب اور میڈیکل سائنس میں اس قسم کے امراض کے لیے ''مصنوعی بخار'' تجویز کیا جاتا ہے اور مریض کے بدن میں مخصوص کیمیائی مواد کے ذریعے بخار پیدا کیا جاتا ہے۔

(طب نبوی، ص ۲۷، از ابن قیم، حاشیہ نمبر ۲، از ڈاکٹر عادل از ہری)

دوا کی مقدار کا ٹھیک تعین

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ اَنَّ رَجُلاً اَتَی النَّبِیَّ یَشْتَکِیْ بَطْنَ اَخِیْہِ فَقَالَ: اِسْقِہٖ عَسَلاً فَذَھَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ قَدْ سَقَیْتُہٗ فَلَمْ یُغْنِ عَنْہُ شَیْأً کُلُّ ذٰلِکَ یَقُوْلُ لَہٗ اِسْقِہٖ عَسَلاً اِمَّا فِی الثَّالِثَۃِ وَاِمَّا فِی الرَّابِعَۃِ قَالَ شُفِیَ فَقَالَ: صَدَقَ اللّٰہُ وَکَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ.

(صحیح مسلم: ۲۲۱۷، صحیح بخاری: ۵۶۸۴، شرح السنۃ: ۳۲۳۲)

''حضرت ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریمؐ کے پاس آیا اور بتایا کہ میرے بھائی کو اسہال کی شکایت ہوگئی ہے، آپؐ نے فرمایا، اُسے شہد پلاؤ وہ شخص چلا گیا پھر آیا اور کہا کہ میں نے شہد پلایا مگر اسے کچھ افاقہ نہیں ہوا۔ آپؐ نے اسے پھر شہد پلانے کا حکم دیا۔ تیسری یا چوتھی مرتبہ اُس نے کہا کہ میرا بھائی ٹھیک ہو گیا ہے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا، اللہ کا قول سچا ہے، مگر تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا تھا''۔

یہ حدیث محض شہد کے طبی فوائد یا اس کے بطور دوائی استعمال کو نمایاں نہیں کر رہی، بلکہ اس میں ایک اور جوہری نکتے کو بھی واضح کیا گیا ہے، جسے ''مقدارِ دوا'' کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔ علمِ طب وعلاج میں مریض کی قوت وضعف اور مرض کی نوعیت اور حالات کے مطابق دوا کا تعین ''سرِّ طبابت'' کہلاتا ہے۔

حدیث میں مذکور مریض کے لیے دراصل شہد کی زیادہ مقدار کی ضرورت تھی، کم مقدار میں شہد پینے سے اسے فائدہ نہیں ہو رہا تھا، بار بار پلانے پر جب مطلوبہ مقدار پوری ہوگئی تو وہ شفایاب ہو گیا۔ پیٹ کے جھوٹے ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اُس میں فاسد اور ردّی

Marfat.com

مواد کی مقدار زیادہ ہے، اس مواد کے اخراج کے لیے دوا کی مقدار ابھی کم استعمال کی گئی ہے جیسے ہی یہ توازن بحال ہوگا مرض جاتا رہے گا۔ (طب نبوی، از: ابن قیم ۳۴ تا ۳۵)

یاد رہے کہ اطبا کے نزدیک تمام اقسام کے اسہال میں شہد کا استعمال مفید نہیں، بلکہ بالعموم بسیار خوری کے باعث معدے اور انتڑیوں میں جمع ہو جانے والے فاضل اور تیزابی مادّوں کے باعث جو بدہضمی اور دستوں کی شکایت پیدا ہوتی ہے، اس میں شہد بہت نافع ہے۔ اس لیے کہ شہد میں صفائی، جراثیم کشی اور فوری جلا بخشنے کی بہترین صلاحیت پائی جاتی ہے، نیز یہ اسہال سے پیدا ہونے والی نقاہت کو فوری ختم کرتا ہے اور براہ راست خون میں شامل ہو کر تقویت کا ذریعہ بنتا ہے۔ (شفا بخش غذائیں۔ ڈاکٹر ایچ کے باکھرو، ص ۲۷۱ تا ۲۷۶)

مرکب ادویہ کا اصول

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمؓ قَالَ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ نَتَدَاوٰی ذَاتَ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِیْ وَالزَّیْتِ. (سنن ترمذی:۲۰۷۹، مستدرک:۷۴۴۳)

قَالَ: وَکَانَ یَنْعَتُ الزَّیْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ.

(سنن ترمذی:۲۰۷۸، مسند احمد:۱۹۳۴۶)

''حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ: ہمیں رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ہم نمونیے اور پسلیوں کے ورم میں عُود اور زیتون کے تیل سے علاج کریں۔ نیز فرمایا: کہ آنحضرتؐ اس مرض میں روغنِ زیتون اور ورس کے مفید ہونے کے قائل تھے''۔

مفرد ادویہ کے مقابلے میں یہاں مرکب دواؤں کی بات کی گئی ہے۔ حدیث سے یہ اصول سمجھ میں آتا ہے کہ جب مرض کی حقیقت واضح ہو جائے تو اس کے اسباب اور علامات کو رفع کرنے کے لیے یکساں تاثیر والی ایک سے زائد چیزیں ہوسکتی ہیں، چنانچہ اس صورت میں دو مماثل دوائیں مریض کو یقینی فائدہ پہنچاتی ہیں۔ البتہ مرض کی ٹھیک معرفت کے بغیر محض ظن وتخمین کی بنیاد پر مرکب ادویہ میں فائدے کے بجائے ضرر کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث میں ذات الجنب نامی مرض کا ذکر ہے، جو آج نمونیہ کہلاتا ہے۔ یہ مرض واضح

Marfat.com

طور پر بدن میں حرارت کی کمی اور سردی کے شدید نفوذ کی بنا پر لاحق ہوتا ہے۔ اس کا معقول اور مناسب علاج یہی ہے کہ گرم مزاج مقوی اور لطیف تاثیر والی ایسی اشیا مریض کو دی جائیں جن میں ان فوائد کے ساتھ اندرونی سوزش و ورم کو فائدہ پہنچانے اور فاسد بلغم کو خارج کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہو، چنانچہ حدیث میں چار چنیدہ چیزیں عود یا قسط، روغن زیتون اور ورس بتائی گئی ہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک قسط بحری اور عود ہندی ایک ہی چیز ہے۔ البتہ ورس ایک پودے کا پھول ہے جس میں زعفران کا رنگ اور خاصیت پائی جاتی ہے۔ یہ تمام اشیا تاثیر میں گرم درجہ اول ہونے کے ساتھ اعضائے رئیسہ کو تقویت پہنچانے والی ہیں۔ ملطف اور مسکن ہونے کے علاوہ اندرونی زخموں کو ٹھیک کرتی ہیں، یہاں یہ چند خواص بطور مثال ذکر کیے گئے ہیں، تفصیل طب و مفردات کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(کتاب المفردات، از: حکیم مظفر حسین، ص ۸۵+۲۶۱+۲۸۰۔ النہایہ فی غریب الاثر، از: امام ابن اثیر جزری، ج ۳/۶۰۱)

یاد رہے کہ احادیث مبارکہ میں مفرد اور مرکب ادویہ دونوں کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، ہمارا مقصد یہاں ان سب کو جمع کرنا نہیں بلکہ ان سے مستنبط ہونے والے طبی و سائنسی اصولوں کی وضاحت کرنا ہے چنانچہ ہم ہر ضابطے کے لیے ایک ایک مثال پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے الطب النبوی از: امام ابونعیم اصفہانی۔ الطب النبوی، از: امام ابن القیم۔ الطب النبوی، از: امام سیوطی اور طب نبوی (سیریز) از: ڈاکٹر خالد غزنوی)

اس سلسلے میں صحاح ستہ کتب حدیث میں موجود ''کتاب الطب'' کے ابواب کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔

مفرد دوا کی اہمیت (Single Ramedi)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ قَالَ: مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ دَاءٍ اِلَّا اَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً عَلِمَ ذٰلِکَ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَ ذٰلِکَ مَنْ جَهِلَهُ.

(کشف الاستار زوائد مسند البزار: ۳۰۱۶)

Marfat.com

''حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اُتاری جس کی دوا نہ اُتاری ہو، جس کا نصیب ہوتا ہے وہ اُس دوا کو جان لیتا ہے اور جس کی قسمت میں نہ ہو وہ جاہل ہی رہتا ہے''۔

اس حدیثِ مبارکہ کی بنیاد پر یہ نظریہ قائم کرنا ممکن ہے کہ فی الحقیقت کوئی مرض لاعلاج نہیں، البتہ ہر مرض کے لیے مناسب دوا کی معرفت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، ضروری نہیں کہ ہر مرض کی دوا اس دنیا میں معلوم ہو جائے۔ شاید یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ آج جن امراض کو لاعلاج قرار دے دیا گیا ہے وہ اس لیے لاعلاج نظر آتے ہیں کہ تاحال انسانی تحقیق و جستجو کے نتیجے میں اس کی دوا دریافت نہیں کی جاسکی۔ لیکن مستقبل میں اس بات کا امکان موجود ہے کہ اُس مرض کی دوا تجویز کر لی جائے۔

علاوہ بریں حدیث کے الفاظ میں مفرد دوا (Single Ramedi) کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ مرکب دوا فائدہ نہیں پہنچاتی، بلکہ اصل بات فنِ علاج و ادویہ میں گہرائی اور بصیرت کی ہے۔ اگر یہ میسر ہو تو دیکھا گیا ہے کہ ماہر اور حاذق طبیب ہمیشہ مفرد اور اکیلی دوا پر اکتفا کرتے ہیں۔ اکیلی دوا کئی لحاظ سے مریض کی طبیعت پر بوجھ نہیں بنتی اور جلد شفا کا باعث ہوتی ہے، لیکن اگر معالج اپنے فن میں ناپختہ اور دقتِ نظر سے عاری ہے تو مرکب دوا کا سہارا لیا جاتا ہے تاکہ اگر دوا کا ایک عنصر مفید نہیں تو دوسرا عنصر فائدہ پہنچادے۔ مرکب ادویہ کی کمزوری یہی ہے کہ معالج خود بھی بالیقین سببِ مرض سے بے خبر ہوتا ہے اور امید وظن کی بنیاد پر متعدد قریب المقاصد ادویہ کو باہم ملا کر مریض کو دے دیتا ہے۔

گویا یہ حدیث، نبوی علم طب یا میڈیکل سائنس میں تحقیق و انکشاف کی حوصلہ افزائی کے ساتھ اس کے اعلیٰ معیار کو بھی واضح کرتی ہے۔ بدقسمتی سے آج کے مسلمان معاشرے دونوں چیزوں میں بہت پیچھے ہیں۔

Marfat.com

بڑھاپا ایک مرض! مگر لا علاج

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: تَدَاوُوْا عِبَادَاللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً وَفِيْ رِوَايَةٍ. دَوَاءٌ اِلَّا الْهَرَمْ.

(مسند احمد: ۱۸۴۵۴۔ مسند ابن ابی شیبہ: ۷۸۲)

وَفِيْ لَفْظٍ: اِلَّا السَّامْ: قَالُوْا وَمَا السَّامُ: قَالَ: اَلْمَوْتُ.

(مسند ابوحنیفہ، حدیث نمبر۴)

''حضرت اسامہ بن شریکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندو علاج کرو، بے شک اللہ نے کوئی بیماری نہیں تخلیق کی، مگر اُس کے لیے شفا بھی تخلیق فرمائی ہے: مگر بڑھاپے کی کوئی دوا نہیں''۔

حدیث کے بعض الفاظ میں موت کو بھی علاج سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

اوپر بیان کی گئی حدیث میں ایک سائنسی حقیقت تو بادی النظر میں ہی واضح ہو جاتی ہے اور وہ بڑھاپے اور موت کو امراض کے زمرے میں بیان کرنا ہے۔ یہ بات علمی طور پر علمائے طبیعت کو بہت بعد میں معلوم ہوئی کہ بڑھاپے اور مرض کی میکانیات میں کوئی خاص فرق نہیں، بلکہ جس طرح جسمِ انسانی میں حیاتیاتی خلیات اور عناصرِ ترکیبی میں نقص وضعف کے باعث مختلف امراض لاحق ہوتے ہیں، بڑھاپا بھی بعینہٖ بعض مخصوص جینز کی کمزوری اور عدم توازن کے باعث لاحق ہوتا ہے اور اسے روکنے کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ حدیث میں تو یہ بات برسوں پہلے بتا دی گئی تھی، مگر سائنس کے بے ایمان علمبردار اس زعم میں مبتلا رہے کہ علم و تحقیق کے ذریعے بڑھاپے کا علاج بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس دوڑ دھوپ کے دوران انہیں اسباب کا علم تو ہاتھ آ گیا، مگر ان کو اپنی گرفت میں لانے یا بالکلیہ ختم کرنے کی خواہش تاحال پوری نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کا پورا ہونا اس دنیا میں ممکن ہے۔ اس لیے کہ خود سائنس دانوں کے ایک نظریے کے مطابق یہاں ہر چیز ناکارگی کی طرف بڑھ رہی اور اس دنیا کا انجام بالآخر موت ہے۔ جو عناصرِ حیات کے خلل اور عدم توازن کی آخری منزل ہے۔

بڑھاپا جیسا کہ پہلے بتایا گیا بعض مخصوص سیلز میں میں ٹوٹ پھوٹ کے سبب نمودار ہوتا

Marfat.com

ہے، میڈیکل سائنس اور فزیکل ایجوکیشن میں ترقی کے باعث انسانی جسم کے خلیات میں یہ عمل بڑی حد تک مؤخر تو کیا جا سکتا ہے، مگر معدوم نہیں کیا جا سکتا، اسی بنا پر آج کے خوشحال اور ترقی یافتہ معاشروں میں اوسط عمر اور معیارِ صحت میں اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے، مگر بڑھاپا پھر بھی گھات میں بیٹھا رہتا ہے۔ (ہیومن باڈی، ص ۹۸، از: ڈاکٹر نومی کرافٹ، از: ڈاکٹر سارہ بریور)

غذا کا جوہر

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: مَااَکَلَ رَسُولُ اللّٰہِ خُبْزاً مُرَقَّقاً حَتّٰی مَاتَ.

(صحیح بخاری: ۵۴۱۵)

وَقَالَ: مَااَعْلَمُ اَنَّ النَّبِیَّ رَأٰی رَغِیفاً مُرَقَّقاً حَتّٰی لَحِقَ بِاللّٰہِ.

(صحیح بخاری: ۵۴۲۱، اخلاق النبی، از: امام ابوالشیخ: ۷۸۵)

وَعَنْ اُمِّ اَیْمَنَؓ اَنَّھَا غَرْبَلَتْ دَقِیقاً فَصَنَعَتْهُ لِلنَّبِیِّ رَغِیفاً فَقَالَ مَاھٰذَا قَالَتْ طَعَامٌ نَصْنَعُهُ بِاَرْضِنَا فَقَالَ رُدِّیْهِ فِیْهِ ثُمَّ اعْجِنِیْهِ.

(سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۶، کتاب الزہد، از: عبداللہ بن مبارک: ۱۹۹)

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اپنی وفات تک کبھی نفیس (فائن) آٹے کی روٹی نہیں کھائی، ایک موقع پر فرمایا کہ: میرے علم کے مطابق آنحضرتؐ نے مرتے دم تک کبھی نفیس آٹے کی روٹی دیکھی ہی نہیں''۔

''حضرت اُمِ ایمنؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار آٹے کو چھان کر آپؐ کے لیے روٹی تیار کی، آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ ایک کھانا ہے، جو ہم اپنے علاقے میں بناتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ چھان دوبارہ آٹے میں ملاؤ، اور پھر اسے گوندھو''۔

بظاہر یہ حدیث آنحضرتؐ کی سادہ زندگی، زہد اور تواضع کو ظاہر کرتی ہے، اسی بنا پر اکثر محدثین نے یہ حدیث اخلاق و پرہیز گاری اور زہد کے باب میں بیان کی ہے، لیکن تحقیقات کے اس دور میں اس حدیثِ مبارکہ کو اتنے محدود معنوں میں دیکھنا خود ایک سادگی سے کم نہیں۔

Marfat.com

خوراک اور غذا میں استعمال ہونے والی مختلف اشیا کی تاثیرات اور بنیادی مزاج کے بارے میں اطبا نے بہت قدیم سے معلومات حاصل کرلی تھیں، البتہ ان اشیا میں کون سے عناصر ترکیبی کتنی مقدار میں پائے جاتے ہیں اور اُن کی الگ الگ خاصیت کیا ہے یہ تحقیق اور انکشافات جدید سائنس کے حصے میں آئے ہیں۔ چنانچہ آج کسی بھی مادّے کے نفع ونقصان کے بارے میں جاننا خاصا آسان ہوگیا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ حدیثِ بالا میں آنحضرتؐ نے روزمرہ کی خوراک ''آٹے'' کے بعض اجزا کی اہمیت بہت پہلے سے بتادی تھی۔ آٹے کا یہ جز ''چھان'' کہلاتا ہے، جسے بالعموم نکال باہر پھینکنا ضروری خیال کیا جاتا ہے بہت سے بےخبر اور نفیس طبیعت لوگوں کو اس کی رنگت بھی پسند نہیں آتی اور وہ چھان سمیت سرخ آٹے کے بجائے چھنا ہوا سفید آٹا کھا کھا کر اپنی صحت برباد کرتے رہتے ہیں۔ جدید تحقیقات کے نتیجے میں اطبا اب اپنے مریضوں کو بغیر چھنے آٹے کے استعمال کا مشورہ دے رہے ہیں؛ جبکہ ہادئ برحقؐ نے صدیوں قبل اپنی امت کو یہ رہنمائی فراہم کردی تھی۔ کیمیائی تحقیق وتجربے سے یہ علم ہوا ہے کہ آٹے کا اصل جوہر وہی بھوسی ہے جسے چھان کر نکال لیا جاتا ہے، یہ جوہر انتڑیوں سے زہریلے سدّوں کو خارج کرنے، قبض کے خاتمے اور معدے کے اندرونی ورم کو بھی درست کرنے میں بہت مفید ہے۔ یہ ذیابیطس کو بڑھنے نہیں دیتا، بدن کے مسامات کھولتا ہے اور ریاح فاسدہ کو خارج کرتا ہے، اس میں زنک کی وافر مقدار چہرے اور جلد کی تازگی و رعنائی کو تادیر برقرار رکھتی ہے، اس کے مقابلے میں چھنا ہوا فائن آٹا متوازن نہیں ہوتا، اس کے استعمال سے قبض اور بلغم کی کثرت کے علاوہ بڑھاپے کے آثار بہت جلد ہویدا ہوجاتے ہیں۔ (المفردات، ص ۱۳۸، نیز ۴۳۱۔ روائع الطب ج۱/۴۰)

یہ بات بھی دریافت ہوئی ہے کہ بھوسی ملے آٹے میں "Fhytate" نامی مادّہ بھی پایا جاتا ہے جو دانتوں کو خراب ہونے اور کیڑا لگنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ (حوالہ سابق ج۱/۹۱)

علاج بالغذا کا اصول

اس اصول کی تشریح کرتے ہوئے کسی خاص حدیث کا ذکر کرنے کی چنداں ضرورت

Marfat.com

محسوس نہیں ہوتی، گزشتہ صفحات میں زیر بحث آنے والی متعدد احادیث یہ وضاحت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے مختلف امراض کے علاج کے لیے خالص غذائی عناصر پر مبنی ادویات تجویز کیں، قدرت نے غذا اور بدن میں ایک قسم کی موافقت اور قبولیت کی استعداد رکھ دی ہے، چنانچہ اعتدال اور توازن کے ساتھ خوراکی مواد کو انسانی معدہ اور نظامِ انہضام فوراً قبول کر لیتا ہے اور کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتا، نہ ہی یہ غذائیں بدن پر بوجھ یا کسی ردعمل کا باعث بنتی ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ بطور ادویات بھی یہ غذا (Food Form) میں ہوتی ہیں اور کسی کیمیاوی عمل سے مبرا ہوتی ہیں۔

اس اصولِ علاج میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اصل سائنس نباتاتی وحیوانی غذاؤں اور بعض معدنی اجزا میں دوائی تاثیرات اور خواص کی دریافت ہے۔ دراصل اسی علم پر کیمیاوی ادویہ سازی کا سارا دارومدار قائم ہے ورنہ یہ ممکن نہیں کہ بنیادی عناصر کی خاصیت جانے بغیر خام مواد "Raw Material" سے جوہر کشید کر کے دوائیں تیار کر لی جائیں۔ اب یہ کہنے میں مطلقاً مبالغہ نہیں کہ آنحضرتؐ نے جدید کیمیاوی تشکیل کے ذریعہ دوا سازی کی بنیاد فراہم فرما دی ہے اور آج ساری ادویات مختلف اشیا کے اندر انہی بنیادی خواص کو مدنظر رکھ کر تیار کی جا رہی ہیں۔

مضبوط دانتوں کا نسخہ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِؓ اَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: تَخَلَّلُوْا عَلٰى اِثْرِ الطَّعَامِ وَتَمَضْمَضُوْا فَاِنَّهٗ مُصِحٌّ لِلنَّابِ وَالنَّوَاجِذِ. (مسند الدیلمی: ۲۳۰۸)

''حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں نبی پاکؐ نے حکم دیا کہ: کھانے کے بعد خلال کر لیا کرو اور کُلّی بھی کیا کرو کیونکہ اس عمل سے دانت اور داڑھیں ٹھیک رہتی ہیں''۔

انسانی بدن کے تمام ہی اعضا انمول حیثیت کے مالک ہیں، لیکن بعض اعضا کی اہمیت اور افادیت بدیہی طور پر بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ان میں دانتوں کا مقام سرفہرست ہے۔ انواع واقسام کے مأکولات اور کھانوں کی لذت کو دوبالا کرنے میں دانتوں کا بہت بڑا حصہ ہے، ناکارہ یا مصنوعی دانتوں سے کام و دہن کا مزا نہ صرف کرکرا ہو جاتا ہے، بلکہ ان سے

Marfat.com

چبائی ہوئی خوراک نظامِ انہضام پر بھی ایک بوجھ ثابت ہوتی ہے اور صحت مندی کا معیار دن بدن گرتا جاتا ہے۔ نبی رحمتؐ نے دانتوں کی صحت پر جو خصوصی ہدایات اور سنتیں رائج فرمائی ہیں وہ سب کی سب بہترین طبی و سائنسی حکمتوں پر مشتمل ہیں، چند ایک کا تذکرہ اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ حدیثِ بالا میں بھی صحت مند دانتوں کے تحفظ کے لیے ایک عام سا نسخہ بتایا گیا ہے جسے عرفِ عام میں ''خلال'' کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ کلّی کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے تاکہ خلال کے باوجود باقی رہ جانے والے باریک اجزا کلّی کے ذریعہ صاف کر لیے جائیں اور دانت بشمول مسوڑھے تعفن اور سوزش سے محفوظ رہیں۔

یہ بات معلوم ہے کہ انسانی خوراک میں بے شمار نباتاتی، حیوانی اور معدنی اجزا شامل ہوتے ہیں پھر یہ عناصر منہ کی رطوبتوں اور دانتوں کی رگڑ کے بعد کچھ اور کیمیائی تبدیلی سے گزرتے ہیں جس کے نتیجے میں دانتوں میں باقی رہ جانے والے غذائی مواد میں عمل تخمیر بہت آسان ہو جاتا ہے۔ خمیر اٹھنے کے بعد یہ غذائی ریشے فساد اور پھپھوند کا شکار ہو جاتے ہیں، چنانچہ انہیں کھانے کے فوراً بعد خلال اور کلّی کے ذریعے صاف نہ کیا جائے تو امراض دندان کی کئی اقسام وجود میں آ جاتی ہیں، منہ اور سانس کی بدبو اور تعفن الگ سے اذیت کا باعث بنتے ہیں۔ ان سب سے نجات کے لیے شریعت محمدیہ میں مسواک، خلال اور کلّی کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں، یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کا بدل نہیں بلکہ الگ الگ مقام اور فوائد کی حامل ہیں۔ کھانے کے فوراً بعد خلال اور کلّی کی افادیت بہت زیادہ ہے اور مسواک بالعموم دہن اور دانتوں کی صفائی میں لاجواب کردار ادا کرتی ہے اور وہ کھانے کے علاوہ بھی ہر حال میں کی جا سکتی ہے۔ (روائع الطب: ۱/۹۱)

اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک قول بیان کرنا افادے سے خالی نہیں، انہوں نے فرمایا: کھانے کے جو بقایا جات دانتوں میں رہ جاتے ہیں وہ داڑھوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔ (طبرانی کبیر: ۱۲۸۸۹)

اس قول میں صحابی رسولؐ کے تجربات کی روشنی جھلک رہی ہے، آج کی ترقی یافتہ سائنس انسان کو اس سے کچھ زیادہ رہنمائی فراہم نہیں کر سکی۔

Marfat.com

نماز اور شفا کا تعلق

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: هَجَرَ النَّبِیُّ فَهَجَرْتُ فَصَلَّیْتُ ثُمَّ جَلَسْتُ فَالْتَفَتَ اِلَیَّ النَّبِیُّ فَقَالَ: أَشِکَمَتْ دَرْدُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ فَقَالَ قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّ فِی الصَّلَاةِ شِفَاءٌ. (سنن ابن ماجہ: ۳۴۵۸، المسند الجامع: ۱۳۹۵۵)

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہؐ دن چڑھتے ہی مسجد تشریف لے گئے، میں بھی جلدی جلدی جا پہنچا۔ میں نے کچھ نوافل ادا کیے اور بیٹھ گیا، اچانک آنحضرتؐ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تیرے پیٹ میں درد ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، آپؐ نے فرمایا اٹھو اور نماز پڑھو بے شک نماز میں شفا ہے''۔

اسلامی عبادات میں نماز کا درجہ سب سے بلند ہے، تمام عبادات میں قبولیت کا معروف اصول یہی ہے کہ وہ خالصتاً اللہ کی رضا جوئی اور اس کے حکم کی بجا آوری کی نیت سے ادا کی جائیں، اس غرض کے علاوہ کسی مادّی نفع ونقصان پر مبنی تعلیل وتوجیہ کا مقام یہاں بنیادی حیثیت کا حامل نہیں۔ تاہم یہ حقیقت عارفینِ شریعت سے مخفی نہیں کہ جملہ عبادات چونکہ اعلیٰ ترین فطری طبائع اور اصولوں کے عین مطابق ہیں لہٰذا ان میں روح کے ساتھ ساتھ جسم و جان کے بھی بے شمار منافع موجود ہیں، اسی بنا پر بہت سارے علماء اور ماہرینِ صحت نے عبادات کے اس نکتے پر بھی خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ زیرِ نظر سطور میں ہم اس حقیقت کو منکشف کرنے والی احادیث کا ذکر کرنے والے ہیں، پہلی حدیث اور اس کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہے جس میں بظاہر دردِ شکم کے لیے نماز کو شفا قرار دیا گیا ہے۔

حضرت سالمؒ سے مروی ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہؐ حضرت بلالؓ سے فرمایا کرتے تھے: اَرِحْنَا یَا بِلَالُ مِنَ الصَّلَاةِ. ''اے بلال ہمیں نماز کے ذریعہ راحت پہنچاؤ''۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۸۷، مسند احمد: ۲۳۱۳۷)

یہاں راحت کا لفظ غالب طور پر طبیعت کے بھاری پن اور ناخوشگواری سے آزادی کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہؓ سے منقول ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد یوں وارد ہوا ہے: اَذِیْبُوا طَعَامَکُمْ بِذِکْرِ اللّٰهِ وَالصَّلَاة. ''اپنے کھانے

Marfat.com

کو اللہ کے ذکر اور نماز کے ذریعہ تحلیل کرو‘‘۔ (ابن سنی: ۴۸۲، معجم الطبرانی الاوسط: ۴۹۵۲) اس حدیث میں بھی نمایاں طور پر نماز کا بدنی اور مادّی فائدہ بیان کیا گیا ہے۔

حدیث کے الفاظ میں یہ نکتہ اپنی الگ معنوی افادیت کا حامل ہے کہ آپؐ نے نماز کو ’’علاج‘‘ نہیں بلکہ براہ راست ’’شفا‘‘ قرار دیا ہے اور شفا علاج سے بہت آگے کی چیز ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نماز کی روحانیت انسانی بدن پر بھی کس قدر تاثیر رکھتی ہے۔ گزشتہ سطور میں بیان کی گئی احادیث کے مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے نماز کی ہیئات پر غور کریں تو یہ چند معتدل اور متوازن حرکات کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے۔ ورزشی قوانین کے مطابق یہ حرکات اعصاب، جوڑوں اور عضلاتی ریشوں میں دورانِ خون کی روانی میں بہتری پیدا کرتی ہے، ساتھ ہی بدن کے اندر بتدریج حرارت بھی پیدا ہوتی ہے اس حرارت سے بدن میں رکے ہوئے زہریلے مواد کو پگھل کر خون میں شامل ہونے کا موقع ملتا ہے اور خون اپنی گردش کے ذریعے اس مواد کو بدن میں موجود تحلیل وتصفیے کے مراکز تک پہنچا دیتا ہے، جہاں سے یہ باآسانی بدن سے خارج ہو جاتے ہیں۔ ان کا بدن سے نکل جانا ہی دراصل شفا بھی ہے اور راحت بھی۔ صحت اور شفا کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف غذائیں جسم میں پیدا ہونے والی حرارت کے ذریعہ پگھل کر جزو بدن بن جائیں اور غیر ضروری غذائی مواد نظامِ اخراج کے ذریعہ باہر نکل جائے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک کام اگر رک جائے تو تندرستی امراض کا شکار ہو جاتی ہے۔ احادیث مذکورہ میں بتایا گیا ہے کہ نماز کی مختلف ہیئتیں اور ان کا تسلسل بدن میں انہی دونوں اہم امور کی انجام دہی کے لیے سازگاری پیدا کرتے ہیں اور نماز و نوافل کا پابند انسان بالعموم صحت وشفا سے فیض یاب رہتا ہے۔

(دیکھیے: الاستشفاء بالصلاۃ، از: ڈاکٹر زہیر رابح القرامی)

جنسی ہیجان کا علاج

عَنْ عَلْقَمَةَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَائَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.

(صحیح بخاری: ۵۰۶۶، صحیح مسلم: ۱۴۰۰)

Marfat.com

''حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: جو تم میں سے استطاعت رکھتا ہو اسے شادی کر لینی چاہیے اور جسے یہ استطاعت حاصل نہ ہو، اسے روزے رکھنے چاہئیں، بے شک یہ روزے اُس کے لیے جنسی جذبے کی مدافعت کریں گے''۔

عملِ نکاح کی رغبت یا شہوتِ جماع انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہے، لیکن اسلام بے پناہ سماجی اور بدنی مضرات سے محفوظ رکھنے کے لیے کھلی شہوت رانی کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ اسلام نے انسان کے اندر پائے جانے والے شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے ایک معروف معاہدۂ نکاح کی ترغیب دی ہے، تاہم یہ عین ممکن ہے کہ بہت سے لوگ نکاح اور گھر بسانے کے لیے ضروری استطاعت اور قدرت سے عاجز ہوں، اس طرح کے لوگوں کے لیے ایسا حل تجویز کرنا ضروری تھا، جو جنسی طاقت اور اُس کے سرچشمے کو بدن سے بالکلیہ ختم کیے بغیر محض وقتی مدت کے لیے اس ہیجان کو رفع کر دے تاکہ اگر بعد میں شادی کے لوازمات کی طاقت پیدا ہو جائے تو کسی بدنی نقص کے بغیر انسان فطری طور پر وظیفۂ زوجیت کے قابل رہے، یقیناً اس کے لیے وہ طریقے کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں تھے جو بعض مذاہب اور تہذیبوں میں خودساختہ طور پر رائج کر دیے گئے ہیں۔ جن میں غیر معتدل بھوک و پیاس کی اذیت کے علاوہ بدن سے جنسی اعضا کا استیصال یا انہیں ناکارہ بنانا شامل ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے حدیثِ نبوی کی انفرادیت نکھر کر سامنے آتی ہے اور اس کی علمی و سائنسی فوقیت قائم ہوتی ہے۔

رسول اللہؐ نے جنسی ہیجان کی مدافعت کے لیے نہ تو ادویات کے استعمال کی ہدایت فرمائی اور نہ ہی آجکل کی معروف ''ڈائٹنگ'' اختیار کرنے کا مشورہ دیا، کیونکہ یہ دونوں طریقے کئی قسم کے منفی اثرات کے حامل ہوتے ہیں، ان کے نتیجے میں بدنِ انسانی عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے، ان کے بجائے آنحضرت نے روزے جیسی معروف اور جسم و صحت کے لیے نہایت مفید شے کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، جو کسی اعتبار سے بھی مضر جانبی اثرات کا موجب نہیں پایا گیا۔ آپؐ نے روزے کو ''وجاء'' کی اصطلاح سے تشبیہ دی ہے۔ بعض علماء

Marfat.com

نے اس کا مفہوم خصی ہونا بتایا ہے، حالانکہ محققین کے نزدیک اس کا مطلب خصی ہونا نہیں بلکہ مرکزِ جنس اعضا کو اس قدر دبانا ہے جس کے باعث طبیعت میں صنفی انگیخت وقتی طور پر سرد پڑ جائے، یکسر فنا نہ ہو پائے۔ یہ تشبیہ بجائے خود اُس جامع تصور کی بہترین عکاسی کرتی ہے جو پوری حدیث میں پایا جاتا ہے، جبکہ یہ تشبیہ اور اس کے لیے اختیار کردہ الفاظ الگ سے ایک علمی اور فنی مقام کے حامل ہیں۔ (دیکھیے: فتح الباری، از حافظ ابن حجر، ج ۹، ص ۱۰۸ تا ۱۱۱)

یاد رہے کہ یہاں دبانے کا مطلب بالفعل دبانا نہیں، بلکہ روزے کے ذریعہ جنسی جذبات کو مغلوب کرنا ہے۔

بسیار خوری کے عواقب

عَنْ مِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِؐ قَالَ: مَامَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَراً مِنْ بَطْنِهٖ حَسَبَ ابْنُ آدَمَ لُقَيْمَاتٍ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّفَاعِلاً فَثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهٖ.

(سنن ترمذی: ۲۳۸۰، صحیح ابن حبان: ۵۲۳۶)

"حضرت مقدام بن معدی کربؓ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: سب سے بڑھ کر پیٹ ہی وہ بُرا برتن ہے جسے ابن آدم بھر لیتا ہے، حالانکہ اسے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو محض سیدھا رکھیں، اگر کھائے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اُسے (اپنے پیٹ) کا تیسرا حصہ کھانے کے لیے اور اتنا ہی پینے کے لیے اور اتنا ہی اپنے سانس کے لیے رکھنا چاہیے"۔

حدیث بدن کے لیے کافی مقدار خوراک اور پھر اس کے صحت بخش ہونے کے لیے مطلوب پانی اور ہوا کی گنجائش رکھنے کا تذکرہ کر رہی ہے، جس سے "عناصر ثلاثہ" یعنی خوراک پانی اور ہوا کے باہم تعلق اور ایک دوسرے کے لیے لازمی ہونے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ پانی کے مادّہ حیات ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن ٹھوس کھانے کے ساتھ پانی کا تذکرہ اُس کی کیمیائی معنویت کو واضح کرتا ہے جس کے مطابق پانی خوراک کو گلانے، تحلیل کرنے

Marfat.com

اور اس سے قوت بخش مواد نچوڑنے کا وظیفہ انجام دیتا ہے۔ اسی طرح باقی رہ جانے والے فاسد مواد کا اخراج بھی پانی کی مناسب مقدار کے بغیر ممکن نہیں ہوتا، یہ عمل تب ہی انجام پاتا ہے جب پانی اور خوراک کو حدیث میں بتائے گئے تناسب کے مطابق تناول کیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں تنفس کی گنجائش خود بخود باقی رہتی ہے اور سانس کی تنگی سے بدن ناکارہ نہیں ہوتا۔

(دیکھیے: روائع الطب فی الاسلام، از: ڈاکٹر نزار دقر، ج ۱/ص ۱۷)

عالم عرب سے تعلق رکھنے والے مشہور معالج ڈاکٹر عبدالرزاق کیلانی نے بسیار خوری کے باعث تنفس کی تنگی کے عواقب یوں بیان کیے ہیں۔

معدے کا اوپری حصہ ایک ہوا خانے کی مانند ہوتا ہے۔ یہ حصہ غذائی مواد سے خالی ہو تو نہ صرف تنفس آسان ہوتا ہے، بلکہ معدے کے توازن کے باعث کمر کی حرکات بھی درست رہتی ہیں، لیکن جیسے ہی یہ ہوائی حصہ بھی خوراک سے بھر جائے سانس کی مشکل شروع ہو جاتی ہے، ساتھ ہی کمر کی حرکات بھی جکڑن کا شکار ہو جاتی ہیں، آکسیجن کی پوری مقدار بدن میں نہ پہنچنے کے باعث دیگر اعضا بھی اپنی قوت کھو دیتے ہیں۔

(الحقائق الطبیہ فی الاسلام، از: عبدالرزاق کیلانی)

حدیثِ نبوی کا یہ علمی اعجاز ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس قبل خوراک بدن اور توانائی کے جن حقائق سے انسانیت کو باخبر کیا تھا جدید طب اس میں چنداں اضافہ نہیں کر سکی ہے۔

لعاب اور مٹی کی شفائی خاصیت

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: اَنَّ النَّبِيَّ اِذَا اشْتَكَى الْاِنْسَانُ الشَّيْئَ مِنْهُ اَوْ كَانَتْ بِهٖ قُرْحَةٌ اَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ بِاُصْبُعِهٖ هٰكَذَا وَوَضَعَ سُفْيَانُ سَبَّابَتَهٗ بِالْاَرْضِ ثُمَّ رَفَعَهَا وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى بِهٖ سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا. (صحیح بخاری: ۵۷۴۵، صحیح مسلم: ۴۰۶۹)

''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی پاک کو جب بھی کوئی شخص کسی تکلیف کی شکایت کرتا یا اسے کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا تو آپ اپنی انگلی کو زمین پر لگاتے اور

Marfat.com

فرماتے اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی اور ہم میں سے کسی کے منہ کے لعاب کے ساتھ ہمارا مریض ہمارے رب کی مرضی کے ساتھ شفا پائے گا''۔

صحیح مسلم کے شارح مشہور محدّث اور فقیہ امام یحییٰ النوویؒ حدیث میں بیان کیے گئے طریقے کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ آپؐ پہلے انگلی کو اپنے لعاب دہن سے تر فرماتے، پھر اسے مٹی پر لگانے کے بعد زخم یا پھوڑے پر لگا دیا کرتے تھے۔ (شرح صحیح مسلم، حدیث نمبر ۴۰۶۹)

محدثین اور اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ مٹی کی تاثیر سرد اور خشک ہے، اپنے اس مزاج کی بنا پر مٹی میں خون روکنے، پیپ دار زخموں اور دانوں کو بھر لانے کی استعداد موجود ہے۔ اس کے ساتھ یہ دافع تیزابیت اور حرارت کو بھی رفع کرنے والی ہے، چنانچہ گرمیوں کے دانے اور فاسد حرارت کے باعث بدن میں پیدا ہونے والے ورم بھی اس کا لیپ کرنے سے درست ہو جاتے ہیں۔ (کتاب المفردات، ص۴۵۲۔ اعجاز نبوی کا انسائیکلوپیڈیا، از: ڈاکٹر سمیر عبدالحلیم ۱/۹۱)

اس حدیث میں مٹی کے ساتھ لعابِ دہن کا استعمال ایک طرف تو مفرد دوا کے بجائے مرکب دوا سازی کا اصول واضح کرتا ہے اور دوسری طرف اس میں لعابِ دہن کی دوائی تاثیر کی جانب اشارہ موجود ہے۔ صحیح بخاری کے عظیم شارح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اطباء کی رائے نقل کی ہے کہ لعاب میں تعدیلِ مزاج یعنی اعتدال اور سکون کے ساتھ زخموں اور پھوڑوں کو پکا کر مندمل کرنے کی تاثیر پائی جاتی ہے۔ گویا مٹی اور لعاب دونوں مل کر ایک معتدل دوا کی مانند کام کرتے ہیں، بالخصوص ایسے حالات میں جب اور کوئی دوا میسر نہ ہو۔ یہ طریقۂ علاج کافی وشافی ہو سکتا ہے پھر اس میں اللہ کا ذکر اور اس کی مشیت کا تذکرہ اعتقادی قوتوں کو بھی شامل کر دیتا ہے۔

یہاں ضمناً یہ بحث بھی کی گئی ہے کہ مٹی کی یہ تاثیر کیا زمین کے ہر حصے میں یکساں پائی جاتی ہے، یا یہ صرف مدینہ منورہ کی مٹی میں ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ کسی متعین مقام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پورا کرّہ ارض اس میں شامل ہے، البتہ اثرات اور نوعیت کے اعتبار سے کمی بیشی یا خوب و ناخوب کا فرق ایک فطری بات ہے۔

(دیکھیے: طب نبوی، از: امام ابن قیم، ص ۱۸۶۔ فتح الباری، از: حافظ ابن حجر، ج ۱۰/ ۲۰۸)

Marfat.com

دائیں کروٹ لیٹنے کی حکمت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا آوٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَلْیَضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ. (سنن ابوداؤد:۵۰۵۲)

وَعَنْ بَرَّاءَ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا آوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ اِضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ. (صحیح مسلم:۲۷۱۰، الادب المفرد:۱۲۱۱)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بستر کی طرف جائے تو اسے دائیں کروٹ کے بَل لیٹنا چاہیے''۔

''حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب اپنے بستر پر دراز ہوتے تو دائیں جانب کروٹ لے کر لیٹتے''۔

انسان کے لیٹنے کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ اوندھے منہ لیٹنا۔ اس طرح لیٹنے سے بھی منع فرمادیا گیا ہے، اس بارے میں جو حدیث وارد ہوئی ہے اس پر علیحدہ سے گفتگو گزر چکی ہے۔

۲۔ بالکل سیدھا یا پیٹھ کے بَل لیٹنا۔ شرعاً اس کی ممانعت نہیں، لیکن آنحضرتؐ کے پسندیدہ طریقے کے مقابلے میں اس کا ضرر نمایاں ہے۔ یہ طریقہ انسان کو منہ سے سانس لینے پر مجبور کرتا ہے، کیونکہ سیدھا لیٹنے سے حلق کا سوراخ ناک کے بالائی سوراخ کے مقابلے میں زیادہ کھل جاتا ہے، البتہ سانس کا یہ طریقہ غیر فطری ہے، اس طرح ناک میں ہوا کے تصفیے (Filteration) کا جو قدرتی نظام نصب ہے اس سے استفادہ نہیں ہوسکتا، منہ سے سانس لینے کے باعث تالو اور حلق کی خشکی اور پھر سوزش وجود میں آسکتی ہے، اس طرح لیٹ کر سونے سے دورانِ نیند منہ سے نامانوس آوازیں بھی نکلتی ہیں جو دوسرے لوگوں کے لیے کراہت کا باعث ہوسکتی ہیں۔

۳۔ بائیں کروٹ لیٹنے کے تجربات بھی اس کے کئی عوارض کو ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح دل پھیپھڑوں کے نیچے آجاتا ہے۔ دیگر اندرونی اعضا کا تمام تر بوجھ بھی دل کو اٹھانا پڑتا ہے، یوں دل کے محصور اور چاروں طرف سے گھر جانے کے باعث اُس کا وظیفہ دباؤ کا

Marfat.com

شکار ہو جاتا، نیند آ جانے کے باوجود طبیعت پر بوجھل پن غالب رہتا ہے، خوفناک اور پراگندہ خواب الگ سے اضطراب کا سبب بنتے ہیں۔ یہ تحقیق بھی سامنے آئی ہے کہ بائیں کروٹ سونے سے معدے کا رخ براہ راست بڑی آنت کی طرف نہیں ہوتا بلکہ اس سے ذرا مختلف ہو جاتا ہے، چنانچہ عملِ انہضام میں تاخیر واقع ہوتی ہے اور نیند سے بیداری پر نہ تو سیریٔ خواب کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی شکم کا بوجھ کم محسوس ہوتا ہے۔

۴۔ دائیں کروٹ لیٹنا۔ مذکورہ تینوں طریقوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ سائنٹفک معتدل اور آسودگی فراہم کرنے والا طریقہ یہی ہے اور نبی کریمؐ نے اپنی امت کو اسی کی ہدایت فرمائی ہے۔ آپؐ نے خود بھی اسی پر عمل فرمایا۔ دائیں کروٹ لیٹنے کا یہ طریقہ دل کی کشادگی، قوت ہضم کی تیزی اور سکون آور نیند کا موجب ہے، اس طریقے میں وہ تمام عوارض نہیں پائے جاتے جن کا ذکر بقیہ طریقوں کے ضمن میں آیا ہے۔ آنحضرتؐ کا اسی طریقے کو اختیار کرنا اور اسی کی تلقین کرنا نہایت جامع سائنسی حکمتوں پر مبنی ہے جن کی نقاب کشائی کا عمل تا عرصۂ حیات جاری رہے گا۔ (زادالمعاد، ج ۴، ص ۲۴۰۔۲۴۳، النوم علی الجھۃ الیمنیٰ، مقالہ ڈاکٹر ابراہیم الراوی، مجلہ حضارۃ الاسلام، ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۵ء)

چکنائی اور صحتِ دہن

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ شَرِبَ اللَّبَنَ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَقَالَ: اِنَّ لَهُ دَسَماً. (صحیح بخاری: ۵۶۰۹۔ مستخرج الطّوسی علی الترمذی: ۷۲)

وَقَالَ: تَمَضْمَضُوا مِنَ اللَّبَنِ فَاِنَّ لَهُ دَسَماً. (سنن ابن ماجہ: ۴۹۸)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے دودھ پیا، پھر کلّی کی اور فرمایا اس میں چکنائی ہے''۔

''ایک اور موقع پر فرمایا: دودھ پینے کے بعد کلّی کر لیا کرو، کیونکہ اس میں چکنائی ہوتی ہے''۔

حدیث بالا میں اس جانب تنبیہی اشارہ موجود ہے کہ کھانے پینے کے بعد منہ کے اندر

Marfat.com

چکنائی کے باقیات ضرر رساں ہو سکتے ہیں۔ دودھ کا تذکرہ اُس زمانے کی غالب خوراک ہونے کے باعث اور واقعاتی بنیاد پر کیا گیا ہے ورنہ اہل علم کی رائے میں تمام چکنائیوں کی صفائی اسی طرح ضروری ہے۔ (فتح الباری، ج ۱/۳۱۳) منہ میں دیر تک چکنائی کا باقی رہنا نہ صرف سوزش اور بدبو کا باعث بنتا ہے، بلکہ دانتوں کو بھی مختلف امراض میں مبتلا کر سکتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی واضح معلوم ہوتا ہے کہ کُلّی کرنے کا عمل کھانے کے فوراً بعد ہونا چاہیے، تاکہ چکنائی تخمیری عمل سے قبل ہی صاف کر دی جائے ورنہ تاخیر سے کُلّی کرنے میں وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جن کے باعث یہ سنت قائم کی گئی ہے۔

پانی سے علاج (Hydropathy)

عَنْ ابْنِ عُمَرؓ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: اِنَّمَا الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرِ دُوْهَا بِالْمَاءِ. (صحیح بخاری: ۵۷۲۳، صحیح مسلم: ۲۲۰۹)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی مہربانؐ نے فرمایا: بے شک بخار جہنم کی پھنکار کے باعث ہوتا ہے، لہٰذا اسے پانی سے ٹھنڈا کرو''۔

اوپر ہمارے قائم کردہ عنوان کے علاوہ بھی یہ حدیث بہت سارے علمی فوائد پر مشتمل ہے۔ بادی النظر میں واضح ہونے والی ایک حقیقت تو یہی ہے کہ بدنِ انسانی کے بنیادی جواہر میں جزو ناری شامل ہے۔ اس کے بغیر بدن کی عمومی حرارت کی کوئی اور معقول وجہ نظر نہیں آتی، یہی آگ کا جز جسم انسانی میں موجود ہوتا ہے تو بخار کے مواقع پر اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ فلاسفہ کے ہاں یہ دلچسپ بحث لائق مطالعہ ہے کہ بدنِ حیوانی کے عناصر اربعہ میں آگ شامل ہے یا نہیں۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کا احاطہ کیا ہے، دلچسپی رکھنے والے قارئین وہاں رجوع کر سکتے ہیں۔ (زاد المعاد، ج ۴، ص ۱۹، از: ابن قیم)

دوسری یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ دنیا میں حرارت کا اصل منبع جہنم ہے اور یہ مقام محض تصوراتی نہیں بلکہ واقعاتی طور پر موجود ہے۔ علم الاعتقاد میں جنت و دوزخ کی موجودگی کا عقیدہ مسلمات میں شامل رہا ہے۔ جدید ترین طاقتور دوربینوں کی ایجاد سے قبل شاید اس

Marfat.com

عقیدے کو کسی علمی توجیہ کے ذریعے سمجھنا کچھ مشکل تھا، البتہ کائنات کی دور دراز پنہائیوں میں دیکھ لینے اور متعدد انتہائی بڑے بڑے آتشین کرّوں کی دریافت کے بعد کم از کم قیاسی طور پر دوزخ کی موجودگی کا اعتقاد اب بعید از عقل نہیں رہا۔ ہمارے اپنے نظامِ شمسی میں گرمی برساتے سورج کا وجود اس کی واضح مثال ہے۔ دوسری احادیث میں مطلق گرمی اور حرارت کو بھی جہنم کی وجہ سے بتایا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد:۴۰۱)

اس سے یہ خیال تقویت پاتا ہے کہ حرارت کا سرچشمۂ اصلی جہنم ہے، لیکن یہ قدرتِ حق کا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حرارت میں بہت سارے منافع اور زندگی بھی رکھ دی ہے۔

حدیثِ بالا میں بخار کے موقع پر پانی کے استعمال کا مشورہ دیا گیا ہے، یہ بات سرد علاقے کے باشندوں کے لیے باعث تعجب ہوسکتی ہے، کیونکہ ان علاقوں کے بعض بخار پانی کے استعمال سے مزید بگاڑ پیدا کرسکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کم فہمی کی بنا پر اس حدیث پر اعتراضات کیے ہیں۔ امام ابن الجوزی نے وضاحت کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ دراصل عربوں کا طریقۂ علاج یونانیوں کی مانند قیاسی نہیں تھا بلکہ وہ اپنی بود و باش، آب و ہوا اور جغرافیائی طبیعت کے مطابق تجرباتی بنیادوں پر علاج کیا کرتے تھے، چنانچہ نبی کریمؐ کا یہ مشورہ اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے، یہ محض قیاس کی بنا پر نہ تو تمام علاقوں کے لیے مفید ہوسکتا ہے اور نہ ہی تمام مزاجوں کے لیے موافق، وہ بخار جو تیزابی مادوں کے باعث بدن میں اشتعال کا باعث ہو اُس میں پانی کا استعمال مفید ہے۔

(کشف المشکل من حدیث الصحیحین، از: امام ابن الجوزی ۲/۱۸۵۔۱۸۶)

آنحضرتؐ کی جانب سے اس علاج کو تجویز کیے صدیاں بیت گئیں، ماہرین طبیعات کو بہت تاخیر سے اس بات کا علم ہوا کہ پانی میں زبردست علاجی استعداد اور شفائی صلاحیت موجود ہے، یہ محض بخار ہی نہیں بلکہ جسم کے کئی عوارض جوڑوں کے درد پٹھوں کے کھنچاؤ اور بعض جلدی امراض میں مفید ثابت ہوتا ہے۔ ہائیڈروپیتھی کے معالجین مرض اور مریض کی حالت کے مطابق پانی کے استعمال کا طریقہ تجویز کرتے ہیں جو مختلف اعضا کو پانی سے دھونے یا انہیں ڈبونے سے لے کر غسل تک کی شکل میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر لوہی کونی اس طریقہ

Marfat.com

علاج کے مشہور ماہر ہیں۔ یاد رہے کہ محدثین کے نزدیک بھی حدیث میں پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنے کا مطلب غسل کرنا نہیں ہے، بلکہ غسل مزید تکلیف کا باعث ہوسکتا ہے، چنانچہ آنحضرتؐ اور بعض صحابہ سے احادیث میں مختلف استعمالات کا ذکر ملتا ہے۔

(دیکھیے: فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۷۵)

شدید بخار کی حالت میں جدید اطباء بھی ٹھنڈی پٹیوں کا مشورہ دیتے ہیں اور یہ طریقہ آجکل بہت معروف ہے۔ حافظ ابن قیم نے مشہور یونانی طبیب جالینوس کے حوالے سے لکھا ہے کہ: اس بات کا امکان موجود ہے کہ پانی کا مختلف استعمال ہر قسم کے بخار میں نفع مند ہو، جالینوس کہتے ہیں کہ ہم اس کا بلا توقف مشورہ دیتے ہیں۔ (الطب النبوی، ص ۲۷)

روایات میں منقول ہے کہ آنحضرتؐ کو مرض الموت میں جو شدید بخار کی کیفیت لاحق ہوئی تھی آپ اس دوران بھی اپنا ہاتھ پانی میں بھگو کر بار بار اپنے چہرے پر ملتے تھے۔ اس سے قبل آپ نے مدینہ منورہ کے مختلف کنوؤں کا پانی منگوا کر اپنے اوپر انڈیلا تھا، جس سے طبیعت بحال ہوگئی تھی۔ (سیرۃ ابن ہشام، ۲/ ۶۴۹۔ کتاب الوفاۃ، از: امام نسائی ۲۵)

آپؐ کے اس عمل سے بھی حالتِ بخار میں پانی کے کلّی اور جزوی استعمال کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

کولیسٹرول کی تحلیل (Cholesterol)

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اَذِیْبُوا طَعَامَکُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃِ۔ (طبرانی الاوسط: ۴۹۵۲، ابن سنی: ۴۸۲)

”حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا: اپنی خوراک کو نماز اور ذکرِ الٰہی کے ذریعے پگھلاؤ“۔

حدیث کے یہ الفاظ مختصر ہونے کے باوجود بہت گہرے طبی ادراک کی عکاسی کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انسانی بدن میں خوراک سے قوت کشید کرنے کا حیرت انگیز نظام (Metabolism) نصب کر دیا ہے جو مختلف غذاؤں کو جزو بدن بنانے کا کام کرتا ہے، اسی نظام

Marfat.com

کے تحت خوراک کے اجزا متنوع کیمیائی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں، بعض اجزا چکنائی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اطباء کے تجربات اور مشاہدے کے مطابق یہ اضافی چکنائیاں بدن میں جلد تحلیل نہیں ہوتیں، ان کو ہضم کر کے باہر نکالنے کے لیے تحرّک اور مشقت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بدن میں اتنی حرارت پیدا ہو جائے جو ان جمع شدہ چکنائیوں کو پگھلا کر تحلیل کر دے۔ غور کریں تو کولیسٹرول کو ختم کرنے کے لیے آج جو اصول اختیار کیا گیا ہے بنی کریمؐ نے برسوں پہلے اُس کی نشاندہی فرما دی تھی، حدیث کے الفاظ کی معنویت بھی قابل غور ہے جس میں ''اَذِیْبُوا'' پگھلانے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ہضم کرنے یا فنا کرنے کی ہدایت نہیں کی گئی۔ اس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ بدن میں پگھلنے والی چیز وہی فاضل چکنائی ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں کولیسٹرول کہا جاتا ہے۔

نبی کریمؐ نے بدن کو حرارت پہنچانے کا جو طریقہ بتایا ہے اس میں ایک عبادت ہونے کے باوصف تقدس اور ذکر الٰہی کی حدت بھی شامل ہے جس سے قلب و بدن ہی نہیں روح بھی گرما جاتی ہے، نماز کی مختلف حالتوں میں جو انسانی قوت درکار ہوتی ہے، بدن میں موجود چکنائی اس کی فراہمی کا بنیادی وسیلہ بن سکتی ہے پھر اسی تحرک کے نتیجے میں جسم کی گرمائش اس چربی کو رگ و ریشے سے اکھیڑ کر نظام اخراج کے ذریعے باہر پھینک سکتی ہے۔ اس طریقے میں اعتدال توازن اور روحانیت کا ایسا غلب ہے کہ کوئی اور ورزش اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

حرام چیز سے دوا سازی کی ممانعت

عَنْ اُمِّ سَلِمَةَؓ قَالَتْ: اَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءُ كُمْ فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ. (صحیح ابن حبان:۱۳۹۱، سنن کبریٰ بیہقی:۱۹۴۶۳)

عَنْ طَارِقِ بْنِ سُوَيْد الْحَضْرَمِيِّ اَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ عَنِ الْخَمْرِ؟ فَقَالَ اِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ. (صحیح مسلم:۵۲۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ:۶۵۲)

''حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شفا اُن چیزوں میں نہیں رکھی جنہیں اس نے تم پر حرام قرار دیا ہے''۔

Marfat.com

''حضرت طارق بن سوید حضرمیؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ سے شراب کے (بطور دوا) استعمال کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا: شراب ہرگز دوا نہیں، بلکہ وہ خود ایک بیماری ہے''۔

علاج اور ادویہ سازی میں حرام اشیا کی ممانعت کو سمجھنے کے لیے پہلے شریعت میں حرمت کے اسباب پر غور وخوض ضروری ہوگا۔ اسلام میں حرام وحلال کا فلسفہ ہی درحقیقت سائنٹفک بنیادوں پر استوار ہے، کوئی چیز معقول وجوہات کے بغیر حرام نہیں قرار دی گئی۔ ذرا سا تدبر فرمائیں تو حرام اشیا میں تین اسباب نمایاں ہوکر سامنے آتے ہیں، خُبث، فساد اور ظلم۔ آخرالذکر کا سردست ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق نہیں، البتہ خباثت اور فساد وتعفن ایسے اسباب ہیں جن کے باعث شریعت اسلامیہ میں کئی اشیا حرام قرار دی گئی ہیں۔

حدیث بالا میں شراب کو بطور دوا استعمال کرنے کی ممانعت اسی لیے وارد ہوئی ہے کہ شراب اپنی سڑاند اور بدبو کے باعث ناپاک تو ہے ہی، تاہم اس میں انسانی جسم ودماغ کی فطری قوتوں کو مختل کرنے خیر کے بجائے شر پر اکسانے اور غیرت وحمیت کی جگہ بے حیائی اور لغو حرکات پر آمادہ کرنے کی منفی صلاحیت پائی جاتی ہے، شراب میں یہی خُبث ہے جس کی بنا پر اسے عرف عام میں امّ الخبائث قرار دیا گیا ہے۔ یہ تاثیر محض شراب تک ہی محدود نہیں، بلکہ کئی دوسری اشیا میں بھی کچھ کمی بیشی کے ساتھ پائی جاسکتی ہے۔ (القانون، از: ابن سینا ج۳/۲۹۶)

اس بات کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں نبی کریمؐ نے ہر خبیث چیز کو دوا کے طور پر اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے (سنن ابوداؤد: ۳۸۷۰، سنن ترمذی: ۲۰۴۶) اندازہ ہوتا ہے کہ خنزیر کا گوشت کھانے میں بھی یہی صفتِ خبث کارفرما ہوتی ہے اور کھانے والے میں بھی خنزیر جیسی عادات سرایت کرجاتی ہیں۔

چنانچہ شریعت نے نہ صرف بطور دوا بلکہ مطلقاً خنزیر کا گوشت اور دوسرے اجزا کو حرام قرار دے دیا ہے۔ دوسری وجہ فساد وتعفن یا کسی چیز کی خرابی وسڑ جانا بھی اسی ممانعت کے حکم میں شامل ہے۔ ان کی حرمت اصلی نہیں ہے بلکہ فساد اور بدبو کے پیدا ہوجانے کے باعث ہے، کیونکہ اس حالت میں اس شے کی فطری تاثیر رنگ وذائقہ اور بُو سب کچھ متغیر ہوجاتا ہے، لہٰذا اس

Marfat.com

مکروہ چیز سے دوائی کا بنایا جانا بجائے خود ایک فاسد خیال ہے اور طبیعتِ انسانی اس کی اجازت نہیں دیتی، یقیناً کسی پاکیزہ اور مرغوب چیز کے بجائے ایک ناگوار اور بدبودار شے سے دوائی بنائی جائے گی تو اس کے اثرات مریض کی بے چینی اور شکایت میں کچھ اضافہ ہی کریں گے۔
فی الجملہ مذکورہ اسبابِ حرمت کی روشنی میں حرام اشیا سے دواسازی کی ممانعت ہر لحاظ سے ایک سائنٹفک حکم ہے۔ البتہ فقہا نے اس شکل میں جواز کا عندیہ دیا ہے جب کسی کیمیاوی عمل کے نتیجے میں حرام چیز کی ماہیت یکسر تبدیل ہو جائے اور اسبابِ حرمت ختم ہو جائیں۔
اوپر دی گئی حضرت طارق بن سویدؓ کی حدیث میں آپؐ کا شراب کو خود ایک بیماری قرار دینا بہت معنی خیز ہے۔ دوسری حرام اشیا بھی قیاساً اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔

لاعلاج امراض

عَنْ اِبْنِ عَمْروٌ قَالَ: اَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِؐ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ: لَمْ يَظْهَرُ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوا بِهَا اِلَّا فَشَافِيْهِمُ الطَّاعُوْنَ وَالْاَوْجَاعَ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ اَسْلَافِهِمْ.

(سنن ابن ماجہ: ۴۰۱)

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: نبی کریمؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا، اے ہجرت کرنے والو! اگر کسی قوم میں بے حیائی اتنی بڑھ جائے کہ وہ یہ حرکات اعلانیہ کرتے پھریں تو پھر اُن میں طاعون اور کچھ ایسے تکلیف دہ امراض پھیل جاتے ہیں جن کی کوئی نظیر اُن کے آباء اجداد میں بھی نہیں ہوتی''۔

حدیثِ مبارکہ میں آپؐ کا یہ تنبیہی جملہ بعض اقوام کی گزشتہ تاریخ کے علاوہ مستقبل میں بھی انسانی اطوار کا احاطہ کرتا ہے بلکہ بیسویں صدی کے اواخر میں طب وعلاج اور امراض کی تشخیص واسباب پر جو خوردبینی تحقیقات ہوئی ہیں ان کے نتائج کی روشنی میں آنحضرتؐ کی یہ وعید ایک زندہ اور مصدقہ حقیقت کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ اگرچہ تاریخِ انسانی اور قرآن مجید کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماضی کی بعض اقوام بھی بے حیائی اور حد سے

Marfat.com

متجاوز قبیح افعال میں مبتلا رہی ہیں لیکن دورِ حاضر کے جدید اور متمدن معاشروں میں فکری و عملی بے حیائی جس درجہ منظم اور تکنیکی صورت اختیار کر چکی ہے اس کی کوئی مثال ایامِ ماضی میں نہیں ملتی، آج یہ داعیہ پوری ایک صنعت کا درجہ حاصل کر چکا ہے، اس حدیث کی روشنی میں حتمی طور پر یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ فحش اور جنسی بے راہ روی کے نتیجے میں کچھ نئے لاعلاج امراض کے جراثیم وجود میں آ گئے ہیں، البتہ علمی طور پر اقرار سامنے آ رہا ہے کہ کچھ (Virus) زہروں کے پھیلنے اور ایک انسان سے دوسرے انسان تک منتقل ہونے میں بے حیائی کی مختلف سرگرمیوں کا بہت بڑا کردار ہے۔ ان وائرسوں میں سب سے مشہور اور خطرناک وائرس (HIV) "Human Immunodeficiency Virus" یعنی انسانی بدن میں قوتِ مدافعت کی کمی کرنے والا وائرس ہے، جو مرض ایڈز (Aids) کا سبب بنتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایڈز ازخود کوئی مرض نہیں ہے بلکہ یہ جسم سے مختلف چھوٹے بڑے امراض کی مدافعت اور مقابلے کے فطری نظام کو کمزور یا بالکلیہ ختم کر دیتا ہے، جس کے باعث معمولی نزلہ زکام بخار اور دست وغیرہ بھی اگر حملہ آور ہو جائیں تو ٹھیک نہیں ہوتے اور بگڑ کر اُن کی کوئی اور تکلیف دہ صورت بن جاتی ہے۔ مرض ایڈز کا یہ وائرس پہلی مرتبہ ۱۹۷۹ء میں دریافت ہوا تھا پھر تحقیق سے اندازہ ہوا کہ اس کے انتشار کا سب سے بڑا ذریعہ جنسی آزاد تعلقات ہیں، لیکن عمومی معاشرتی اختلاط اور ساتھ رہنے یا کھانے پینے سے یہ نہیں پھیلتا، البتہ خون کی منتقلی یا متاثرہ خون سے آلودہ آلاتِ جراحی وغیرہ سے بھی دوسرے انسان تک پھیل جاتا ہے۔ یہ زہر کسی بھی عام مرض کو ٹھیک نہیں ہونے دیتا، اس لیے اس وائرس کے باعث کئی امراض پیچیدہ اور لاعلاج شکل اختیار کر رہے ہیں، خاص طور پر وہ بیماریاں جو انسان کے جنسی اعضا یا آلاتِ تناسل سے متعلق ہیں۔ موت کے دیگر اسباب تو اپنی جگہ پر برقرار ہیں مگر اب یہ جنسی امراض بالخصوص ایڈز موت کے ایک نمایاں سبب کے طور پر سامنے آ رہا ہے۔

آئے دن اخبارات و رسائل میں چھپنے والی اس نوع کی تفاصیل دیکھیے اور پھر حضور اکرمؐ کی تنبیہ کے الفاظ پر غور فرمایئے، دونوں میں کس قدر مماثلت پائی جاتی ہے جس معاشرے میں مادر پدر آزاد بے راہ روی باقاعدہ "Sex Industry" کی صورت اختیار کر جائے وہاں

Marfat.com

بموجب حدیثِ نبوی انسانی بربادی کے ایسے ہی اسباب پیدا ہوتے ہیں جن کی کوئی مثال پچھلی نسلوں میں نہیں پائی جاتی۔

حیوانی فضلات سے علاج

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: قَدِمَ نَاسٌ مِنْ عُکَلَ وَعُرَیْنَۃَ وَاسْتَوْخَمُوا الْمَدِیْنَۃَ فَاَمَرَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ بِذَوْدٍ وَاَمَرَھُمْ اَنْ یَشْرَبُوْا مِنْ اَلْبَانِھَا وَاَبْوَالِھَا فَصَحُّوا۔ (صحیح بخاری:۶۸۰۴، امالی بن سمعون البغدادی:۲۷۴)

”حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ قبیلہ عُکل اور عُرینہ سے مدینہ منورہ آئے، مگر یہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی اور وہ بیمار پڑ گئے، چنانچہ رسول اللہؐ نے انہیں اونٹوں کے ریوڑ کے پاس بھیج دیا اور حکم دیا کہ وہ اونٹوں کا پیشاب اور اونٹنی کا دودھ ملا کر پئیں، یہ استعمال کرنے سے وہ صحت یاب ہو گئے“۔

اس حدیث کے فقہی مسائل تفصیل کے ساتھ کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں، جو فقہا اور اہل علم حلال جانوروں کے پیشاب کی عدم نجاست کے قائل ہیں اُن کی مرکزی دلیل یہی حدیث ہے۔ (دیکھیے۔ نیل الاوطار، از: امام شوکانی، ۸/۱۸۳)

ساتھ ہی یہ حدیث اونٹوں کے پیشاب کو بطور دوا استعمال کی دلیل بھی فراہم کرتی ہے، بعض اہل علم نے اس طریقۂ علاج سے اختلاف کیا ہے اور اسے ذوق و نفاست کے منافی قرار دیا ہے۔ (بائبل قرآن اور سائنس، از: مورس بکائی۔۲۹۴)

ان کا یہ خیال اپنے علم کی حد تک معتبر ہوسکتا ہے، البتہ تاریخی تجربات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن علاقوں میں کثرت سے اونٹ پائے جاتے ہیں وہاں ان کے دودھ اور پیشاب سے بعض امراض کا علاج ایک عام سی بات ہے، ان علاقوں میں آسٹریلیا جیسا ترقی یافتہ اور مہذب ملک بھی شامل ہے۔ بالخصوص عربی اونٹ کے پیشاب سے گزشتہ کئی صدیوں سے گنجے پن، خشکی، بالچر، استسقاء، جگر کی سوجن اور سرطان کا علاج کیا جاتا رہا ہے۔

(التداوی بالبان وابوال الابل۔ از: شہاب البدری، ص ۴۶)

Marfat.com

فقہی وطبی دونوں لحاظ سے حدیث میں بیان کیا جانے والا طریقہ علاج تعجب کا باعث نہ ہونا چاہیے، قدیم اور مشہور مسلمان اطباء نے بھی اونٹ کے پیشاب اور اونٹنی کے دودھ کو کئی امراض میں بطور دوا استعمال کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

(دیکھیے: الحاوی، ج ۲/۵۴۰، نیز ۵۶۱، نیز ۴۶۹، از: ابوبکر ذکریا الرازی)

تعیین جنس اور شکل وشباہت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: اِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدُ اِلٰی اَبِیْهِ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الْوَلَدُ.

(صحیح بخاری: ۳۹۳۸، صحیح ابن حبان: ۷۱۶۱)

وَعَنْهُ اَنَّ اُمَّ سُلَیْمٍ سَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ: هَلْ عَلٰی اِحْدَانَا غُسْلٌ اِذْ هِیَ اِحْتَلَمَتْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَوَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَرِبَتْ یَمِیْنُکَ فَمِمَّ الشِّبْهُ اِذَنْ. (صحیح بخاری: ۱۲۷، مسند احمد الرسالۃ: ۲۶۵۰۳)

''حضرت انسؓ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ، نبی کریمؐ نے فرمایا: جب مرد کا مادّہ منویہ عورت کے مادّے پر غالب آجائے تو بچہ باپ پر چلا جاتا ہے اور جب عورت کا مادّہ مرد کے پانی سے قوی ہو تو اولاد ماں پر چلی جاتی ہے''۔

''حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت امّ سلیمؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے اگر اسے احتلام ہو جائے، حضرت عائشہؓ بولیں کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا (اگر ایسا نہیں) تو پھر مشابہت کیسے ہوتی ہے؟''

یہ دونوں حدیثیں بڑی حد تک قریب المعنی ہیں، اگرچہ دونوں میں کچھ انفرادی نکات بھی موجود ہیں۔ ان حدیثوں کے الفاظ مرد کی ''صُلب'' اور رحم مادر کے اندھیروں میں جنم لینے والی انسانی تخلیق کی کہانی بیان کرتے ہیں، ساتھ ہی ایسے کئی حقائق کی پردہ کشائی کرتے ہیں جن تک پہنچنے کے لیے سائنس نے نہایت طویل اور کٹھن سفر کیا ہے۔

Marfat.com

پہلی حدیث میں مردانہ مادّہ منویہ (Sperm) اور زنانہ بیضہ (Ovum) کے درمیان جس مسابقت کا ذکر ہے اس کا تعلق تشکیلِ جنس سے بھی ہوسکتا ہے اور عادات و خصائل سے بھی اسی طرح وراثتی امراض و عیوب اور نسلی خصائص کا ماں یا باپ کی جانب سے منتقل ہونا بھی اس میں شامل ہے، بلکہ ان الفاظ کی جامعیت آئندہ ہونے والی سائنسی دریافتوں کو بھی اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ان احادیث میں مرد کے ساتھ عورت کے تولیدی مواد کا ذکر بھی بہت سادہ سے اسلوب میں کر دیا گیا ہے، جبکہ جدید سائنس کے لیے برسوں یہ ایک مستور راز تھا۔ ۱۸۳۱ء میں سائنس دانوں کے لیے انکشاف ہوا کہ عورت بھی مادّہ تولید کی مالک ہے۔ (نموالانسان: ۱۳۵)

اسی طرح یہ جاہلانہ تصور آج تک پایا جاتا ہے کہ اولاد کی تشکیلِ جنس اور مذکر و مؤنث کی تعیین میں عورت کا کردار ہے۔ اگرچہ جدید اکتشافات میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس سلسلہ میں مرد کا مادّہ منویہ ہی بنیادی کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ عورت تو فطری طور پر ایک ہی x یعنی مؤنث جرثومہ رکھتی ہے، جبکہ مرد x اور y یعنی مؤنث و مذکر دونوں جرثومے رکھتا ہے۔ اس اکتشاف کی روشنی میں حدیث کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ مرد کے مادّہ منویہ میں سے مذکر y جرثومہ اگر اپنی فوقیت ثابت کر دے تو اولاد کے نرینہ ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر جینیاتی خواص بھی مرد سے منسلک ہو جائیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو عورت کے واحد x یعنی زنانہ جرثومے کا غلبہ یقینی ہوگا، کیونکہ دوسری طرف بھی y کے متحرک نہ ہونے کے نتیجے میں اب x ہی باقی بچا ہے اور وہی عورت میں بھی موجود ہے، یہ دونوں ملیں گے تو یقینی طور پر مؤنث اولاد ہی تشکیل پائے گی۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں حدیث کے لفظ ''مسابقت'' کی یہی تشریح قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ہیومن باڈی: ۹۴۔ قرآن رہنمائے سائنس ۱۳۸، از: ہارون یحییٰ)

دوسری حدیث میں عورت کے اندر مادّہ منویہ کے اثبات کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ شکل و شباہت اور بدنی اوصاف سمیت علم جینیات اور وراثت کی رو سے جس قدر خصائص بھی ماں باپ سے اولاد کو منتقل ہوتے ہیں وہ سب اس میں شامل ہیں۔

حدیث کے الفاظ یہ واضح کرتے ہیں کہ اوصاف کی یہ منتقلی باقاعدہ ایک ایسے مادّے کی

Marfat.com

وجہ سے ہوتی ہے جو مرد کی طرح عورت میں بھی پایا جاتا ہے اور اُس کے خلیے تمام نسلی اوصاف کا وافر ذخیرہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔

یہ حدیثِ نبوی کا اعجاز ہے کہ اس میں نہایت دقیق و پیچیدہ اور بڑی عرق ریزی سے دریافت ہونے والے حقائق کو بہت سادہ و سہل الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن گریہ ہے ہمارے اس تعلیمی و تحقیقی نظام پر جو اپنے سرمایۂ علم سے مستفید ہونے کے بجائے فکرِ مستعار پر تکیہ کیے بیٹھا ہے۔

جینیاتی ڈھانچے کا انہدام

عَنْ ابْنِ شُمَاسَةَ الْمِهْرِی قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِؓ وَهُوَ فِیْ سِیَاقَةِ الْمَوْتِ فَقَالَ: لَقَدْ رَأَیْتُنِي وَمَا اَحَدًا اَشَدُّ بُغْضًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ مِنِّي وَلَا اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ اَکُوْنَ قَدْ اِسْتَمْکَنْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهُ. فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ فِیْ قَلْبِیْ أَتَیْتُ النَّبِیَّ فَقُلْتُ: اُبْسُطْ یَدَکَ فَلَابَا یِعُکَ فَبَسَطَ یَمِیْنَهُ فَقَبَضْتُ یَدِیْ قَالَ مَالَکَ یَا عَمْرُو؟ قُلْتُ: اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ: تَشْتَرِطُ بِمَاذَا، قُلْتُ: اَنْ یُّغْفِرَلِیْ، قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَهُ. (صحیح بخاری:۱۲۱،مسند ابوعوانہ:۲۰۰)

”حضرت ابن شماسہ المہری کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس حاضر ہوئے تو وہ نزع کے عالم میں گرفتار تھے، فرمانے لگے: میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا جب مجھ سے زیادہ آنحضرتؐ سے کسی کو نفرت نہ تھی، بلکہ میں چاہتا تھا کہ موقع ملے تو آپؐ کو قتل کر دوں، پھر اللہ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی، میں رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہوا میں نے کہا اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ کی بیعت کرلوں، آپؐ نے ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپؐ نے فرمایا: عمرو یہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے کہا میری ایک شرط ہے، فرمایا: کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا، یہ کہ میری مغفرت کر دی جائے، آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں علم نہیں

Marfat.com

کہ اسلام پہلے کی ہر چیز کو ڈھا دیتا ہے"۔

الفاظِ حدیث کی جامعیت اور وسعت کا تقاضا ہے کہ انہیں صرف گناہوں اور خطاؤں کے انہدام تک محدود نہ کیا جائے۔ قرآن وسنت میں کئی ایسے اشارات اور احکام موجود ہیں جو معانی کی اس وسعت کو ثابت کرتے ہیں کہ انہدام کا یہ عمل روح وبدن دونوں میں واقع ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں کسی ظاہری نجاست کے بغیر بھی مشرکین کو ناپاک قرار دیا گیا ہے۔ (التوبۃ:۲۸) آخر یہ نجاست کفار ومشرکین میں کہیں نہ کہیں تو موجود ہے، جو کلمہ شہادت پڑھتے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کافر اور مسلمان کے ذبیحے میں فرق کس شے میں مضمر ہے اور اس فرق کی علّت کیا ہے؟ جبکہ دونوں چھری کے ذریعے ایک جیسا عمل سرانجام دیتے ہیں۔ پھر اُس کتے کا شکار کھانا بھی ممنوع ہے جسے اللہ کا نام لے کر نہ چھوڑا گیا ہو، خواہ وہ سدھایا ہوا ہی کیوں نہ ہو، آخر اللہ کے نام میں ایسا کیا پوشیدہ اثر ہے جو حرام کو حلال بنا دیتا ہے۔

ان سب احکام پر غور کریں تو یقین ہو جاتا ہے کہ کلمہ طیبہ یا اللہ رب العزت کا نام لینے سے کچھ نہ کچھ ایسی تبدیلی ضرور واقع ہوتی ہے جس سے اتنا عظیم اور جوہری فرق واقع ہو جاتا ہے۔ یہ اسرار اپنی پوری تفاصیل کے ساتھ تو اب بھی سربستہ ہیں، تاہم بعض سائنسی تحقیقات نے اپنی حیرت انگیز دریافتوں کے ذریعے ان رازوں کا پردہ ذرا سرکا دیا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اسمِ الٰہی ایک ایسی پوشیدہ قوت کا سرچشمہ ہے جو اشیا کے مادّی اور کیمیاوی اجزا اور ان کی ساخت میں تغیر پیدا کر دیتی ہے، اسے جینیاتی ڈھانچے کے انہدام سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ تمام اسمائے مبارکہ اور مثبت کلمات کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔

مشہور جاپانی سائنس دان ڈاکٹر مسارو ایموٹو نے وسیع تجربات سے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کی مثبت ومنفی سوچ اور الفاظ کے اثرات جانداروں کے ساتھ ساتھ بے جان اشیا پر بھی واقع ہوتے ہیں، انہوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ ان اثرات کے نتیجے میں پانی کے آبی ذرّات مالیکیولز کی ساخت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور یہ الفاظ اُن کی ترکیب کو بدل ڈالتے ہیں۔ یہ تحقیق اس پس منظر میں بہت اہم ہے کہ اکثر حیوانی اجسام میں ۷۰ فیصد مقدار پانی کی ہوتی ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس ۹ فروری ۲۰۱۴ء، صفحہ ۱۶) مزید دیکھیے (Invisible Halpers، ص ۴، از: ڈاکٹر لیڈ بیٹر)

Marfat.com

یہ اور اس کے موافق دیگر تحقیقات کی روشنی میں ان سوالوں کا جواب مل جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے، ذبح کرنے، شکار کے لیے کتے کو روانہ کرنے اور دَم وغیرہ کرنے میں کلمہ طیبہ، اسماءِ مقدسہ اور دیگر متبرک کلمات پڑھنا کیوں ضروری ہے۔

یقیناً ان کلمات کے نتیجے میں جینز میں تبدیلی واقع ہوتی ہے، ایک کافر شخص جب مسلمان ہوتا ہے تو اُس کے فکری و نظریاتی ڈھانچے کے ساتھ اس کا جینیاتی ڈھانچہ بھی منہدم (Destroyed) ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت ذبح ہونے اور شکار ہونے والے جانور کی ہوتی ہے۔ (دیکھیے: العلوم والایمان، از: ڈاکٹر خلیل ابراہیم، ص ۲۱۲)

اب حدیث پاک کے اس جملے کو دوبارہ پڑھیے اور روحانی حظ اٹھایئے۔ اِنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ. یقیناً اسلام پہلے کی ہر چیز کو ڈھا دیتا ہے۔

طبی و قانونی معائنہ (Forensic Analysis)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ. .وَالْقَلْبُ یَتَمَنّٰی ذٰلِكَ وَیَشْتَهِیْ وَالْفَرْجُ یُصَدِّقُهُ اَوْیُكَذِّبُهُ.

(صحیح بخاری: ۶۲۴۳، صحیح مسلم: ۲۶۵۷)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آنکھیں زنا کی مرتکب ہوتی ہیں اور اُن کا زنا نظارہ کرنا ہے، کان بھی زنا کرتے ہیں اور اُن کا زنا سننا ہے، زبان بھی زنا کرتی ہے اور اُس کا زنا (فحش) گفتگو ہے۔ اور دل میں بھی تمنا اور خواہشِ گناہ مچلتی ہے، البتہ شرم گاہ ہی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے''۔

حدیث فعلِ زنا کے مراتب اور اُن درجات کا ذکر کرتی ہے جن میں اعضائے بدن گاہے بگاہے مبتلا ہوتے رہتے ہیں، اس جزوی ارتکاب کے دوران قلبِ انسانی بھی بتدریج خواہش اور شوقِ گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر حدیث کے مطابق اس گناہ کا اثبات اُسی وقت ہو سکتا ہے جب جنسی اعضا خود اس کی گواہی دے دیں، یعنی اُن کی ہیئت اور حالت سے یہ واضح ہو جائے کہ وہ اس عمل میں ملوث ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

اثباتِ گناہ کی جس شکل کی جانب حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے، آج صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی اقرارِ جرم کے سوا اس سے بہتر طریقہ میڈیکل سائنس دریافت نہیں کرسکی، اسے جدید اصطلاح میں ''طبی، قانونی معائنہ'' (Medico Legel Examination) کہا جاتا ہے، بالعموم اثباتِ زنا کے تنازعے یا دعوائے زنا کے اثبات و انکار کے موقع پر اس معائنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے دوران جنسی اعضا کا ایسا طبی مشاہدہ کیا جاتا ہے جس سے یہ علم ہو سکے کہ یہ اعضا کسی عملِ مجامعت سے گزرے ہیں یا نہیں۔ اگرچہ اصولِ فقہ کے اعتبار سے شرعی طور پر اثبات جرم کے لیے اس طریقے کے نتائج محض معاون دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں، انہیں حتمی ثبوت قرار نہیں دیا جاسکتا، تاہم یہ بحث ہمارے موضوع سے متعلق نہیں۔

درحقیقت شرم گاہ کی تصدیق وتکذیب کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دل میں پیدا ہونے والی خواہش گناہ پر حقیقتاً عمل پیرا ہوکر شرم گاہ اس تمنا کو سچا کر دکھاتی ہے، یا پھر اس معصیت سے مجتنب رہ کر اس کی خواہش کو جھٹلا دیتی ہے۔ (شرح النووی،۱۶/۲۰۶)

البتہ ہماری رائے میں پہلی تشریح زیادہ واضح ہے۔ اس حدیث کی شرح میں مشہور محدث حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ (فتح الباری۔۱۱/۵۰۴)

انسانی بدن کے جوڑ (Joints)

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ. وَقَالَ: خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْ بَنِی آدَمَ عَلٰی سِتِّیْنَ وَثَلَاثِمِاْئَةِ مِفْصَلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْشَوْكَةً اَوْاَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ وَنَهٰی عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ السِّتِّیْنَ وَالثَّلَاثِمِاْئَةَ فَاِنَّهٗ یُمْسِی وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ. (صحیح بخاری:۲۷۰۷، التوحید، از: ابن مندہ۔۹۰)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: انسان کے ہر جوڑ پر

Marfat.com

ہر روز صدقہ واجب ہے۔ نیز فرمایا: ہر بنی آدم کو تین سو ساٹھ جوڑوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے، پس جس نے تکبیر، تحمید، تہلیل اور استغفار کی، لوگوں کی راہ سے پتھر یا کانٹا دور کر دیا یا نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا ان سارے کاموں کی مجموعی تعداد اگر ۳۶۰ تک پہنچ گئی تو گویا اُس شخص نے اُس روز اپنے آپ کو آگ سے بچالیا‘‘۔

حدیثِ بالا میں بیان کیے گئے یہ امور اور ان جیسے بہت سے دیگر امور کو صحیح احادیث میں صدقہ کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۰۰۹۔۱۰۰۶)

انسانی بدن کے اعضا بنیادی طور پر جوڑوں پر مشتمل ہیں، انہی کی بدولت انسان اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سونے اور کھانے پینے سمیت بے شمار حرکات و سکنات کے قابل ہوتا ہے۔ کوئی ایک معمولی جوڑ بھی اپنی کارکردگی ترک کر دے تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ بدن میں جوڑوں کا وجود اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس پر شکر بجالانے کے لیے صدقہ لازم قرار دیا گیا، جوڑوں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ ہے لہٰذا ان سب کی طرف سے صدقے کی ادائیگی کے لیے معمولی اور آسان کاموں کی نشاندہی کر دی گئی ہے تاکہ انسان مشقت میں پڑے بغیر یہ صدقات ادا کر سکے۔

حدیث میں جوڑوں کی متعین تعداد ۳۶۰ کا ذکر آیا ہے، اطبا اور ماہرین کے لیے یہ ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے، بیسویں صدی کے اوائل تک تو علم الاعضا کے ماہرین کو بھی جسم کے جوڑوں، ان کی اقسام اور تعداد کا کچھ اندازہ نہیں تھا، تشریح بدن کا علم آگے بڑھا تو ہڈیوں کی کثرت اور ان کی متنوع کیفیات کے باعث جوڑوں کی صحیح تعداد تب بھی معلوم نہ ہو سکی۔ اطبا متحرک اور غیر متحرک مگر لچک دار جوڑوں کے درمیان فرق بھی نہ کر سکے۔ بالآخر بعض مسلمان اطبا نے حدیث کے الفاظ پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ ’’سُلامیٰ‘‘ کا لفظ صرف متحرک جوڑوں کے لیے ہی مناسب ہے اور ساکت جوڑوں پر اس کا اطلاق لغوی قیاس کے خلاف ہے۔ اس توضیح کی بنیاد پر انسانی بدن میں متحرک جوڑوں کا نہایت باریک بینی سے حساب لگایا گیا تو وہ الفاظ رسولؐ کے عین مطابق (۳۶۰) تین سو ساٹھ کی تعداد میں نمودار ہوئے،

Marfat.com

اس کی پوری تفصیل ڈاکٹر حامد احمد حامد نے اپنی مشہور تصنیف ''رحلة الایمان فی جسم الانسان'' میں بیان کی ہے۔

(دیکھیے: انٹرنیٹ پر موجود مقالہ: الاعجاز فی حدیث الفاصل، از: ڈاکٹر شریف احمد جلال، اور ڈاکٹر احمد عبدالمنعم العیاط و دیگر محققین)

انسانی بدن کی جو حقیقت صدیوں پہلے زبانِ پیغمبر سے واضح ہو گئی تھی وہ برسہا برس تک وحی سے بے خبر سائنس دانوں سے مخفی رہی اور اب حدیث ہی کی روشنی میں تفصیلات کے ساتھ سامنے آئی ہے۔

Marfat.com

باب سوم

نفسیاتی صحت

اور آداب

Marfat.com

ترتیب

بہیمیت سے تحفظ ۱۳۵
علمِ قیافہ ۱۳۶
پراگندہ خیالی سے اجتناب ۱۳۸
کریہہ مناظر کے اثرات ۱۳۹
بچوں کی نفسیات کا ادراک ۱۴۰
طمع و حرص کا جسمانی نقصان ۱۴۲
خوشبو کی نفسیاتی تاثیر ۱۴۳
خوشبو کے صنفی اثرات ۱۴۴
حسرت و پریشانی کا مداوا ۱۴۶
مراتبِ انفعال کی شناخت ۱۴۸
شک زائل کرنے کا نسخہ ۱۴۹
ماحول اور تربیت کے اثرات ۱۵۰
گندگی کی ہریالی ۱۵۲
نفسیاتِ زن کا ادراک اور نشاندہی ۱۵۳
حسد کے بدنی مفاسد ۱۵۴
غصے کی تباہ کاریاں ۱۵۵
دماغی صحت کی اہمیت ۱۵۶
اشتعال کا علاج ۱۵۸
مادۂ تخلیق کا اثر ۱۵۹
غصے اور آگ کا تعلق ۱۶۰
امید افزائی اور صحت یابی ۱۶۱
عیادت اور شفایابی ۱۶۲
جھوٹ کی شناخت ۱۶۳
دل کو دل سے راہ ہوتی ہے! ۱۶۵
معلومات سے نتائج کا استخراج ۱۶۶
خیال و عمل میں دل کی مرکزیت ۱۶۸

Marfat.com

نفسیاتی صحت اور آداب

بہیمیت سے تحفظ

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: نَهَىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَنْ اَكْلِ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَعَنْ اَكْلِ كُلِّ ذِى مِخْلَبٍ مِنَ الطُّيُوْرِ.

(صحیح بخاری:۵۱۰۴، صحیح مسلم:۳۵۷۳)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے دانتوں سے چیر پھاڑ کرنے والے درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا''۔

بادی النظر میں حدیث ایک فقہی اصول پر مبنی ہے جس کے مطابق رسول اللہؐ نے اُن جانوروں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے جو اپنے کچلی کے نوکیلے دانتوں سے اپنے شکار پر حملہ آور ہوتے ہیں اوراس کے بدن کو ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں، اسی طرح جو پرندے اپنے تیز پنجوں سے شکار کا یہی حشر کرتے ہیں ان دونوں قسم کے حیوانات کا گوشت تناول کرنا شریعت اسلامیہ میں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔اس حدیث سے یہ قانون اخذ کیا گیا ہے کہ جس جانور میں بھی درندگی، حملہ آور ہونے اور چیر پھاڑ کرنے کی عادت پائی جائے گی اس کا یہی حکم ہوگا۔ البتہ اس حکم کی علت اور عقلی توجیہات پر قدیم کتب میں ماسوائے چند اشارات زیادہ تفاصیل نہیں ملتیں، لیکن غذا وخوراک پر عصری تحقیقات نے کچھ ایسے اسرار سے پردہ اٹھایا ہے جن کی روشنی میں حدیث بالا میں مذکوراس ممانعت کی وجوہات کو سمجھنا زیادہ آسان ہوگیا ہے۔

ماہرین نے خوراک کے اثرات جانچنے کے دوران یہ انکشاف کیا ہے کہ جس مزاج اور عادات والے جانور کا گوشت کھایا جائے گا کھانے والے کے اندر بھی فطری طور پر وہی مزاج تشکیل پائے گا اور ویسی ہی عادات کی طرف میلان بڑھے گا جو اُس جانور میں پائی جاتی ہیں

Marfat.com

جس کا گوشت استعمال کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے مذکورہ حدیث پر غور کریں تو اصل علتِ ممانعت درندگی، وحشت اور چیر پھاڑ کرنے کی وہ عادتِ بد ہے، جو کچلی اور نوک دار پنجوں والے جانوروں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کا گوشت کھانے والے انسان میں بھی غیظ وغضب، تشدد و خونریزی اور قہر و دہشت کے میلانات پیدا ہو سکتے ہیں، کرہ ارض کے جن جنگلی خطوں میں ہمہ خوری کا ماحول پایا جاتا ہے وہاں کے باسیوں میں بہت واضح طور پر خونخواری اور سفاکی کے مظاہر بھی پائے جاتے ہیں۔ (الاعجاز العلمی فی الاسلام، محمد کامل عبدالصمد، ۸۳۔۸۶)

تازہ کشفی مطالعوں میں یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ درندوں کے منہ میں باؤلا پن (Rabies) کے جراثیم پائے جاتے ہیں جو ان کا گوشت کھانے کے نتیجے میں انسان کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتے ہیں۔ (طب نبوی از: خالد غزنوی، ۲/۴۸۸) اسی طرح خونخوار پرندوں کے پنجے ہمہ وقت گندگی اور غلاظت سے بھرے رہتے ہیں جس کے اثرات سے ان کا بدن محفوظ نہیں رہتا، چنانچہ ایسے پرندوں کا گوشت بھی کئی امراض کا موجب بن سکتا ہے۔ گویا یہ حدیث حرمت کی معنوی اور حسّی دونوں وجوہات کا احاطہ کرتی ہے۔

علمِ قیافہ (Physiognomi)

عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّهَا قَالَتْ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ دَخَلَ عَلَيَّ مَسْرُوْرًا تَبْرُقُ اَسَارِيْرُ وَجْهِهٖ فَقَالَ اَلَمْ تَرَیْ اَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلَجِي نَظَرَ آنِفًا اِلٰی زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَاُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَعَلَيْهِمَا قَطِيْفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُئُوْسُهُمَا وَبَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ: اِنَّ بَعْضَ هٰذِهِ الْاَقْدَامِ لَمِنْ بَعْضٍ.

(صحیح مسلم: ۳۶۹۰، سنن نسائی: ۵۶۵۸)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ میرے پاس تشریف لائے آپ کا چہرہ مسرت وخوشی سے دمک رہا تھا، آپؐ نے (بے ساختہ) فرمایا: کیا تمہیں پتا ہے کہ مجزز مدلجی نے ابھی ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ کو دیکھا، دونوں میرے پاس چادر

Marfat.com

اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے دونوں نے سر ڈھانپا ہوا تھا اور صرف پاؤں چادر سے باہر تھے، مجزز نے دیکھتے ہی کہا، ان دونوں کے پاؤں دراصل ایک ہی ہیں۔''

حدیث میں بیان شدہ واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ وہی مشہور صحابی ہیں جنہیں رسول اللہؐ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ یہ واحد جلیل القدر صحابی شخصیت ہیں، جن کا اسمِ گرامی اللہ نے قرآن میں لیا ہے۔ انہوں نے ایک حبشی عورت برکتؓ (اُمِ ایمنؓ) سے نکاح کیا تھا، جن سے حضرت اسامہ بن زید کی ولادت عمل میں آئی تھی۔ قدرتِ خداوندی سے حضرت اسامہ کا رنگ اپنی والدہ کی طرح شدید سیاہ تھا، جبکہ اُن کے والد حضرت زید بن حارثہ انتہائی سفید براق رنگ کے مالک تھے۔ رسول اللہ کو ان دونوں باپ بیٹے سے شدید محبت تھی، مگر اہلِ جاہلیت اور مشرکین ان دونوں کی رنگت کے اختلاف کو بنیاد بنا کر حضرت اسامہ کے نسب پر طعن و تشنیع اور اتہام لگایا کرتے تھے، یہ افتراء پردازی اور شکوک آپؐ کے لیے سخت رنج و غم اور اذیت کا باعث تھے (شرح صحیح مسلم، از: امام نووی، ۹/۴۴۶) چنانچہ اس صورتحال میں ایک دن بنی مُدلج سے تعلق رکھنے والے ایک ماہر قیافہ شناس نے دونوں باپ بیٹوں کی شکلیں دیکھے بغیر صرف اُن کے پاؤں دیکھ کر یہ اعلان کیا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، تو فطری طور پر رسول اللہ کو بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ کیونکہ علمِ قیافہ قدیم زمانے سے عربوں میں ایک معروف اور معتبر فن تھا، بنو مُدلج اور بنو اسد اس فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ یہ فن نسبی رشتوں کی تصدیق، خدوخال سے عادات و اطوار کا اندازہ، چوروں اور دشمنوں کے نشاناتِ قدم کا تعاقب اور پہچان، نیز نبض شناسی کی اعلیٰ مہارتوں پر مشتمل ہے، اس علم کو فراست کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

آجکل اگرچہ اس فن کی کچھ قدیم مہارتیں ناپید ہوتی جارہی ہیں، تاہم اس کی چندنئی اشکال روبہ ترقی ہیں جن میں دست شناسی (Palmistry) اور ہڈیوں کی ساخت کا علم ہے۔ اس کے ماہرین ٹوٹی ہوئی ہڈیوں اور نکلے ہوئے جوڑوں کو بغیر کسی عکسی تصویر کے اپنی جگہ پر بٹھا دیتے ہیں۔ بڑی حد تک حجامہ اور بدن میں زہر آلود خون کے مقامات کا علم، اسی طرح ایکوپریشر اور ایکوپنکچر کے فن میں بھی علمِ قیافہ کا بڑا دخل ہے۔ اس علم سے خوابوں کی تعبیرات

Marfat.com

میں بھی بہت مدد ملتی ہے۔

المختصر یہ حدیث مبارکہ قیافہ شناسی کی علمی حیثیت کو واضح کرتی ہے، حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کے نسبی رشتے کی گواہی سے اس بارے میں بہتان طرازی کے خاتمے پر آپؐ کی مسرت وخوشی اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ زندگی کے معاملات میں یہ فن اور اس کے استدلالات قابل اعتبار ہیں۔

پراگندہ خیالی سے اجتناب

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَايُبْلِغُنِی اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِی فَاِنَّا اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ.

(سنن ابوداؤد: ۴۸۶۰)

''حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: تم میں کوئی مجھے میرے کسی دوسرے صحابی کے بارے میں کوئی بات نہ پہنچائے، میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تمہارے سامنے آؤں تو میری دلی کیفیت درست ہو''۔

جس طرح ذہنی آسودگی اور دلی اطمینان زندگی کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں، اسی طرح خلجان وسوسے اور شکوک وشبہات لذتِ حیات کو مکدّر کر دینے والے عذاب سے کم نہیں۔ حدیث میں اس نکتے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ بہتر عملی کارکردگی اور خوشگوار معاشرت کے لیے دل ودماغ کا ان نفسیاتی عوارض سے پاک صاف ہونا بہت ضروری ہے، ورنہ بڑی سے بڑی شخصیات بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

علم النفس کی رو سے آج ذہن ودماغ پر طاری ہونے والی مختلف منفی کیفیات کو باقاعدہ امراض تسلیم کرلیا گیا ہے اور ان کے علاج پر مسلسل تحقیقات جاری ہیں۔ آنحضرتؐ سے منقول یہ انتباہ قابل توجہ ہے۔ نفسیاتی صحت کے متنوع پہلوؤں پر مشتمل چند مزید احادیث بھی ان شاءاللہ زیرمطالعہ کتاب کا حصہ ہوں گی۔

Marfat.com

کریہہ مناظر کے اثرات

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: لَاتُدِیْمُوْا النَّظَرَ اِلٰی الْمَجْذُوْمِیْنَ. (سنن ابن ماجہ:۳۵۴۵،الادب لابن ابی شیبۃ:۱۷۹)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: فِرَّمِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَکَ مِنَ الْاَسَدِ.

(صحیح بخاری:۵۷۰۷)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: کوڑھ کے مریضوں کی طرف مسلسل مت دیکھو''۔

''حضرت ابوہریرہؓ سے مروی قول میں فرمایا: مجذوم (کوڑھی) سے اس طرح بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو''۔

جذام یا کوڑھ کے مرض میں بیمار انسان کی جلد نہایت کھردری، بدرنگ اور بعض حالات میں خوفناک ہو جاتی ہے۔ایسی صورت میں ان کی طرف نہ دیکھنے کا حکم اس لیے نہیں کہ اُن سے ہمدردی دلجوئی اور اُن کی تیمارداری نہ کی جائے، بلکہ درحقیقت اس میں ایک نفسیاتی اصلاح کا پہلو اس لحاظ سے موجود ہے کہ متواتر اُن کی حالت زار کو دیکھنے سے کہیں تمہارے اندر ان کے لیے حقارت و نفرت اور اپنے لیے تکبر و غرور پیدا نہ ہو جائے۔

(فیض القدیر،ج۶/۳۹۳،شرح السندی علی ابن ماجہ۲/۳۶۴)

اسی طرح دوسری حدیث میں مجذوم سے فرار اختیار کرنے کا حکم اُس کی خدمت و عیادت سے پیچھے ہٹ جانے کے لیے نہیں بلکہ مسلسل اس کے سامنے رہنے سے صحت مندی کے لیے اس کی حرص و تمنا میں جو شدت آئے گی وہ خود اس کے لیے ذہنی طور پر ایک اذیت سے کم نہ ہوگی، اس کوفت سے مریض کو بچانے کے لیے صحت مند انسانوں کو بہت زیادہ اس کے آس پاس نہیں جانا چاہیے۔(فتح الباری:۱۰/۱۶۰)

ایک تیسرا پہلو بھی بہت زیادہ خلاف قیاس نہیں اور وہ بھی ذہنی و نفسیاتی صحت مندی کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ جس طرح حسین و جمیل مناظر فرحت قلب میں اضافہ اور جذبات و توانائی میں تازگی کا باعث ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح کریہہ اور ناگوار نظارے کا تسلسل دل

Marfat.com

میں ایک طرح کی مردنی پیدا کرتا ہے، زندگی کی سرگرمیوں سے طبیعت اُچاٹ ہو جاتی ہے اور انسان مایوس و ناکارہ بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کیفیت بھی کوئی مرغوب نہیں جس طرح شرعِ اسلام میں پہلی دونوں حالتیں پسندیدہ نہیں ہیں۔ مومن کو نفسیاتی طور پر آسودہ اور ذہنی و جسمانی طور پر صحت مند دیکھنا شریعت کا منشاء ہے۔

حالیہ خوردبینی تحقیقات سے سائنس دانوں کو یہ پتا چلا ہے کہ جذام Leprosy کے جراثیم کی شکل بالکل شیر ببر کے مشابہ ہوتی ہے۔ اب یہ کوئی اتفاق ہے یا کلامِ نبوی کا اعجاز کہ رسول اللہؐ نے بھی اپنی نصیحت میں شیر ہی کے ساتھ تشبیہ کا قرینہ استعمال فرمایا ہے، جس کا ذکر اوپر دوسری حدیث میں گزر چکا ہے۔ (اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، از: ڈاکٹر قدرت اللہ)

یہ جرثومہ ڈاکٹر ہینس نے ۱۹۷۴ء میں دریافت کیا تھا۔

بچوں کی نفسیات کا ادراک

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَیْنَهُمْ فِی الْمَضَاجِعِ. (سنن ابوداود: ۴۹۵، سنن الدار قطنی: ۸۸۷)

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا کے ذریعے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر انہیں مارو اور اس عمر میں اُن کے بستر جُدا جُدا کر دو''۔

تربیتِ اولاد اور رہنمائی اطفال کے نہایت خوبصورت اصول اس حدیثِ مبارکہ میں بیان کیے گئے ہیں، جن میں بچوں کی عمر، استعداد اور جسمانی قوتِ برداشت کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی نوعمر بچوں کی دماغی اور نفسیاتی صحت پر خاص توجہ دی گئی ہے، اس ضمن میں حدیث کا آخری جملہ قابلِ غور ہے جس میں دس سال کی عمر میں بچوں کے بستر علیحدہ کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم زمانے کے اعتبار سے بہت بروقت ہے اور عملاً اس میں بہت

Marfat.com

سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ علمائے نفسیات نے بہت بعد میں اس عمر کی نزاکتوں، مسائل اور خصوصیات پر تحقیق کی ہے، جبکہ نبی کریمؐ نے مروجہ علم النفس کی تشکیل سے قبل ہی اس کی منفرد اہمیت واضح فرمادی ہے۔ دس سال میں عمر کا وہ مرحلہ شروع ہوتا ہے جس میں صنفی اعتبار سے کئی بدنی تغیرات ظاہر ہوتے ہیں جن سے انسان پہلے آشنا نہیں ہوتا۔ بلوغت کے قریب پہنچ کر جو داعیہ سب سے زیادہ طاقتور محسوس ہوتا ہے وہ صنفی کشش کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس موقع پر بے جا اختلاط بہت ساری نفسیاتی اور بدنی آزمائشوں کو جنم دیتا ہے جن کے اثرات ساری عمر کا روگ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے اس عمر کے بچوں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے بستر جدا کرنے کا حکم دیا ہے، یہ حکم محض جنسِ مخالف سے علیحدگی تک محدود نہیں بلکہ دو لڑکوں کے درمیان جدائی اور اسی طرح دو لڑکیوں کے درمیان بستر کی علیحدگی بھی اس حکم کی وسعت میں شامل ہے۔ گویا حدیثِ مبارکہ میں بچوں کو قبل از وقت جنسی تحریک سے بچانے کی تدبیر بتائی گئی ہے کیونکہ ناپختہ جنسی ہیجان اُن کے لیے سخت مضر ہوسکتا ہے۔

(الحدیث النبوی وعلم النفس، ص ۲۶۱۔۲۶۲)

زیرِ نظر حدیثِ نبوی کے ابتدائی جملوں میں ذہنی و دماغی نمو کے دورانیے اور اس کے تقاضوں پر بہت جامع توجہ دلائی گئی ہے۔ بچوں کی نفسیات کے ماہرین اس مرحلۂ نمو کو نوخیز درخت سے مشابہ قرار دیتے ہیں جس طرح اس درخت کی شاخوں اور ٹہنیوں کو ابتدائی زمانے میں کوئی بھی رُخ اور سمت دینا آسان ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح بچوں میں اخلاق و عادات اور تہذیب آداب سیکھنے کی یہی عمر موزوں ترین ہوتی ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں نماز کی عادت ڈالنا پوری اخلاقیات کی تعلیم کے مترادف ہے۔ حدیث میں بچوں کی تربیت کے ضمن میں جسمانی سزا کا بھی ذکر ہے، اس کی افادیت سے ایک زمانے تک علمائے نفس اختلاف کرتے رہے، تاہم اندازہ ہوتا ہے کہ اب دوبارہ اس کی طرف رجوع کا دَور شروع ہوگیا ہے حالانکہ محققین بہت زمانے سے اعتدال اور حکمت کے ساتھ جسمانی تعذیب کے قائل رہے ہیں۔

(دیکھیے: کتاب السیاسۃ از ابن سینا، ص ۱۲۔۱۳، نیز معالم التحلیل النفسی ترجمہ: از عثمان نجاتی، ص ۵۵۔۶۲)

Marfat.com

طمع وحرص کا جسمانی نقصان

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ اَعْلٰی مِنْکُمْ فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ. (صحیح بخاری:۶۴۹۰، صحیح مسلم:۲۹۶۳)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اپنے سے کم تر کی جانب دیکھو اور اپنے سے اعلیٰ اور برتر کی طرف مت دیکھو، اس طرح تم اللہ کی نعمتوں کو کبھی حقیر نہیں سمجھو گے''۔

اصولِ اسلام میں صحتِ عقل اور صحتِ بدن دونوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ حدیث جس رہنمائی پر مشتمل ہے اُس میں بنیادی نکتہ بھی یہی ہے، بظاہر یہ ذہن کو قناعت اور صبر پر آمادہ کرنے کی ایک نصیحت ہے، تاکہ انسان احساسِ کمتری کا شکار ہو کر مایوسی اور ناامیدی کے بھنور میں نہ پھنس جائے اور میسر نعمتوں کی بے قدری بھی نہ کرے، اس کیفیت سے دوچار انسان کی ذہنی توانائیاں کمزور ہو جاتی ہیں اور وہ نفسیاتی بیمار بن جاتا ہے، نتیجتاً جسمانی صلاحیت بھی مضمحل ہو کر بالآخر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کے باعث اچھا بھلا انسان بھی عضو معطل بن کر رہ جاتا ہے، یہ بات مقاصدِ شریعت کے بالکل خلاف ہے، اسی بنا پر آنحضرتؐ نے ایک ایسی سدابہار نصیحت فرمائی ہے جس پر عمل کرنے سے انسان روح وبدن دونوں کے لحاظ سے صحت مند زندگی گزار سکتا ہے۔

انسانی بدن پر انفعالی کیفیتوں کے کیمیاوی اثرات کی تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہمیشہ نفیس واعلیٰ اشیا پر نظریں جمائے رکھنے سے طبیعت میں حرص اور ناتمام آرزوؤں کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، ان احساسات کے باعث بتدریج جسم کا غدودی نظام بے ترتیب ہو جاتا ہے اور کچھ ایسی تیز رطوبتیں خارج ہوتی ہیں جن سے اعصاب اور دل کی شریانوں کو بُری طرح نقصان پہنچتا ہے۔ ذہن کی تازگی اور چہرے کی رعنائی ماند پڑ جاتی ہے۔ (حدیث نبوی اور علم النفس، از: عثمان نجاتی، ص ۱۴۴)، ریسرچ کے ان تازہ نتائج کو دیکھ کر علمِ وحی کی افادیت اور فوقیت پر ایمان مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ نہیں معلوم کہ ارشاداتِ نبویہ کے کتنے گوشے ایسے

Marfat.com

باقی ہیں جن پر سائنسی تحقیق سے انسانیت نئے فوائد سے روشناس ہو سکتی ہے۔

خوشبو کی نفسیاتی تاثیر

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: أَطْیَبُ الطِّیْبِ الْمِسْکُ۔ (صحیح مسلم: ۶۰۱۹، المنتقی از: ابن جارود۔ ۸۷۷)

''حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: سب سے پیاری خوشبو کستوری ہے''۔

باذوق انسانوں میں خوشبو کی پسندیدگی ایک مسلمہ حقیقت ہے، لیکن کیا خوشبو کا کردار اتنا ہی ہے کہ وہ مشامِ جاں کو معطر اور ماحول کو عطر بیز بناتی ہے؟ یا اس سے آگے بھی خوشبو کا اثر و نفوذ ہو سکتا ہے، اس بارے میں زمانہ ماضی کے اہل علم بعض تجربات سے ضرور واقف تھے، البتہ موجودہ تحقیقی دور میں خوشبو کے اثرات کو بہت باریک بینی سے جانچنے کی کوشش کی گئی ہے اور روح و بدن پر اس کی اثر پذیری آج باقاعدہ ایک سائنسی شعبے کی شکل اختیار کر چکی ہے اور علم النفس کے معالجات سمیت کئی بدنی عوارض میں بھی اس شعبے کی ریسرچ سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ علما آج مختلف خوشبوؤں کے الگ الگ اثرات اور اُن کی تاثیراتی تقسیم یا گروہ بندی کر رہے ہیں۔ جبکہ حدیث بالا کی عبارت بہت پہلے سے اس جانب اشارہ کر رہی ہے۔ حدیث میں جو ''اطیب'' کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ محض پاکیزگی اور نفاست پر ہی دلالت نہیں کرتا، بلکہ اس کی معنویت میں فرحت و تازگی اور سرور و نشاط کے ساتھ قوت و توانائی کا مفہوم بھی داخل ہے۔ آپؐ نے کستوری کو گویا تمام پاکیزہ و دل پذیر صفات کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ جدید کیمیاوی اور طبی تحقیق کے مطابق مُشک، گہری، عمیق اور گراں بار تاثیر کی حامل خوشبو ہے۔ اپنی مدہم خاصیت کی بنا پر اسے باوقار سنجیدہ اور گہراؤ والی طبیعت کے لوگ پسند کرتے ہیں، یہ فرحت بخش، روح افزا اور اعصاب کو تحریک دیتی ہے، دل و دماغ کو قوت فراہم کرتی ہے۔ کستوری نظامِ تنفس کے ذریعے دماغ کے اندر مرکز شامہ کو بھی تحریک دینے کا باعث ہوتی ہے، پھر یہ متحرک بدن کے دیگر نظاموں کو بھی فعال کر دیتا ہے۔ (کتاب المفردات: ۴۵۹)

Marfat.com

خوشبو کے صنفی اثرات

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِؓ: اَنَّ النَّبِيَّ اللّٰهِ قَالَ: اِنَّ خَيْرَ طِيْبِ الرَّجُلِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَخَيْرُ طِيْبِ النِّسَاءِ مَاظَهَرَلَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيْحُهُ.

(سنن ترمذی:۲۷۸۸، سنن ابوداؤد:۴۰۵۰)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْعِشَاءَ فَلَا تَمَسَّ طِيْباً. (الاحکام الشرعیۃ از: عبدالحق شبلی، ج ۲/۴۵)

وَقَالَ: اَيُّمَا امْرَأَةٍ اَصَابَتْ بُخُوراً فَلَا تَشْهَدُ مَعَنَا الْعِشَاءَ (صحیح مسلم:۱۰۲۶)

''حضرت عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبیؐ نے فرمایا: مردوں کی بہترین خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر نہ ہو، مگر خوشبو نمایاں ہو اور عورتوں کے لیے وہ خوشبو بہترین ہے جس کا رنگ کھلا ہوا ہو، مگر خوشبو نہ پھیلے''۔

''حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے (عورتوں کو) ہدایت فرمائی: اگر تم میں سے کوئی نماز عشاء میں حاضر ہونا چاہے تو وہ خوشبو لگا کر نہ آئے''۔

نیز آپؐ نے فرمایا: ''جس عورت نے (عود وصندل وغیرہ) کی دھونی لی ہو، وہ ہمارے ساتھ نمازِ عشاء میں حاضر نہ ہو''۔

درج بالا احادیث میں مرد و زن کے لیے خوشبوؤں کا امتیاز قابل توجہ امر ہے۔ یہ امر جن نفسیاتی وجوہ کی بنا پر ملحوظ رکھا گیا ہے دوسری اور تیسری حدیث میں ان کی قدرے وضاحت ہوگئی ہے۔ یہ احادیث بہت دلچسپ پیرائے میں مرد و زن کے لطیف ذہنی رجحانات باہمی کشش اور ایک دوسرے کی جانب میلان کے ذرائع واسباب کی عکاسی کرتی ہیں۔ حدیث میں جن پوشیدہ جذبوں کی پیغام رسانی کو بنیاد بنا کر بعض ہدایات جاری کی گئی ہیں انہیں آج کیمیا گری کی سائنس اور خوشبوؤں کی صنعت نے نہ صرف اپنی تحقیق سے درست ثابت کر دیا ہے بلکہ اپنی مصنوعات کے فروغ اور تشہیر میں اسے ایک اساس کے طور پر اختیار کر لیا ہے۔

Marfat.com

اصل چیز جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خوشبو بذاتِ خود ایک پیغام ہوتی ہے، اس میں انفعالی تاثیر پائی جاتی ہے۔ لہٰذا عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تیز خوشبوؤں کے استعمال سے گریز کریں، کیونکہ صنف لطیف کی جانب سے بکھرنے والی خوشبوئیں صنف مخالف میں انگیخت پیدا کریں گی جو اُن کے لیے باعث فتنہ و امتحان تو ہوگا ہی مگر اس کے ساتھ وہ انہیں ایک اندرونی کشاکش میں بھی مبتلا کر دیں گی، جبکہ مردوں کی طرف سے خوشبو اس قدر مؤثر نہیں ہوتی، اسی لیے انہیں پھیلنے والی خوشبو لگانے سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں رنگ دار عطر وغیرہ سے روکا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی نمایاں رنگینی مردانہ وجاہت اور وقار کے منافی ہوتی ہے۔ (شرح سنن ابوداؤد، از عبدالمحسن العباد، حدیث نمبر۔ ۴۰۵۰)

خوشبو میں پیغامبری کی صلاحیت کی جانب اشارہ تو حدیث کے الفاظ میں بہت واضح ہے، مگر اس کے لیے بطور وسیلہ عورت کا استعمال کیا قیامت ڈھا سکتا ہے، آج کے مخلوط معاشرے اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے یہ خطرناک پہلو بھی بیان فرمایا ہے:

''حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: وہ عورت جو خوشبوؤں میں بس کر مردوں کے درمیان اس غرض سے آئے کہ لوگ اس کی خوشبو سے محظوظ ہوں وہ زنا کے جذبات ابھارنے والی ہے''۔ (سنن نسائی: ۵۱۲۶)

اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ تیز خوشبوؤں کا استعمال دراصل اپنی جانب متوجہ کرنے کی ایک کوشش بھی ہوسکتی ہے۔ یہ جذبہ عام طور پر نیک نہاد اور پاکباز عورتوں میں نہیں ہوتا، بلکہ آوارہ مزاج اور یار باش عورتیں ہی اس عادت کی حامل ہوتی ہیں اور اپنی شوخیٔ مزاج کے باعث تیز خوشبوئیں پسند کرتی ہیں۔

دن اور رات کے اوقات، موسم، عمر اور جنس کے لحاظ سے کون سی خوشبو مؤثر اور باعث کشش ہوگی اس پر خوشبو ساز اداروں نے خاصی تحقیق کر لی ہے اور وہ اپنے گاہکوں کو پھانسنے کے لیے اس کا بھرپور استعمال کر رہے ہیں، اس سے دولت تو خوب حاصل ہو رہی ہے مگر معاشرے اُن عواقب میں مبتلا ہو رہے ہیں جن کی طرف اوپر احادیث میں اشارہ فرما دیا گیا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: Sniffing out human sexual chemistry، ہارورڈ ریسرچ جرنل، ج ۶۔ ۱۹۹۴ء)

Marfat.com

حسرت و پریشانی کا مداوا(Tension & Frustration)

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَانَ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ. (صحیح بخاری:۲۸۹۳، الدعوات الکبیر، از: امام بیہقی۔۱۷۹)

وَرَأیٰ اَبَا اُمَامَۃَ مَھْمُوْماً فِی الْمَسْجِدِ فَعَلَّمَہُ ھٰذِہِ الْکَلِمَاتُ.

(سنن ابوداؤد:۱۵۵۵)

''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کثرت سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے مستقبل کے خوف اور ماضی کی محرومی پر افسوس سے پناہ مانگتا ہوں، اے رب کریم میں ناتوانی اور کسل مندی سے عافیت چاہتا ہوں۔ اور اے رب العزت میں تیرے ذریعے بزدلی اور بخل سے پناہ کا طالب ہوں''۔

''ایک بار آپ نے حضرت ابوامامہ کو مسجد میں غمزدہ حالت میں دیکھا تو انہیں بھی یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی۔''

انسان روح و بدن کا مجموعہ ہے، دونوں کی آسودگی اور صحت اُس کے لیے ضروری ہے، روح کی پژمردگی سے بھی بدن کئی عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس طرح بدن کی تکالیف روح کو پراگندہ کرتی ہیں۔ حدیثِ بالا میں جن ذہنی اور روحانی مصائب سے پناہ مانگی گئی ہے شاید قدیم معاشرے اُن کی تباہ کاری کا پورا ادراک نہ رکھتے ہوں، مگر آج تمام علوم کی سائنسی پیش رفت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پریشانی و حسرت، خوف و مایوسی اور ذہنی کھنچاؤ کی کیفیت انسان کو اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ چنانچہ احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ نہ صرف خود اپنے رب سے اس نفسیاتی عارضے سے پناہ مانگتے تھے بلکہ اپنے صحابہ کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ قابل غور بات ہے کہ حدیثِ بالا میں جس ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ تجربے کے بالکل موافق ہے، یہ امراض اور کمزوریاں اسی ترتیب سے پیدا ہوتی ہیں۔ پہلے محرومی و ناکامی پر کفِ افسوس ملنے کا مرحلہ آتا ہے، ساتھ ہی آنے والے دنوں کے بارے میں ایک موہوم سا خوف دل میں بیٹھ جاتا ہے، یہ کیفیت جاری رہتی ہے تو طبیعت میں

Marfat.com

نقاہت اور بدن میں سستی کا حملہ ہو جاتا ہے اور پھر یہ کمزوری بزدلی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

مشہور امریکی اخبار ایوننگ پوسٹ نے درازیٔ عمر اور آسودہ ذہنی و بدنی حالت کا راز معلوم کرنے کے لیے ۴۰ طویل ترین عمر والے افراد کا کھوج لگا کر نتائج جاننے کی کوشش کی۔ چورانوے فیصد افراد نے اقرار کیا کہ وہ کبھی بھی حسد و لالچ اور حرص و بخل جیسے منفی رجحانات میں مبتلا نہیں ہوئے اور ان کا ضمیر ہمیشہ پاک صاف رہا۔ چنانچہ امریکی اطباء نے حسد و لالچ اور حسرت نومیدی کو اُن نفسیاتی عوارض میں شمار کیا ہے جو کوئی قسم کی بدنی تکالیف اور بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ (سنڈے ایکسپریس، یکم ستمبر ۲۰۱۳، ص ۱۶، اسپیشل رپورٹ)

کہا جاتا ہے کہ ٹینشن آج دنیا کا سب سے بڑا مرض ہے جس کی وجہ سے لوگ بتدریج دوسرے امراض میں مبتلا ہو رہے ہیں، لیکن انہیں اس کا شعور حاصل نہیں۔ اللہ پر بھروسہ، توکل اور اعتماد، قناعت اور کفایت کا جذبہ اس کا بہترین علاج ہے۔ انہی ذرائع علاج کی طرف احادیث مبارکہ میں رہنمائی دی گئی ہے۔ وقتی تسکین پہنچانے اور دماغ کو مخمور کر دینے والی ادویات سے ان رجحانات کا علاج ممکن نہیں۔

خوف و غم اور حزن و تاسف بسا اوقات جان لیوا ثابت ہوتے ہیں، اگر یہ کیفیات حملہ آور نہ ہوں تو زندگی کا پہیہ چلتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بعض معتبر مؤرخین نے یوں نقل کیا ہے:

ایک بار چند مسافر ایک سرائے میں قیام پذیر ہوئے اور گہری نیند سو گئے۔ ایک شخص بغرض نگہبانی جاگتا رہا، اُس نے دیکھا کہ ایک سانپ نے ایک سوئے ہوئے مسافر کو ڈس لیا ہے، اندھیرے میں سانپ غائب ہو گیا اور مسافر بدستور سوتا رہا، صبح سب بیدار ہو کر سفر پر روانہ ہو گئے۔ سانپ گزیدہ شخص بھی بلا کسی تکلیف کا اظہار کیے ہمراہ چلتا رہا، جس نے رات کو سانپ کے ڈسنے کا منظر دیکھا تھا وہ سخت حیرت میں ڈوبا رہا۔ بالآخر اُس سے نہ رہا گیا اور اس نے امیرِ سفر کو یہ روداد سنا دی۔ اتفاقاً مار گزیدہ شخص نے اُس کی بات سُن لی اور سنتے ہی مارے خوف و غم کے اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ شخص زمین پر گر گیا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ (طبقات الاطباء، ج ۲/۲۲۱)

Marfat.com

بلاشبہ خالقِ کائنات کی پناہ میں آنے سے انسانی روح میں ایسی قوت سرایت کر جاتی ہے، جو حسرت و ملال اور غم واندوہ کے اثراتِ بد سے مومن کو محفوظ رکھتی ہے۔

مراتبِ انفعال کی شناخت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ: یَکُوْنُ الرَّجُلُ سَرِیْعُ الْغَضَبِ سَرِیْعُ الْفَیْئَۃِ وَیَکُوْنُ بَطِیُّ الْغَضَبِ بَطِیُّ الْفَیْئَۃِ وَخَیْرُھُمْ بَطِیُّ الْغَضَبِ سَرِیْعُ الْفَیْئَۃِ وَشَرُّھُمْ سَرِیْعُ الْغَضَبِ بَطِیُّ الْفَیْئَۃِ. (مصنف عبدالرزاق، ۲۰۷۲۰)

''حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کوئی آدمی غصے کا بہت تیز ہوتا ہے، مگر اُس کا غصہ جلد ہی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور کسی کا غصہ بہت سست ہوتا ہے، مگر اترتا بھی اتنی ہی دیر سے ہے۔ سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کو دیر سے غصہ آئے اور جلدی اتر جائے اور سب سے بُرا انسان وہ ہے جسے تیزی سے غصہ آئے اور جانے میں بہت دیر لگائے''۔

غصے کا جذبہ اگرچہ قدرت کا ودیعت کردہ ہے، تاہم اس کا شمار اُن جذبات میں ہوتا ہے جن سے انسانی طبیعت وقتی طور پر مسخ ہو جاتی ہے، اسی لیے شرائع دینیہ میں غصے کو مستحسن خیال نہیں کیا گیا بلکہ غصے کو پی جانے، کنٹرول کرنے اور مختلف تدابیر سے اسے ختم کرنے کی ہدایت کی گئی، جس کا تذکرہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ یہ حدیث انفعالی حالتوں میں سب سے اہم اور شدید کیفیت غصے کے اعتبار سے انسانوں کے مراتب اور تقسیم پر گفتگو کرتی ہے۔ یہ بہت دلچسپ درجات ہیں جن کا اوپر حدیث میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کو انسانی طبائع، جذبات اور تاثرات کی زبردست شناخت حاصل تھی۔ جن کیفیات کو آپؐ نے بہت سادہ الفاظ میں بیان فرما دیا ہے وہ علم النفس کے ماہرین نے بڑی تگ و دو اور تجربات کے بعد دریافت کی ہیں، آپؐ کے کلام کی فوقیت یہ ہے کہ آپ نے صرف مراتب متعین نہیں فرمائے، بلکہ ان میں اچھی اور بری حالتوں کا فیصلہ بھی فرما دیا ہے، یہ اس بات کی

Marfat.com

دلیل ہے کہ سائنس علم اخلاق کے تابع رہے تب ہی وہ انسانی فلاح کی ضامن ہوسکتی ہے ورنہ خود سائنس اخلاقی طور پر خیر وشر کا تعین نہیں کرسکتی۔

شک (Doubt) زائل کرنے کا نسخہ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدرِیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ اِذَا شَکَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِہٖ فَلَمْ یَدْرِ کَمْ صَلّٰی فَلْیَطْرَحِ الشَّکَّ وَلْیَبْنِ عَلَی الْیَقِیْنِ ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ فَاِنْ کَانَ صَلّٰی خَمْساً کَانَتَا شَفْعاً لِصَلَاتِہٖ وَاِنْ کَانَ صَلّٰی تَمَامَ الْاَرْبَعِ کَانَتَا تَرْغِیْماً لِلشَّیْطَانِ.

(صحیح بخاری:۳:۱۱۵۳، دار قطنی:۱۳۹۸)

''حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں یہ شک پڑ جائے کہ اُس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو اُسے چاہیے کہ وہ شک کو ترک کر کے یقین پر اپنی نماز کی بنیاد رکھے اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے، اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھ لی تھیں تو یہ دو سجدے (ایک رکعت بن کر) اس کی نماز کو جفت رکعات والی بنا دیں گی، اور اگر اُس نے پوری چار رکعتیں ہی پڑھی ہیں تو یہ دو سجدے وسوسہ شیطانی کو رفع کرنے کا کام دیں گے''۔

انسانی زندگی میں صحت مند دماغی حالت کی اہمیت اظہر من الشّمس ہے، درست ذہنی کیفیت کے بغیر کسی بھی سرگرمی کو ثمر بار اور نفع بخش نہیں بنایا جاسکتا شک لاحق ہونے کا عارضہ اگرچہ فطری امر ہے لیکن اصل کمال اس کیفیت کو زائل کرنا ہے، جو لوگ شکوک وشبہات کو رفع کرنے کا گُر جانتے ہیں ان کی کارکردگی متاثر نہیں ہوتی بلکہ وہ دوسروں کی رہنمائی کا بھی ذریعہ بنتے ہیں۔ یقین کی تلاش اور اس پر قائم ہونے کی افادیت ہر ذی عقل کو معلوم ہے۔ تمام فلاسفہ ہمیشہ یقین کی تلاش میں سرگرداں رہے، خود سائنس کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ ساری تحقیقات اور سرگردانی کا ماحصل یقین تک کا سفر ہے۔ آج کے متمدن اور علوم وفنون کے

Marfat.com

زمانے میں، انسانی تربیت، صلاحیتوں کے فروغ، توانائی اور ذہنی قوتوں سے ٹھیک استفادہ، وقت کا درست استعمال اور نتیجہ خیز سرگرمی کا ہونا بہت اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ مگران امور کی کامیابی کے لیے متوازن ذہنی صحت ناگزیر ہے جو شک کی گرد سے اَٹی ہوئی نہ ہو بلکہ یقین پر استوار ہو۔ شاہراہِ حیات پر کامیابی کے ہدف تک پہنچانے کے لیے آج لاتعداد ادارے اور افراد مینجمنٹ کے اصول سکھانے کی سعی کر رہے ہیں، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول واضح کیا ہے اس کی زندگی میں کتنی اہمیت ہے۔ زیرِ نظر حدیث میں یہ اصول سب سے اونچے درجے کی عبادت نماز کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مدعا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز جیسی اہم عبادت شک کی پرچھائیوں سے آزاد نہ ہو سکی تو زندگی کے دیگر معاملات کا اللہ ہی حافظ ہے۔ البتہ ایک اور حدیث میں آپؐ نے یہ رہنمائی ایک عمومی اصول کے طور پر بھی واضح فرمائی ہے۔ حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ضابطہ یاد کیا ہے: دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ. ”جو چیز تمہیں شک میں مبتلا کرے اُسے چھوڑ دو اور یقین فراہم کرنے والی حالت کی طرف بڑھو“۔

(سنن ترمذی: ۲۵۲۰، صحیح ابن حبان: ۵۱۲)

علم النفس کے اعتبار سے شک ایک مرض ہے اور وہم و بے چینی جیسے امراض کو جنم دیتا ہے، اس سلسلے میں اگر نبوی نسخوں پر عمل کیا جائے تو زندگی کا سفر ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ یہ احادیث وقت کے ضیاع سے بچنے اور بروقت قوت فیصلہ کو استعمال کرنے کی اہمیت بھی واضح کرتی ہیں۔ کیونکہ تردد اور بے یقینی کے ماحول میں انسان فوری فیصلہ نہیں کر سکتا، چنانچہ کئی امور ادھورے پڑے رہ جاتے ہیں اور گیا وقت پھر سے ہاتھ نہیں آتا۔

ماحول اور تربیت کے اثرات

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْیُنَصِّرَانِهٖ اَوْیُمَجِّسَانِهٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَاءَ. (صحیح بخاری: ۱۳۵۸، صحیح مسلم: ۲۶۵۹)

Marfat.com

''حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا: ہر نومولود اپنی فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں بالکل جیسے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم (پیدائشی طور پر) کسی کو کان یا ناک کٹا دیکھتے ہو؟''

حدیث میں والدین اور مذاہب کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ بچے کو کسی نہ کسی مخصوص مذہب کی ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور ماں باپ سے ہی ملتی ہے۔ اصولی طور پر حدیث ماحول اور صحبت و دوستی کے اثرات کی سائنس پر گفتگو کرتی ہے، یہ شعبہ آجکل باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ کردار سازی اور انسانی صلاحیتوں کی ترقی و ترویج کے نصابات میں ایسی تربیت اور ماحول کی فراہمی بہت اہمیت رکھتی ہے جو مطلوب اہداف کے مطابق انسان تیار کر سکے، تمام پیشہ ورانہ شعبوں کی ٹریننگ میں زیرِ تربیت افراد کو ایسے ماحول سے گزارا جاتا ہے جو ان میں متعلقہ شعبے کے آداب، طور طریقے اور سلیقہ پیدا کر سکے۔ تعلیم، صحت، بینکنگ، عسکری ادارے، فلم سازی و تمثیل نگاری، مختلف انجمنوں اور خفیہ ایجنسیوں کے تربیتی نصاب میں اپنے مخصوص ماحول کی فراہمی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ افراد سازی کے اس متنوع امکان کا تذکرہ حدیث کے دوسرے جملے میں کر دیا گیا ہے جس میں بچے کو اپنی فطرت کے باوجود یہودی مجوسی یا عیسائی بنانے کی بات کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے پہلے جملے کا مفہوم بھی متعین ہو جاتا ہے اگرچہ علما اور محدثین کی رائے میں فطرت سے مقصود اسلام اور توحید کے لیے آمادگی اور تیاری ہے۔

(شرح صحیح مسلم، از: امام نووی ۱۶/ ۲۰۸۔ جامع العلوم والحکم، از: امام ابن رجب ۲/ ۳۹)

فی الجملہ حدیث پاک انسانی طبائع اور نفسیات کے اندر پائی جانے والی فطری لچک "Flexibility" اور ماحول کے مطابق ڈھل جانے کی صلاحیت کو واضح کر رہی ہے۔ اسی دریافت کی بنیاد پر آج دنیا میں خیر و شر کے شعبے آباد ہیں اور دونوں طرف کی قوتیں اپنے اپنے ڈھب کے مطابق افراد تیار کر رہی ہیں۔ البتہ اسی فطرتِ سلیمہ کو کام میں لاتے ہوئے خود انسان کو بھی سوچنا چاہیے کہ وہ دنیا میں خیر کا کارکن بن کر جیے گا یا شر کا کارندہ بنے گا۔

Marfat.com

حدیث میں اس جانب واضح تنبیہ موجود ہے کہ فطرتِ سلیمہ سے منحرف ہو کر تربیت کرنا انسان کو عیب دار بنانا ہے۔ جس طرح جانور کے صحیح الخلقت بچے کو ناک کان کاٹ کر معیوب بنا دیا جاتا ہے۔ کاش انسانی تربیت کے ادارے اس حقیقت کو جان سکیں۔ ماحول کی خرابی حسین وجمیل چیز کو کس طرح ناکارہ بنا دیتی ہے اور اس کے اثرات کتنے دیرپا ہو جاتے ہیں آگے آنے والی ایک اور دلچسپ حدیث مبارک اس پہلو کو خوب واضح کر رہی ہے۔

گندگی کی ہریالی

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنْ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا خَضْرَاءُ الدِّمَنْ قَالَ: اَلْمَرْأَۃُ الْحَسْنَاءُ فِی الْمَنْبَتِ السُّوْءِ. (مسند شہاب از: امام قضاعی: ۹۵۷)

''حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: تم غلاظت کی روئیدگی سے بچو، پوچھا گیا اے اللہ کے رسولؐ اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: خوبصورت اور حسین عورت کا غلیظ ماحول میں ہونا''۔

حدیث نبوی کے یہ مختصر مگر خوبصورت جملے انسانی تربیت ونفسیات کے کئی اصول اور تجربات کی نشاندہی کرتے ہیں، ایک باصلاحیت، پرکشش اور کارآمد انسان کس طرح اپنی وقعت کھو دیتا ہے اور غلط ماحول کی وجہ سے نہ صرف ناکارہ بن جاتا ہے بلکہ اس کے بُرے اثرات آگے بہت دور تک پھیلنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، حدیث میں موجود تشبیہ اسے خوب واضح کر رہی ہے۔

حدیث کے اسلوب اور دلچسپ اندازِ بیان سے یہ بات نمایاں ہو رہی ہے کہ جس طرح گندگی اور کوڑے کرکٹ کا سبزہ اپنی رنگت اور تازگی کے باوجود کارآمد نہیں رہتا اور نہ اس بات کا امکان باقی رہتا ہے کہ آگے چل کر اس سے کوئی مفید فصل نمودار ہوگی، اسی طرح دلکش اور پری جمال عورت بھی بُرے ماحول میں پھنس کر ناکارہ اور بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ حدیث کے الفاظ میں یہ وسعت بھی موجود ہے کہ ظاہری زیبائی ورعنائی کے ساتھ اگر اس

Marfat.com

میں اخلاق و عادات کی اندرونی خوبصورتی بھی موجود تھی تو وہ بھی اس غلط ماحول کی گرفت کے باعث بتدریج زوال کا شکار ہو جائے گی اور آئندہ نسل تک منتقل نہ ہو سکے گی۔

ماحول کے اثرات کی یہ بحث آجکل تو باقاعدہ ایک سائنس کی صورت اختیار کر چکی ہے، البتہ یہ علمائے اخلاق اور تزکیہ نفس کے مربین کے نزدیک ہمیشہ سے ایک زندہ موضوع رہا ہے۔

نفسیاتِ زن کا ادراک اور نشاندہی

عَنْ امِ سلمةؓ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَمَيْمُوْنَةُؓ عِنْدَالنَّبِىِّ فَجَاءَ ابْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍؓ يَسْتَاْذِنُهُ وَذَاكَ بَعْدَ اَنْ ضُرِبَ الْحِجَابَ فَقَالَ: قُوْمَا فَقُلْنَا: اِنَّهُ مَكْفُوْفٌ لَايُبْصِرُنَا قَالَ: اَفَعْمِيَا وَاِنْ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِه.

(صحیح بخاری:۱۹۶۸، سند ابوالعلی الموصلی:۶۹۲۲)

''حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہؓ آنحضرتؐ کے پاس تھیں کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ (ایک نابینا صحابی) نے ملاقات کی اجازت چاہی، یہ واقعہ پردے کے حکم کے بعد کا ہے، آپؐ نے ہم دونوں سے فرمایا، اُٹھ جاؤ۔ ہم نے عرض کیا یہ آنے والا شخص تو نابینا ہے ہمیں دیکھ نہیں سکتا، آپؐ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، کیا تم اُسے نہیں دیکھ سکتیں؟

حدیثِ مذکور معاشرت کے اسلامی آداب پر مشتمل ہے، مگر اس میں خواتین کی نفسیات کا بہت گہرا تجزیہ بھی شامل ہے اور ایسے پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی جانب بادی النظر میں توجہ نہیں جاتی۔ دراصل مردوں کا عورتوں کی طرف فطری میلان اور رغبت اتنی معروف ہو چکی ہے کہ اس باب میں عورتوں کے جبلی رجحانات پر نظر نہیں جاتی، اور شاید عورتیں خود بھی اسے بہت اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتیں، جیسا کہ حدیث میں موجود واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے علم النفس کے اسی پوشیدہ پہلو کو آشکار کیا ہے، غالباً اسی اہمیت کی بنا

Marfat.com

پر مجدّدِ زمانہ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی نے اسے ایک ''راز'' سے تعبیر کیا ہے، جسے حدیث میں نمایاں کر دیا گیا ہے، اب یہ مفہوم بہت واضح ہے کہ جس طرح مَردوں میں عورتوں کی جانب کشش کا جذبہ پایا جاتا ہے اور عورتوں کی طرف دیکھنا انہیں ذہنی اضطراب اور فتنوں میں مبتلا کرسکتا ہے، اسی طرح عورتیں بھی مَردوں کی جانب مائل ہوتی ہیں اور یہ کیفیت اُن کے لیے بھی کئی مفاسد کا باعث بن سکتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱۹۲/۲)

قرآن مجید میں بھی ''غضّ بصر'' نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم صرف مَردوں تک محدود نہیں بلکہ عورتوں کو بھی اس میں باقاعدہ شامل کیا گیا ہے۔ (النور: ۳۰۔۳۱)

حسد کے بدنی مفاسد

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. (سنن ابوداود: ۴۹۰۳، مسند البزار: ۸۴۱۲)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم حسد سے بچو، بے شک حسد اچھائیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے''۔

اہلِ باطن اور صوفیاء کے نزدیک حسد ایک روحانی مرض ہے، اپنی اصلیت کے لحاظ سے یہ حرص اور طمع و لالچ سے زیادہ بُرا ہے، کیونکہ حرص فقط کسی نعمت کی خواہش اور آرزو کرنے تک محدود ہوتا ہے، جبکہ حسد میں یہ تمنا بھی شامل ہے کہ جس کے پاس نعمت ہے وہ اس سے جاتی رہے اور برباد ہو جائے۔ (احیائے علوم الدین، از: امام غزالی، ۱۸۹/۳)، واضح رہے کہ جب اس کی معنویت میں شدت پائی جاتی ہے تو اثرات بھی یقیناً شدید ہوں گے، اسی بنا پر نبی کریمؐ نے حسد کو آگ سے تشبیہ دی ہے۔ وجہِ مشابہت دونوں میں پائی جانے والی تباہ کاری اور بربادی ہے۔ حدیث میں حسنات کا لفظ بہت جامع اور معنی خیز ہے، بادی النظر میں یہ صرف نیکیوں تک محدود سمجھا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں بدنی صحت اور حسن و جوانی بلا کسی مانع اس میں شامل ہو سکتے ہیں، اسی بنیاد پر مشہور دعا: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ

Marfat.com

حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ میں لفظ ''حَسَنَةً'' مادّی وروحانی دونوں اچھائیوں کے لیے بولا گیا ہے۔ (دیکھیے: تفسیر طبری، ج ۴/۲۰۴ تا ۲۰۶)

معانی کی اس وسعت کو دیکھتے ہوئے حدیثِ بالا میں لفظ ''حسنات'' کا ترجمہ ہم نے نیکیوں کے بجائے اچھائیوں سے کیا ہے، تاکہ لفظ کی جامعیت برقرار رہے۔

چنانچہ فرمانِ نبوی کے مطابق حاسد کی نیکیاں تو ضائع ہوتی ہی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ حسد کا جذبہ اس کی صحت کی میکانیات کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ نظامِ ہضم خراب ہو جاتا ہے، نیند اُڑ جاتی ہے، چہرے کی رونق ختم اور قبل از وقت بڑھاپے کے آثار جھریوں کی صورت میں نمودار ہو جاتے ہیں، پیشانی پر شکنیں گہری ہو جاتی ہیں اور کشش و ملاحت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ (الحسد بین الطب والاسلام، مقالہ از: ڈاکٹر حامد الغوابی، مجلہ لواء الاسلام مئی ۱۹۵۷ء)

یہ وہ بدنی اضرار ہیں جو حسنات کی اصطلاح میں شامل ہیں اور حسد کے معنوی مضرات سے انہیں کسی طرح بھی جدا نہیں کیا جا سکتا۔

غصے کی تباہ کاریاں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ: اَنَّ رَجُلًا قَالَ النَّبِیّ: اَوْصِنِیْ فَقَالَ لَاتَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا وَقَالَ لَاتَغْضَبْ. (صحیح بخاری: ۶۱۱۶)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ سے درخواست کی، مجھے کوئی نصیحت فرمایے، آپؐ نے فرمایا: غصہ مت کیا کرو، پھر آپ یہ دہراتے رہے کہ غصہ نہ کیا کرو''۔

یہ نصیحت غالباً ایک ایسے شخص کو کی جا رہی ہے، جسے عادتاً بہت زیادہ غصہ آتا تھا۔ یا اکثر اوقات اس کی حالت ایک مغلوب الغضب شخص کی تھی۔

بعض ماہرینِ قلب نے یہ تحقیق کی ہے کہ غصے کے جذبات سے بھرے رہنے والے لوگوں کی عمر کم ہوتی ہے، ان کے دل کو مسلسل کشیدہ اعصاب کی بنا پر نقصان پہنچتا ہے، تمباکو نوشی اور ہائی بلڈ پریشر سے جو نقصانات دل کو پہنچتے ہیں تقریباً ویسے ہی غصے سے پہنچتے ہیں۔

Marfat.com

اچانک غصہ آنے کے مقابلے میں متواتر غصے کی حالت بدن کو زیادہ کھوکھلا کر دیتی ہے اور انسان زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا۔ (الاعجاز العلمی فی الحدیث النبویؐ، از: عبدالرحیم ماردینی، ص ۲۰۳)

انسانی بدن پر غصے کے اثرات کا جائزہ لینے والے علما کا کہنا ہے کہ غیض و غضب کے عالم میں غدّہ مُخامیہ متحرک ہو کر ایسے مواد کو خارج کرتا ہے جس سے حرکتِ قلب تیز ہو جاتی ہے، بلڈ پریشر میں اضافہ ہوتا ہے، فالج اور لقوے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، دل کا دورہ متوقع ہوتا ہے۔ کبھی کبھار آنکھوں کی طرف جانے والی رگوں کو بھی متاثر کرتا ہے اور اچانک اندھا پن واقع ہو جاتا ہے، شوگر کا مرض لاحق ہو سکتا ہے، مزمن قبض کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور سرطان تک کا خطرہ سر پر منڈلانے لگتا ہے۔

(مقالہ، الانفعالات النفسیۃ، از: ڈاکٹر ابراہیم الراوی، مجلہ حضارۃ الاسلام، جولائی ۱۹۷۴ء)

غصے کے یہ وہ خطرناک نتائج ہیں جن سے بچانے کے لیے آنحضرتؐ نے مذکورہ صحابی کو غصے میں نہ رہنے کی تلقین فرمائی اور تاکیداً اس بات کو بار بار دہرایا۔ آپؐ کا یہ غیر معمولی انداز ہی درحقیقت اس کی سائنسی اور طبی اہمیت کا مظہر ہے۔

غصے کے اثراتِ بد اور اُن پر قابو پانے کی ضروری تفاصیل چند دوسری احادیث کے ضمن میں انہی صفحات میں اپنے مقام پر آئیں گی۔

دماغی صحت کی اہمیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ: اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلِ اَلْحَمْدُلِلّٰه.

(صحیح بخاری: ۶۲۲۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۲)

”حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمدللہ (تمام تعریفیں صرف اللہ کے لیے ہیں) کہنا چاہیے“۔

چھینک قدرتی طور پر ایک بے ساختہ عمل ہے۔ اس کے بارے میں علمائے ابدان کا یہ کہنا ہے کہ انسان اپنی ناک اور منہ سے سانس لیتے ہوئے جو ہوا ”آکسیجن“ اندر کی جانب

Marfat.com

کھینچتا ہے وہ دماغ سمیت پورے بدن میں سرایت کرتی ہے اور انسان کو تازگی اور نشاط کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن بسااوقات دماغ میں اس ہوا کے بعض بخارات محبوس ہو جاتے ہیں، چانچہ فطری طور پر ایک خودکار نظام کے تحت چھینک کا عمل وجود میں آتا ہے، اس کے ذریعے بہت پریشر کے ساتھ ناک اور منہ کے ذریعہ ہوا خارج ہوتی ہے اور چھینکنے والا سکون اور انبساط محسوس کرتا ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے چھینک کا عمل بھرپور نہ ہو سکے اور یہ کیفیت ادھوری رہ جائے تو انسان کی بے سکونی اور اضطراب کم ہونے کے بجائے مزید بڑھ جاتا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت خداوندی میں چھینک کا عمل کس قدر نافع ہے، یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ چھینک کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے اور دماغ فکر وتدبر کا مرکز ہونے کے ساتھ حواس اور اعصاب کی حرکت کا سرچشمہ بھی ہے، چنانچہ دماغ کی سلامتی میں ہی اصل زندگی ہے۔ (فتح الباری، از: حافظ ابن حجر، ج ۱۰/۶۰۲۔ معالم السنن، از: امام خطابی، ج ۴/۱۴۱)

ورنہ معمولی سا دماغی خلل بھی پورے بدن کو معطل اور زندگی کو بدمزہ بنا سکتا ہے۔ دماغ میں مقید ان بخارات سے نجات کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو تو اس خدشے سے نجات ممکن نہیں کہ دماغی نظام کب مفلوج ہو کر رہ جائے۔ اب یہ بات سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ آخر چھینک جیسی معمولی چیز میں کون سی ایسی حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ اس پر اللہ کی تعریف اور الحمدللہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی قرین موضوع ہے کہ یہ حدیثِ مذکور اطبا کے نزدیک ایک متفق علیہ اصول کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے جس کے بموجب چھینک بھی کم وبیش ان دس اشیا میں شامل ہے جن کا بدن میں رُکے رہنا اذیت اور فساد کا باعث بنتا ہے، دیگر اشیا میں بول و براز، گیس، اُلٹی، خون جب وہ ہیجان کے عالم ہو اور پھوٹ نکلے، مادّہ منویہ جب وہ اپنے مرکز سے چھوٹ جائے، اسی طرح بھوک پیاس اور نیند کی خواہشات کو دبائے رکھنا شامل ہیں۔ (طب نبوی، از: حافظ ابن قیم، ص ۷)، ان شاء اللہ ان میں سے بعض چیزوں پر گفتگو اسی کتاب میں شامل ہوگی۔

Marfat.com

اشتعال کا علاج

عَنْ اَبِی ذَرٍّؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لَنَا: اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَاِنْ ذَھَبَ عَنْہُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ. (سنن ابوداؤد:۴۷۸۲)

''حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ہمیں فرمایا: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہوا ہو تو اسے بیٹھ جانا چاہیے، اگر اس طرح غصہ زائل ہو جائے تو بہتر، ورنہ اسے لیٹ جانا چاہیے''۔

اس حدیث میں دوا کے بجائے غصے کے خاتمے کے لیے عملی علاج تجویز کیا گیا ہے، جبکہ اس علاج سے غصے کی حالت میں رگوں کے تناؤ اور اعصابی کھنچاؤ کی تشخیص بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کیفیت کا بہترین علاج یہی ہے کہ اس کے ارتکاز (Concentration) کو ختم کر دیا جائے تاکہ توجہات منقطع ہو جائیں اور تسلسل قائم نہ رہے۔ ایسا کرنے سے غصے کی حالت باقی نہیں رہے گی اور طبیعت بڑی حد تک پرسکون ہو جائے گی۔ (اسوہ حسنہ اور علمِ نفسیات، ص ۱۴۱، از: سعدیہ غزنوی) یہ اقدام نفسیاتی اور عملی دونوں لحاظ سے ایسی تاثیر کا حامل ہے کہ انسان کا غیظ وغضب برقرار نہیں رہ سکتا۔ یہ طریقہ علاج صرف غصے کے لیے ہی نہیں بلکہ قلب و دماغ پر طاری ہونے والے کئی دیگر منفی رجحانات کے خاتمے کے لیے بھی کارگر ہے۔

بعض محدثین نے ایک اور عملی نکتے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ حالت قیام میں انسان حرکت اور اقدام کے لیے بالکل تیار ہوتا ہے اور غصے کے عالم میں کچھ بھی کر سکتا ہے جبکہ بیٹھ جانے کی صورت میں اُس کی یہ استعداد خود بخود کم ہو جاتی ہے اور لیٹ جانے سے تو قریباً اقدامی صلاحیت بالکل ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا نبی کریمؐ نے ایک ماہر حرکیات کی مانند ایک ایسا خود مزاحمتی نسخہ بتایا ہے جو نتائج کے اعتبار سے بہت اعلیٰ معیار کا حامل ہے۔

(دیکھیے: کشف المشکل من حدیث الصحیحین، از: امام ابن الجوزی، ۱/۱۰۱۷)

بدن میں دورانِ خون کے ماہرین کہتے ہیں کہ کھڑے ہونے کی حالت میں دل زیادہ دھڑکتا ہے اور بدن کے طول و عرض میں خون کی ترسیل کے لیے اسے زیادہ زور بھی لگانا پڑتا ہے، جبکہ بیٹھ جانے سے دورانِ خون کا فاصلہ بھی گھٹ جاتا ہے اور اس کی ترسیل کے لیے

Marfat.com

زیادہ طاقت بھی صَرف کرنا نہیں پڑتی اور دراز حالت میں تو خون کی گردش دل پر مطلقاً کوئی اضافی بوجھ نہیں ڈالتی، چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے غصے کے عالم میں بیٹھ جانے کی ہدایت فرمائی تاکہ غیظ وغضب کا اشتعال اور حالتِ قیام کا دباؤ دونوں یکجا ہو کر دل کی تباہی اور نتیجتاً انسان کی ہلاکت کا باعث نہ بنیں، طبی تاریخ میں کتنی ہی مثالیں ایسی ہیں جو غصے میں دل کے دورے کو ثابت کرتی ہیں۔ (شرح الاربعین، از: استاد عطیہ سالم سبق نمبر ۴۰، ص ۱۶)

مادّہ تخلیق کا اثر

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ فِیْ خُطْبَتِہٖ: اَلَا اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَۃٌ فِیْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ أَفَمَا رَاَیْتُمْ فِیْ حُمْرَۃِ عَیْنَیْہِ وَانْتِفَاخِ اَوْدَاجِہٖ فَمَنْ اَحَسَّ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَلْیَلْزَقْ بِالْاَرْضِ.

(سنن الترمذی: ۲۱۹۱، مستدرک حاکم: ۵۰۵)

''حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا: جان لو کہ غضب دراصل بنی آدم کے دل میں ایک انگارہ ہے، کیا تم اُس کی آنکھوں کی سرخی اور رگوں کے پھولنے سے اس کا اندازہ نہیں کرتے، جس کسی کو یہ کیفیت لاحق ہو اسے چاہیے کہ وہ زمین سے چمٹ جائے''۔

انسانی ساخت میں عناصر اربعہ کا نظریہ اب ایک علمی حقیقت بن چکا ہے، بلکہ اب ہر عنصر کی جزوی ترکیب اور تفاصیل بھی سامنے آچکی ہیں۔ (صحت اور زندگی، از: خوشتر گرامی، ص ۱۱)

تاہم بنی آدم کا اصل مادّۂ تخلیق ''مٹی'' ہی قرار پاتی ہے، جو کرۂ زمین کا اصل عنصر ہے، وہ اہلِ تحقیق جنہوں نے عناصر اربعہ کے خواص معلوم کرنے پر عرق ریزی کی ہے، وہ آگ کی خاصیت عُلو بلندی اور اشتعال بتاتے ہیں اور اس کے مقابلے میں ''خاک'' کی صفت پستی تنزل اور تواضع کو قرار دیتے ہیں۔ (معارف لدُنیہ، ص ۶۸، شیخ عبدالحق دہلوی)

بدنِ انسانی میں جزوِ ناری کو حدیثِ پاک میں ''جمرۃ'' انگارے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے اثر کو غصہ کہا گیا ہے پھر آنکھوں کی سرخی اور رگوں کے پھولنے کو اس کی

Marfat.com

علامت قرار دیا گیا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ آگ میں سرخی اور حرارت کے باعث اُبال اور پھیلاؤ دونوں علامات پائی جاتی ہیں نیز یہ علامات آگ کی صفتِ بلندی اور اشتعال کی وجہ سے بدن کے اوپری حصے گردن چہرے اور دماغ میں ہی ظاہر ہوتی ہیں۔ حدیثِ مذکور ان تمام حقائق کی تصدیق کرتے ہوئے ''جزو خاکی'' اور اس کے مرکز زمین کی خاصیت سے بھی پردہ اٹھا رہی ہے۔ حضور اکرمؐ نے طیش کی حالت میں زمین سے چمٹ جانے کا حکم دیا ہے تاکہ جزو ناری سے پیدا ہونے والی حرارت اور اشتعال کو مٹی اور زمین کے ذریعے ختم کر دیا جائے، مٹی میں مادّی لحاظ سے بھی آگ بجھانے کی صلاحیت موجود ہے اور مصنوعی طور پر بھی زمین کی جانب میلان اور جھکاؤ میں تواضع اور عجز نیز ٹھہراؤ اور سکون کی صفات نمودار ہوتی ہیں۔ یہ حدیثِ مبارکہ بلا مبالغہ بہت جامع سائنسی اکتشاف پر مبنی ہے۔

(مصابیح التنویر ا/ ۳۵۷، از: محمد بن ناصر الدین الالبانی)

غصے اور آگ کا تعلق

عَنْ عَطِيَّةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِؐ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ. (سنن ابوداود: ۴۷۸۶، معرفۃ الصحابۃ: ۴۹۵۹)

''حضرت عطیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: غصہ شیطان کے باعث ہوتا ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، آگ پانی سے بجھتی ہے چنانچہ تم میں سے کسی کو جب غصہ آ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو کرے''۔

بدنِ انسانی عناصر اربعہ ''آگ مٹی پانی ہوا'' سے مرکب ہے۔ اطبا اور کیمیا گروں کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کے تقاضے مختلف ہیں، یہ عناصر اعتدال پر قائم ہوں تو بدن اور مزاج دونوں پُر امن اور صحت مند ہوتے ہیں، ورنہ بے اعتدالی سے کئی بگاڑ مختلف بیماریوں کی صورت میں جنم لیتے ہیں۔ بدن میں حرارت یا جزو ناری کا غلبہ ہو جائے تو قدیم و جدید اطبا اعتدال پیدا کرنے کے لیے ٹھنڈی تاثیر والی غذائیں اور سرد ماحول تجویز کرتے ہیں۔ اس

Marfat.com

حدیث میں بھی یہی اصول بتایا گیا ہے، غصے کے موقع پر جو حرارت بدن میں پیدا ہو جاتی ہے فوری طور پر اس سے بہتر اس کا کوئی اور علاج نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح معالجین مستقل غصے میں مبتلا رہنے والوں کا علاج بھی معتدل خوراکوں اور ٹھنڈی تاثیرات والی ادویہ سے کرتے ہیں۔ حدیث میں وضو کا تذکرہ دوا کے بیرونی استعمال کی طرف اشارہ کرتا ہے، اگرچہ غصے میں بطور دوا پانی کے اندرونی استعمال کی بھی کوئی ممانعت نہیں جبکہ دورانِ وضو کُلّی کرنا ایک حد تک پانی کے پینے یا اندرونی استعمال کے ہی مترادف ہے۔ حدیث میں ہائیڈروپیتھی طریقہ علاج کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

امید افزائی اور صحت یابی

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِی الْاَجَلِ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَلٰکِنَّہٗ یُطَیِّبُ نَفْسَ الْمَرِیْضِ۔ (سنن ترمذی: ۲۰۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۴۳۸)

''حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اُسے لمبی عمر کی امید دلاؤ (یعنی درازیٔ عمر کی دعا کرو) بے شک یہ امید افزائی تقدیر کو نہیں ٹال سکتی، البتہ مریض کی طبیعت خوش ہو جائے گی''۔

اس حدیث میں عبادت کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی کے جملے اور مریض کو پر امید کلمات کہنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ علم النفس کا ادراک رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس نوع کے جملوں سے طبیعت کی قوتوں میں تازگی اور انتعاش میں اضافہ ہوتا ہے۔ مریض کے بدن میں حرارت غریزی اٹھ جاتی ہے اور اس کے باعث شفایابی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ غالباً انہی اوصاف کی بنا پر ''اچھی بات'' کو ایک حدیث میں صدقہ قرار دیا گیا ہے (صحیح بخاری: ۶۰۲۱)، جس طرح ایک ضرورت مند کو صدقہ مالی سہارا مہیا کرتا ہے اسی طرح ایک مریض کو بھی حوصلہ افزائی کی بات شفا اور صحت سے فیض یاب کر دیتی ہے، مریض پر اس سے

Marfat.com

بہتر صدقہ نہیں ہوسکتا۔ قابل غور نکتہ یہ ہے کہ حدیث میں اس طرح کی بات کو ایک کارگر نفسیاتی نسخے کے طور پر ہی تجویز کیا گیا ہے، اور یہ حقیقت بتا دی گئی ہے کہ قضا و قدر کے فیصلوں کو کوئی شے رَد نہیں کرسکتی، لیکن اس کے باوجود امید افزائی کی بات کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہیے۔

عیادت اور شفایابی

عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِعِیَادَۃِ الْمَرِیْضِ۔

(صحیح بخاری: ۵۱۷۵، معرفۃ السنن از: امام بیہقی: ۸۵۹)

''حضرت براء بن عازبؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ہمیں مریض کی عیادت کرنے کا حکم دیا''۔

اس حدیث میں مطلقاً مریض کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے، یہ حکم جہاں خود عیادت کرنے والے کے لیے اخلاقی اور معاشرتی فوائد کا حامل ہے، وہاں یہ مریض کے لیے بھی بے شمار بدنی اور نفسیاتی خوبیوں کا مالک ہے۔ عیادت سے مریض کا دل فرحت سے سرشار ہوتا ہے اور مریض اپنی اہمیت محسوس کرتا ہے۔ قلب کی یہ شادمانی اسے جلد صحت یابی سے ہمکنار کرتی ہے اور روح کی قوتیں بھی دوا کی تاثیر میں شامل ہو جاتی ہیں۔

امریکا سے شائع ہونے والے ریڈرز ڈائجسٹ کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ نیو یارک کے اسپتالوں کا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ تنہائی کا شکار مریض جلد صحت یاب نہیں ہوتے، انہیں بہترین علاج بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، جبکہ اپنے عزیز و رشتہ داروں اور دوستوں کی تیمارداری سے فیضیاب ہونے والے مریض بہت جلد شفایاب ہو جاتے ہیں۔

امراض کے علاج میں نفسیات کا استعمال جدید سائنس کو دورِ حاضر میں سمجھ آیا ہے، اور سرورِ کونینؐ نے ڈیڑھ ہزار برس قبل علم النفس کو طریقہ علاج میں شامل فرمایا۔

Marfat.com

جھوٹ کی شناخت (Lie Detection)

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: غَزَا نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتِ النَّارُ لِتَاْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ: اِنَّ فِيْكُمْ غُلُوْلًا قَالُوْا وَكَيْفَ لَنَا اَنْ نَعْلَمَ مَنْ عِنْدَهُ الْغُلُوْلُ قَالَ يُبَايِعُنِیْ رَاْسَ كُلِّ سَبْطٍ مِّنْكُمْ فَبَايَعُوْهُ فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ عِنْدَكَ الْغُلُوْلُ فَلْيُبَايِعْنِیْ سَبْطُكَ فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ اَوْ رَجُلَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ: فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ فَجَاؤُا بِرَاْسٍ مِثْلَ رَاْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعُوْهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَاَكَلَتْهَا. فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا.

(صحیح بخاری: ۳۱۲۴، صحیح مسلم: ۱۷۴۷)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک نبی نے غزوہ کیا غنیمتیں جمع ہوگئیں، آگ آئی تاکہ ان غنیمتوں کو کھا کر ختم کردے، مگر وہ ایسا نہ کرسکی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارے اندر کوئی چور ہے، انہوں نے پوچھا: ہم چور کو کیسے پہچان سکتے ہیں کہ وہ کہاں ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر قبیلے کا سردار میرے ہاتھ پر بیعت کرے، انہوں نے جب بیعت کی تو ایک سردار کا ہاتھ نبی کے ہاتھ میں کانپ گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: چور تمہارے پاس ہے اب تمہارا قبیلہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے، چنانچہ تین افراد کے ہاتھ نبیؑ کے ہاتھ میں لرز گئے، نبی ﷺ نے فرمایا: چور تمہارے اندر ہے تب وہ سونے کا بنا ہوا گائے کے سر جتنا ٹکڑا لے کر آئے اور مالِ غنیمت میں رکھ دیا پھر آگ آئی اور اُس نے غنیمتوں کو جلا کر ختم کردیا۔ آپؐ نے فرمایا: ہم سے پہلے مال غنیمت کسی کے لیے بھی حلال نہیں تھا۔''

یہ واقعہ سابقہ امتوں کے کسی برگزیدہ نبیؑ کے ساتھ پیش آیا تھا، جسے رسول اللہؐ نے اپنی امت کو سنایا، اس واقعہ میں مال غنیمت میں خیانت اور چوری کرنے والے کی نشاندہی ایک دلچسپ حسّی اور نفسیاتی طریقے سے کی گئی ہے، جس طریقے کو حدیثِ بالا میں ایک محترم نبیؑ

Marfat.com

نے اختیار کیا تھا آج اسی اصول کی بنیاد پر کئی سائنسی آلات ایجاد کر لیے گئے ہیں۔ جن کے ذریعے دل و دماغ، نبض اور دیگر اعضا کی کیفیات جانچ کر غلط بیانی اور جھوٹ بولنے والے کا پتا لگا لیا جاتا ہے۔

اوپر حدیثِ نبوی میں بیان ہونے والے واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ چوری اور خیانت انفرادی عمل نہیں تھا بلکہ ایک قبیلے کے سردار اور اس کے چند لوگوں نے مل کر اس کا منصوبہ بنایا تھا اور پھر اس کا ارتکاب بھی ان لوگوں نے مل کر کیا تھا، چنانچہ ان کے نبیؐ نے اپنی ذہانت اور خداداد نفسیاتی مہارت کے ذریعے نہ صرف یہ کھوج لگا لیا کہ یہ ایک اجتماعی گناہ ہے بلکہ نہایت سائنسی طریقے کے مطابق اصل چوروں سے اعتراف بھی کروا لیا۔

بیعت کے ذریعہ جس طرح لوگوں کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی اضطرابی کیفیت کو نشان زد کیا گیا تھا آج بھی ہاتھوں کے لمس کی حساسیت سے یہی کام لیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ کچھ آلات اور مشینیں (Device) بھی بنالی گئی ہیں جو ہاتھوں کی نبض کے ساتھ دل و دماغ کے اندر برقی مقناطیسی موجوں کے ذریعے غیر معمولی تبدیلیوں اور تحرک کا پتا لگا سکتی ہیں، انہیں جدید اصطلاح میں Lie Detector یعنی جھوٹ معلوم کرنے والی مشین کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جھوٹ میں اعصاب اور دماغ کے بعض حصوں پر غیر معمولی بوجھ آتا ہے، روح و بدن کلفت کا شکار ہوتے ہیں اور کذب بیانی کے موقع پر سچ کے مقابلے میں زیادہ طاقت درکار ہوتی ہے، جبکہ سچ بولتے ہوئے بدن کی ہر کیفیت معمول کے مطابق رہتی ہے اور کوئی اضافی ارتعاش دیکھنے میں نہیں آتا، یہ مشینیں اسی فرق کی بنیاد پر اپنا کام کرتی ہیں اور جھوٹ کی شناخت باآسانی کر لیتی ہیں۔ (روائع الاعجاز فی القرآن والسنۃ، ص ۸)

اسی فرق و امتیاز کو نمایاں کرنے کے لیے ایک موقع پر ہادیٔ برحقؐ نے فرمایا: اِنَّ الصِّدقَ طَمَانِينَةَ وَالْكَذِبُ رِيبَةٌ. ''سچ اطمینان ہے اور جھوٹ تردد و پریشانی ہے''۔

(سنن ترمذی: ۲۵۲۰، صحیح ابن حبان: ۵۱۲)

Marfat.com

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے!

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: اِنَّ الْاَرْوَاحَ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ مَاتَعَارَفَ مِنْهَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ.

(صحیح بخاری:۳۳۳۶، صحیح مسلم:۲۶۳۸)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے نبی کریمؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا: روحیں مسلح لشکروں کی مانند ہوتی ہیں، جو اُن کے مناسب حال ہو، وہ اس سے جڑ جاتی ہیں اور جو موافق نہ ہو اُس سے دور بھاگتی ہیں۔

انسان اپنی روزمرہ زندگی میں اکثر ایک منفرد تجربے سے گزرتا ہے اور ایک عجوبۂ روزگار کیفیت کا مشاہدہ کرتا ہے، وہ یہ دیکھتا ہے کہ کوئی اجنبی اسے پہلی ہی نظر میں بھا جاتا ہے، وہ اتنا مانوس لگتا ہے جیسے برسوں کی شناسائی ہو، حالانکہ اُن کے درمیان کوئی تعارف اور ملاقات نہیں ہوتی، اسی طرح کوئی شخص کسی ظاہری برائی کے بغیر بھی دل کو اچھا نہیں لگتا، طبیعت اُس کی موجودگی سے تکدّر محسوس کرتی ہے اور اُس سے دوری اور فرار میں راحت پاتی ہے، یعنی کہیں تو عدم تعارف اور اجنبیت کے باوجود پہلی ہی ملاقات میں محبت وقرب پیدا ہو جاتا ہے اور کہیں برسوں کا تعارف، تعلقِ خاطر اور اپنائیت میں نہیں بدلتا۔ ایسا کیوں کر ہوتا ہے؟ اور اس کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں؟

حدیث بالا کے مختصر الفاظ انہی سوالات کا جواب فراہم کرتے ہیں، اختصار کے باوجود یہ الفاظ معانی کا ایک سمندر اپنے اندر رکھتے ہیں، نگاہوں سے اوجھل (Invisible) دلوں کے باہمی رابطوں اور تعلقات کی پوری داستان بیان کرتے ہیں۔

ارواح کا معاملہ یوں تو اسرارِ الٰہی کا ایک خاص باب ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں، البتہ بدنِ انسانی میں پائے جانے والے بہت سے مخفی راز آج سائنس کی آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ قبل ازیں یہ بھی پردۂ اخفاء میں پنہاں تھے، اُن میں ایک دریافت وہ برقی مقناطیسی شعاعیں ہیں جو انسان کے دل و دماغ، آنکھوں اور دوسرے اعضا سے خارج ہوتی ہیں، یہ موجیں تاثر اور انفعالات دوسرے افراد تک منتقل کرتی ہیں، ان جذباتی لہروں

Marfat.com

(Emotional Waves) کا اثر ونفوذ اور اخراج بلا ارادہ جاری رہتا ہے، یہ درحقیقت اندرونی شخصیت کی عکاس ہوتی ہیں، چنانچہ ان کا اپنے ہم جنس اور مماثل فرد سے پیوست ہونا ایک فطری امر ہے کیونکہ کائنات میں ہر شے اپنے ہم مثل کی طرف کشش ومیلان رکھتی ہے۔ اسی چیز کو حدیث میں ''تعارف'' یعنی ہم رنگی کہا گیا ہے اور اس کے برخلاف کیفیت کو ''تناکر'' یعنی غیر مانوسیت قرار دیا گیا ہے۔ آج سائنس کے شعبے (Organic Electronics) نامیاتی برقیات نے یہ سب کچھ ثابت کر دیا ہے۔ اسی مثبت ومنفی سوچ، کردار اور عادات وخصائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پاک میں بہت گہری بات کہی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ...... (النور:۲۶)

''بُری عورتیں بُرے مَردوں اور بُرے مَرد بُری عورتوں کے ساتھ ہی مناسب ہیں، اور پاکیزہ عورتیں نیک مَردوں کے لیے اور نیک مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہی مناسب ہیں''۔

تفصیل کے لیے دیکھیے، ص ۲۳ The Master and the path، از: R.W.Train، نیز دیکھیے، صفحہ سائنس ۱۶، روزنامہ ایکسپریس، ۹ فروری ۲۰۱۴ء)

معلومات سے نتائج کا استخراج

عَنْ عَلِيِّ بنِ اَبِي طَالِبٍؓ قَالَ: نَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ النَّاسَ فَانْطَلَقُوا حَتّٰى نَزَلُوا بَدْرًا وَكَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَتَخَبَّرُوْنَ عَنْ قُرَيْشٍ، وَوَرَدَتْ عَلَيْهِمْ رَوَايَا قُرَيْشٍ فِيْهِمْ اَسْلَمُ وَاَبُوْيَسَارٍ فَاَتَوْ بِهِمَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُمَا اَيْنَ قُرَيْش؟ قَالَا هُمْ وَرَاءَ هٰذَا الْكَثِيْبِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمِ الْقَوْمُ؟ قَالَا كَثِيْرٌ قَالَ: مَاعِدَّتُهُمْ؟ قَالَا: لَانَدْرِيْ قَالَ: كَمْ يَنْحَرُوْنَ مِنَ الْجَزُوْرِ كُلَّ يَوْمٍ؟ قَالَا يَوْمٌ عَشَرَةٌ وَيَوْمٌ تِسْعَةٌ قَالَ: اَلْقَوْمُ مَابَيْنَ التِّسْعُمِاَةِ اِلَى اَلْفٍ. (مصنف عبدالرزاق:۹:۳۶۶۷۹، مصنف ابن ابی شیبۃ:۳۶۸۳۶)

Marfat.com

''حضرت علی بن ابی طالبؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ لوگوں کے ساتھ نکلے اور بدر کے مقام پر خیمہ زن ہوئے، آپؐ کے صحابہ قریش کے بارے میں معلومات جمع کر رہے تھے، اسی اثناء میں قریش کے دو گڈریے اسلم اور ابویسار اُن کے ہاتھ لگ گئے، صحابہ انہیں پکڑ کر آنحضرت کے پاس لے آئے، آپؐ نے پوچھا قریش کہاں ہیں؟ دونوں بولے، اس گھاٹی کے اس پار ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کتنے ہیں، بولے بہت زیادہ ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا ان کی تعداد کیا ہے؟ وہ بولے ہمیں نہیں پتا، آپؐ نے پوچھا: قریش روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ دونوں نے کہا ایک دن دس اونٹ اور ایک دن نو اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ آپؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: لشکر قریش کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔''

یہ غزوۂ بدر کے حالات کا ایک دلچسپ نقشہ ہے، اس واقعہ میں دو ایسی باتوں کا ذکر ہے جو آجکل مختلف معلومات کا سروے کرنے، رپورٹس بنانے اور پھر ان جمع شدہ معلومات سے درست نتائج اخذ کرنے کی بنیاد قرار پاتے ہیں۔ سروے اور اُن سے حاصل کردہ رزلٹ کی تکنیک آج باقاعدہ ایک سائنس کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔ ریاستوں کا بجٹ، محاصل کی تقسیم، تمدنی سہولیات کی فراہمی، اور زرعی و صنعتی پیداوار کی کھپت نیز درآمد و برآمد کی تجارتی پالیسیاں سب کچھ مختلف سطح کے سروے اور ان کے نتائج پر منحصر ہوگیا ہے، تمام تجارتی کمپنیاں اپنی مصنوعات کی رسد وطلب کا معیار بھی انہی سروے رپورٹس کی بنیاد پر طے کرتی ہیں۔

حدیث میں آنحضرتؐ کے سوالات کی ترتیب پر غور فرمائیں تو معلومات اگلوانے کا لطیف فن سمجھ میں آتا ہے، آجکل جرائم کی تحقیق (Investigation) کا سارا دار و مدار اسی طریقے پر استوار ہے۔ مذکورہ تمام امور اور شعبوں میں معلومات کا حصول پہلا مرحلہ ہوتا ہے، اصل کمال اور ذہانت ان سے مطلوبہ نتائج اخذ کرنے میں مضمر ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ رسول اللہؐ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے، وہ رواں سوالات کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکا تو آپ نے غیر محسوس انداز میں ایک ایسا سوال فرمایا جس کے جواب نے ساری گتھی کو سلجھا دیا اور آپ

Marfat.com

ایک ایسے نتیجے تک پہنچ گئے، جس کا ان دونوں افراد کو گمان تک نہ تھا اور وہ اپنے تئیں اسے چھپانے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔

جس اصول کے پس منظر میں آپ نے آخری سوال کیا وہ عرب معاشرے میں تجرباتی بنیادوں پر معروف تھا۔ عرب اپنی دعوتوں اور تقاریب میں اونٹ کا گوشت کثرت سے استعمال کرتے تھے اور طویل عرصے کے تجربات نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ ایک اونٹ کا گوشت بالعموم نوّے سے سو افراد کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اسی تجربے کی بنیاد پر آپؐ نے لشکر قریش کی تعداد کا اندازہ لگا لیا اور کسی کو محسوس بھی نہ ہو سکا۔

خیال و عمل میں دل کی مرکزیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ: اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَایَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَادِکُمْ وَلَا اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ. وَقَالَ: اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَاَشَارَ اِلٰی صَدْرِهٖ. (صحیح مسلم:۲۵۶۴، الاسماء والصفات للبیہقی:۱۰۰۱)

”حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ اللہ تمہارے دلوں کی جانب دیکھتے ہیں، آپ نے مزید فرمایا: تقویٰ یہاں ہوتا ہے اور اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا“۔

بدن میں دل کی حیثیت مسلّم ہے، اس کی اہمیت جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی۔ قرآن وسنت میں دل کو ایک سوچنے سمجھنے، فیصلہ کرنے اور غور وفکر کرنے والے عضو کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، علم النفس اور تصوف وسلوک کے ماہرین بھی اپنے اعمال وظائف کا مرکز دل ہی کو قرار دیتے آئے ہیں۔ اسی بنا پر مختلف زبانوں کے محاورے اور ضرب الامثال میں دماغ کے بجائے دل کو بنیاد بنایا گیا ہے، یہ بات بھی اہل علم سے مخفی نہیں کہ محاورے اور کہاوتیں بہت گہرے اور راسخ تصورات کے باعث اہل زبان کے ہاں وجود میں آتے ہیں، چنانچہ معاملہ چاہے جذبات کا ہو یا تدبر وبصیرت کا، ان کا محور دل ہی قرار پاتا ہے۔ خیر وشر کی

Marfat.com

تمیز ہو یا انتخاب و اختیار کا قضیہ، فیصلہ دل ہی سے مانگا جاتا ہے۔

یہ غلط فہمی کہ دل بدن میں محض ترسیلِ خون کا ایک آلہ ہے سائنس دانوں کے ذریعے ہی پھیلی، علم الاعضاء (Physiology) اور تشریح بدن (Anatomi) کے توسط سے بدن کے اندر جھانکنا ممکن ہوا تو بے روح سائنس نے یہ فتویٰ دے دیا کہ بدن میں دل ایک پمپ کی حیثیت رکھتا ہے اور خون کو بدن میں پھیلنے کا وظیفہ انجام دیتا ہے۔ تحقیق و جستجو کا یہ سفر جاری رہا اور بالآخر آج جدید سائنس نے خود اپنے ہی نظریے کی تردید کر دی ہے، کچھ عرصہ قبل سائنس دانوں کے سامنے دل کے کچھ ایسے اعمال اور روپ ظاہر ہوئے ہیں جن کو دیکھ کر سائنس دان حیرت میں ڈوب گئے ہیں، یہ دل کے وہی وظائف ہیں جن کا تذکرہ قرآن و سنت میں کیا گیا ہے اور جو صدیوں سے مختلف زبانوں کی ضرب الامثال میں ذکر ہوتے آئے ہیں۔

کینیڈا سے تعلق رکھنے والے محقق ڈاکٹر کے اینڈریو آرمر نے اس سلسلے میں اپنی تحقیقات کے دوران بالکل ایک نئے طبی شعبے کی بنیاد رکھی ہے، اسے انہوں نے (Neuro Cardiology) ''دل کے دماغی نظام'' کا نام دیا ہے، دورانِ تحقیق انہوں نے دریافت کیا کہ انسانی دل میں بھی دماغ کے مشابہ خلیات پائے جاتے ہیں اور انہی سے مل کر دل میں پایا جانے والا دماغ وجود میں آیا ہے۔ یہ دماغ پورے بدن سے معلومات لے کر اُن کے مناسبِ حال ہدایات جسم کے مختلف اعضا کو جاری کرتا ہے، حتیٰ کہ کھوپڑی میں موجود دماغ سے بھی اس کا رابطہ ہے اور یہ اسے بھی پیغامات جاری کرتا ہے۔

ڈاکٹر آرمر کا کہنا ہے کہ دل کا اعصابی نظام اگرچہ انسانی دماغ سے مل کر کام کرتا ہے، لیکن اس میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ یہ آزادانہ بھی اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے، دل کے اس مطالعے سے یہ علم بھی ہوا ہے کہ دل جسمِ انسانی میں سب سے زیادہ طاقتور برقی مقناطیسی امواج پیدا کرتا ہے جو دماغ کے مقابلے میں بھی زیادہ قوی اور سریع ہوتی ہیں۔ نیز اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا ایک اپنا ہی چھوٹا سا دماغ ہے، ڈاکٹر آرمر اسے (A Little Brain in the Heart) کی اصطلاح سے موسوم کرتے ہیں۔ (فرائیڈے اسپیشل، ۸ جولائی ۲۰۱۱ء، از: ڈاکٹر مشتاق گوہر)

Marfat.com

دل کے متعلق قبل ازیں یہ خیال عام تھا کہ دماغ ہی اسے احکام جاری کرتا ہے اور دل اُن پر عمل درآمد کرتا رہتا ہے، لیکن ۱۹۷۰ء کی دہائی میں بعض امریکی ماہرینِ قلب کی یہ تحقیق سامنے آئی کہ دل اور دماغ کے درمیان محض یکطرفہ رابطہ نہیں بلکہ یہ رابطہ دوطرفہ ہوتا ہے اور دل بھی نہ صرف دماغ کو ہدایات جاری کرتا ہے، بلکہ بسا اوقات دماغ کے حکم کو نظرانداز کر کے اپنی ہی رائے کے مطابق کام کرتا ہے۔

(دیکھیے: American Phychologist-1978، مقالہ دل و دماغ کے درمیان دوطرفہ رابطہ)

اس تحقیق کے شائع ہونے کے بعد بعض اور امریکی سائنس دانوں نے بھی اس کی تصدیق و تائید کی ہے۔ (دیکھیے: از: ڈاکٹر رولن میکریٹی Heart Brain Neurodynamics)، یہ نئی تحقیقات تو بہت بعد میں منظر عام پر آئی ہیں، مگر صادق و مصدوق حضرت محمدؐ نے بہت پہلے دل کی مرکزی حیثیت واضح فرما دی تھی، اگر انسانیت علم نبوت کی خوشہ چینی کرتی تو اسے علمی و عملی میدان میں بے جا عرق ریزی سے نجات مل جاتی۔

Marfat.com

باب چہارم

برقیات

Marfat.com

ترتیب

آواز کی فریکوئنسی ۱۷۳
صوتی آلودگی ۱۷۴
ٹیلی گراف ۱۷۵
شر و فساد اور ہوا کا دوش ۱۷۷
سٹیلائٹ اور ڈش چینلز ۱۷۸
یادداشت کے آلات ۱۷۸
ابلاغی ذرائع کا مثبت اثر ۱۸۰
فضائی آلودگی اور موسمی تغیر ۱۸۱
تابکاری یا زہریلے اثرات ۱۸۲
لیزر شعاعیں ۱۸۵
مدّ و جزر کے بدن پر اثرات
اور بلڈ پریشر ۱۸۷
بلڈ پریشر کی تشخیص ۱۸۹
پیشانی کی اہمیت ۱۸۹
خوشبو کی برق رفتاری ۱۹۲
طویل فاصلوں کو ناپنے کا اصول ۱۹۳
ٹیلی فون، موبائل اور کمپیوٹر کا زمانہ ۱۹۵
لاسلکی ذرائع ابلاغ الیکٹرانک میڈیا ۱۹۶
ٹیلی ویژن کی ایجاد ۱۹۷
بجلی کی رفتار کا قابل پیمائش ہونا ۱۹۹
ایکس ریز شعاعیں اور قوتِ بصارت ۲۰۱
سورج اور مضر اشعاعی موجیں ۲۰۱
آگ اور اس کی جدید صورتیں ۲۰۴
کائناتی شعاعوں کا ردِعمل ۲۰۵
سفید رنگ کی خاصیت ۲۰۷
نظر لگنے کی حقیقت ۲۰۸
نظر اتارے کی توجیہ ۲۱۱
الفاظ کی مادّی تاثیر ۲۱۳
مُہر نبوت ۲۱۶
بصارت کی حقیقت ۲۱۸

Marfat.com

برقیات

آواز کی فریکوئنسی (Frequency)

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِؐ قَالَ: اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ...
فَأَتَاہُ مَلَکَانِ فَاَقْعَدَاہُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ (مُحَمَّدٍ) أَمَّا الْکَافِرُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ، کُنْتُ اَقُوْلُ کَمَا یَقُوْلُ النَّاسُ فَیُقَالُ لَہٗ لَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ ثُمَّ یُضْرَبُ ضَرْبَۃً فَیَصِیْحُ صَیْحَۃً یَسْمَعُھَا کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الثَّقَلَیْنِ. (صحیح بخاری:۱۳۳۸،سنن ابوداؤد:۴۷۵۴)

''حضرت انسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اُسے بٹھا دیتے ہیں، پھر پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص محمدؐ کے بارے میں کیا کہتے ہو، پس جو کافر ہوتا ہے وہ کہتا ہے مجھے تو کچھ پتا نہیں، جیسے لوگ کہتے تھے ویسے ہی کہہ دیتا تھا۔ چنانچہ اُسے کہا جاتا ہے کہ تجھے کچھ جاننے اور پڑھنے کی توفیق نہ ہو پھر اُس کافر کو ایسی چوٹ لگائی جاتی ہے کہ وہ زور سے چیخ اٹھتا ہے، اس کے چیخنے کی آواز کو انسان اور جن کے علاوہ ہر کوئی سنتا ہے۔''

یہ حدیث کچھ ایسی آوازوں کے وجود کی شہادت دے رہی ہے جو فضا میں پھیل جانے کے باوجود انسانوں کو سنائی نہیں دیتیں، باقی ساری مخلوقات ان آوازوں کو سنتی ہیں۔ بجا طور پر یہ حدیث فضائے بسیط میں قدرت کے ایک مظہر کو ثابت کر رہی ہے۔ بہت زمانے کے بعد سائنس نے دریافت کیا اور جسے آواز کی فریکوئنسی کہا گیا، ساتھ ہی یہ علم بھی ہوا کہ ہر آواز کی فریکوئنسی الگ ہوتی ہے جو اپنی مخصوص قوتِ سماعت کی حدود میں ہی سنی جا سکتی ہے، قوتِ سماعت کی حدود اور آواز کی فریکوئنسی میں موافقت نہیں ہوگی تو آواز کا سننا ممکن نہ ہوگا۔

Marfat.com

حدیث آوازوں کی فریکوئنسی اور اُس کے درجات وتفاوت دونوں کو ثابت کر رہی ہے۔

صوتی آلودگی (Noise Pollution)

عَنْ اَبِی اُمَامَۃَؓ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ بِقَبْرَیْنِ فَقَالَ اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ اِنَّ اَحَدَھُمَا لَایَنْتَزِہُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْآخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ فَقَالَ: لَوْلَا تَمْرِیْغُ قُلُوْبِکُمْ وَتَزَیُّدُکُمْ فِی الْحَدِیْثِ لَسَمِعْتُمْ مَا اَسْمَعُ. (مسند احمد، الرسالۃ: ۲۲۲۹۲، صریح السنہ، از: امام طبری: ۴۰)

''حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا، آپؐ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے جرم میں نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک پیشاب سے بچنے میں محتاط نہیں تھا اور دوسرا چغلیاں کرتا تھا۔ آپؐ نے مزید فرمایا: اگر تمہارے دلوں کے مضطرب ہونے اور (پریشانی میں) زیادہ باتیں کرنے کا خدشہ نہ ہوتا تو تم بھی یہ آوازیں سُن سکتے، جیسے میں سُن رہا ہوں''۔

حدیث کے آخری جملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خوفناک اور پریشان کن آوازیں دل و دماغ کے لیے سخت نقصان دہ ہوتی ہیں ان کی مسلسل سماعت کے باعث طبیعت میں اضطراب بڑھتا ہے اور ذہنی پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس سے بھی بڑے خدشے کا اظہار رسول اللہؐ نے ایک اور حدیث میں یوں فرمایا ہے:
حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ بنی نجار کے احاطے سے گزر رہے تھے، آپؐ اپنے خچر پر سوار تھے کہ وہ اچانک بدک گیا۔ آپؐ نے فرمایا: یہاں قبروں میں کچھ لوگوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور اُن کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ تم گھبرا کر اپنے مُردوں کو دفنانا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذابِ قبر کی آوازیں سنوا دے۔ (مسند البزار: ۶۶۰۲، موارد الظمآن: ۷۸۵)

ان احادیث میں رسول اللہؐ نے ان عوارض اور ذہنی وجسمانی مسائل کی جامع نشاندہی

Marfat.com

فرمادی ہے جو ناموافق اور دہشت ناک آوازیں سننے سے پیدا ہو جاتے ہیں، آج سائنسی ماہرین بھی ان حقائق کا اعتراف کر رہے ہیں اور انہوں نے آوازوں کے معیارِ سماعت کی درجہ بندی اور موافق و ناموافق اصوات کو ناپنے کا ایک فنی پیمانہ بھی متعارف کرادیا ہے، جسے علم آواز کی روشنی میں (Decibel) ڈیسی بل یا فون (Fon) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ہندسی معیار ہے جس سے آوازوں کی شدت وضعف کو پرکھا جاتا ہے۔ صوتیات کے علما کا کہنا ہے کہ ۶۰ سے ۹۰ ڈیسی بل درجے کی آوازیں بہت سارے نفسیاتی اور اعصابی تکالیف کو جنم دیتی ہیں اور ۱۲۰ ڈیسی بل یا اس سے اوپر کی آوازیں تو آلہ سماعت کو براہ راست متاثر کرتی ہیں اس درجے کی آوازوں کی مسلسل سماعت سے بہرہ پن کی شکایت عام ہوتی جارہی ہے۔ یہ رسول اللہؐ کی اپنی امت پر شفقت اور مہربانی ہے کہ آپؐ نے انسانی حدودِ سماعت کی نشاندہی بھی فرمادی اور لوگوں کو کائنات میں موجود ناموافق آوازوں سے بھی محفوظ فرمادیا۔ اس سلسلے میں سائنس کو علم نبوی کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ (دیکھیے: مقالہ، صوتی آلودگی، وکی پیڈیا)

ٹیلی گراف (Telegraph)

عَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّ الْحَارِثِ بْنَ هِشَامٍ ؓ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَاتِيْكَ الْوَحْيُ فَقَالَ: اَحْيَانًا يَاتِيْنِي مِثْلُ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ.

(صحیح بخاری: ۲، التوحید، از: ابن خزیمۃ: ۲۱۶)

وَفِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ: كَاِمْرَارِ السِّلْسِلَةِ عَلَى الصَّفْوَانِ.

(دلائل النبوۃ از: امام بیہقی، ۲/ ۲۴۰)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا: آپؐ پر وحی کیسے آتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کبھی کبھار اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹی بجنے کی آواز ہو۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس سے مروی حدیث میں نزول وحی کے بارے میں بتایا گیا ہے، جیسے سخت چٹان پر زنجیر گھسٹنے کی آواز ہوتی ہے''۔

Marfat.com

احادیث کے یہ مذکورہ جملے کیفیتِ وحی کی وضاحت کر رہے ہیں، آپؐ پر وحی کے نزول کے انداز ایک سے زائد اور مختلف تھے، ہم نے اپنے موضوع کی مناسبت سے صرف ایک نوعیت کا تذکرہ کیا ہے، باقی طریقوں کے متعلق جاننے کے لیے صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث کا مکمل مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

پہلی حدیث میں وحی کے طریقے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جس طرح گھنٹی بجنے کی آواز آتی ہے، گاہے وحی بھی بالکل اسی طرح اترتی تھی، دوسری حدیث میں وحی کی تعبیر زنجیر کی آواز سے کی گئی ہے، دونوں میں ایک نوع کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ جو آواز کے تسلسل اور اُس کے درمیان فاصلوں کے تتابع (Sequence) کو ظاہر کرتی ہے۔

حتمی طور پر ہم یہ قیاس تو نہیں کر سکتے کہ اس حدیث پر غور وخوض کے نتیجے میں کسی سائنسی ایجاد کی بنیاد رکھی گئی ہوگی، البتہ قوانینِ فطرت میں طبعاً جو مماثلت پائی جاتی ہے اس کی رو سے نظر دوڑائیں تو ایک دلچسپ حقیقت سامنے آتی ہے۔

برق کی دریافت کے بعد ۱۸۳۱ء میں جب ٹیلی گراف ایجاد ہوا تو اس کی ابتدائی شکل بالکل گھنٹی پر مبنی ہوتی تھی۔ اس میں ایک برقی سگنل تار کے ذریعے دوسرے سرے تک بھیجا جاتا تھا اور دوسرے سرے پر لگی ہوئی گھنٹی بج اٹھتی تھی، پھر ان گھنٹیوں کی آوازوں کے درمیان مناسب فاصلوں اور وقفوں کو مختلف حروف وکلمات کے مقابل قرار دے کر پیغام کی عبارت ترتیب دی جاتی تھی، آپریٹر گھنٹی کی تعداد، آواز میں وقفوں اور فاصلوں کے فرق سے پیغام سمجھ جاتا تھا۔

اگر وحی کے لغوی معنے ''خفیہ اشارے'' کو پیشِ نظر رکھیں تو یہ قربت اور گہری معلوم ہوتی ہے، کیونکہ دونوں کے اشارات کو کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا اور دونوں ایک لحاظ سے مخفی اشاروں پر مبنی پیغام رسانی ہے۔

تار کا یہ نظام ۱۹۸۰ء کی دہائی تک کامیابی سے چلتا رہا، پھر نئے لاسلکی برقی آلات کی ایجاد سے بالآخر متروک ہوگیا۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس برقی پیغام رسانی کی ترکیب سائنس دانوں نے گزشتہ صدی میں دریافت کی، اُس کی بنیاد نظامِ کائنات میں موجود تھی اور

Marfat.com

رسول اللہؐ نے اُس کی عملی صورت کی وضاحت بھی فرما دی تھی۔

شر و فساد اور ہوا کا دوش (On air program)

عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ: اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا یَلِجُ فِی اللَّیْلِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَلِجُ فِی النَّھَارِ وَمِنْ شَرِّ مَاتَھُبُّ بِہٖ الرِّیَاحُ وَمِنْ شَرِّ بَوَائِقِ الدَّھْرِ. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۶۵۶)

''حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے اللہ میں تجھ سے رات کی تاریکی میں داخل ہونے والے اور دن کی روشنی میں نفوذ کرنے والے شر سے پناہ چاہتا ہوں اور اُس شر سے بھی پناہ کا طالب ہوں جسے ہوائیں لے کر چلتی ہیں اور گزرتے دنوں کے شر و فساد سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

یہ حدیث ایک دعا ہے جس میں رسالت مآبؐ نے اپنے رب کے حضور بعض چیزوں سے پناہ کی استدعا کی ہے، دن اور رات میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ کوئی شر بلا توقف اور تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہے، نیز ہواؤں کے دوش پر سفر کرنے اور گردشِ زمانہ کے ساتھ نمودار ہونے والے شر و فساد کی صورتیں اگرچہ کئی ایک ہو سکتی ہیں، لیکن ان میں سے ایک شکل آج مقتضائے حدیث اور رسولؐ کے الفاظ مبارک کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے، آج ہواؤں کے ہم رکاب یا On air موجودہ وسیع و عریض تخریبی مواد اس کا مصداق ہے جو مختلف فلموں، ڈراموں اور سمعی و بصری میٹریل کی صورت میں ہر ٹیلی ویژن موبائل اور کمپیوٹر کی اسکرین پر دستیاب ہے۔

ہوا کی پشت پر سوار یہ ریڈیائی برقی لہریں ہی دراصل آج فکری و عملی، اخلاقی و اعتقادی مفاسد کو پھیلانے کا سب سے سریع الاثر ذریعہ ہیں۔ حدیث کے آخری الفاظ اشارہ کرتے ہیں کہ یہ شر و فتنہ گری گزرتے زمانے کے ساتھ ساتھ روز افزوں ہوگی اور اگر اللہ کی رحمت شاملِ حال نہ ہو تو شاید کوئی اس سے نہ بچ سکے اسی بنا پر رسول اللہؐ نے اللہ رب العزت کے دامنِ عافیت میں پناہ کی درخواست کی ہے، ان جدید بصری آلات کے فوائد جتنے بھی گنوا

Marfat.com

دیے جائیں، مگر تا حال ان میں شر و ابتلا کا پہلو ہمیشہ غالب ہی دیکھا گیا ہے۔ ان کا تیزی سے بڑھتا ہوا دائرۂ استعمال اور اثر و نفوذ دیکھ کر الفاظِ حدیث کی صداقت دوچند ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔

سٹیلائٹ اور ڈش چینلز

وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ بْنِ الْيَمَانِ: قَالَ لَيُوشِكَنَّ اَنْ يَّصُبَّ عَلَيْكُمْ شَرٌمِّنَ السَّمَاءِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْفَيَافِي. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۸۵۵۴، سنن الفتن از: ابوعمرو الدانی: ٦٦)

''حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں: عنقریب تمہارے اوپر فضا سے شر و فساد کی بوچھاڑ ہوگی، یہاں تک کہ (اس کا حملہ) بیابانوں تک جا پہنچے گا''۔

اصولِ حدیث کی رو سے مذکورہ جملے سنداً مرفوع نہیں ہیں، تاہم محدثین کی رائے میں مستقبل کے بارے میں ایسی پیش گوئی صحابی اپنی جانب سے نہیں کر سکتے، اس لیے اس حدیث کو درجے کے لحاظ سے مرفوع ہی شمار کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں فضا کی بلندیوں سے شر کی بارش برسنے اور دور دراز بیابانوں تک پہنچ جانے کے الفاظ پر ذرا غور کریں تو فوری طور پر ذہن مواصلاتی سیاروں کے اُن سگنلز کی طرف ملتفت ہو جاتا ہے جو واقعتاً آج انسانوں سے بھرے شہروں سے نکل کر جنگلوں اور صحراؤں میں بھی اپنا تسلط قائم کر چکے ہیں۔ کرۂ خاکی کا کوئی گوشہ بھی ان کی دسترس سے محفوظ نہیں رہا۔ بہت سارے فطری محاسن اور تہذیبی خوبیاں رکھنے والے بدوی معاشرے بھی آج ان چینلز کی بدولت دَم توڑ رہے ہیں اور نت نئی رنگینیوں کے دامِ تزویر میں پھنستے جا رہے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر حدیث کی معجز بیانی ثابت ہوتی ہے جس میں ان برقی لہروں کو آسمان سے ہر جگہ برسنے والے شر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یادداشت کے آلات (Memory Card)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يوماً (يَوْمَئِذٍ

Marfat.com

تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا... الزلزال:۴)

فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَخْبَارُهَا قَالُوا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ: فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا.

(سنن ترمذی: ۲۳۵۰، مستدرک امام حاکم: ۳۰۱۲)

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ''وہ دن جب زمین اپنی ساری خبریں بتا دے گی'' پھر پوچھا کیا تمہیں پتا ہے، زمین کی باتیں کیا ہوں گی؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: زمین یہ بتا دے گی کہ اُس کی پشت پر انسانوں نے کیا حرکات کیں''۔

اعتقادی طور پر تو مسلمان ہمیشہ سے اللہ کی قدرت، دسترس اور علم پر ایمان کو ضروریات دین میں شمار کرتے ہیں، یہ بھی ایمان کا حصہ ہے کہ اللہ اسباب کا محتاج نہیں بلکہ وہ بلا سبب ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ البتہ جب سے سائنسی اور علمی دریافتیں وجود میں آ رہی ہیں تب سے یہ اعتقادات نظری دائروں سے نکل کر عملاً بھی آسان فہم ہو گئے ہیں، صوتی اور تصویری ریکارڈ کی بے شمار اشیا اس وقت انسانوں کے زیر استعمال ہیں اور آئے دن ان میں جدت پیدا ہو رہی ہے اور بتدریج ان کا حجم چھوٹا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ تمام اشیا اسی زمینی مواد سے بنائی جاتی ہیں جس پر انسان زندگی گزارتے ہیں۔

برق و روشنی کو جب سے انسان نے برتنا سیکھا ہے، عکس و آواز اور تصویر و حروف کا مفہوم ہی بدل گیا ہے اور ان پر مبنی حرکات و سکنات کو محفوظ کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اب ذرا غور فرمایئے کہ جس زمینی مواد (Material) سے تمام قسم کے یادداشتی آلات (Memory Card) وغیرہ بنائے جا رہے ہیں۔ اس میں ریکارڈ محفوظ کرنے کی صلاحیت نہ صرف ہمیشہ سے تھی بلکہ ہمیشہ رہے گی، انسان نے تو صرف اس صلاحیت کو دریافت کیا ہے چنانچہ خالقِ کائنات کے لیے کیا مشکل ہو گی کہ وہ اسی زمین سے انسانی کردار و عمل کی ساری کارستانی اگلوا لے جو اسی زمینی مواد اور اس پر موجود برق و نور نے اپنے اندر سمیٹ رکھی ہو۔

Marfat.com

بعض سائنسی رپورٹس میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۷۱ء میں کیلیفورنیا یونیورسٹی کے پروفیسر لیون جوانے ایک ایسا برقی سرکٹ "Memoristor" ایجاد کر لیا ہے جس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ برقی رو منقطع ہو جانے کے باوجود بھی وہ اپنی یادداشت محفوظ رکھ سکے گا۔ اس خوبی کی بنا پر اس میں معلومات ذخیرہ کرنے کی بے پناہ استعداد اور ہمہ وقت فعالیت پائی جائے گی۔ (’ایجادات‘ سنڈے ایکسپریس ۲۱ر اکتوبر ۲۰۱۲ء)

آج کل کے یادداشتی آلات بالکل اسی اصول پر کام کر رہے ہیں، وہ بھی اپنے حافظے کو برقرار رکھنے کے لیے کسی برقی رو کے محتاج نہیں ہوتے۔

ابلاغی ذرائع کا مثبت اثر

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِؐ، لَایَبْقٰی عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ مَدَرٌ وَّلَا وَبَرٌ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ. (سنن کبری بیہقی: ۱۸۴۰۰، صحیح ابن حبان: ۶۶۹۹)

’’حضرت مقداد بن اسودؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریمؐ کو سنا، آپؐ نے فرمایا: اس سرزمین کی پشت پر کوئی شہر اور کوئی دیہات ایسا نہیں بچے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کی دعوت داخل نہ فرما دیں، خواہ کسی مقتدر کی قدرت کے ذریعے یا کسی کمزور کی ضعیفی کے سبب‘‘۔

جدید اور سریع الاثر ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی آلات کی ہمہ گیری اور وسعت کی طرف جس طرح گزشتہ حدیثوں میں اشارہ کیا گیا ہے اس حدیث میں بھی بالکل اسی طرح کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ حدیث مواصلاتی ذرائع اور ابلاغی میکانیات کے مثبت اثرات کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہر شر میں کوئی نہ کوئی خیر بھی پایا جاتا ہے۔ اس وقت ٹیلی ویژن چینلز اور انٹرنیٹ کی کیفیت یہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی تبلیغ اسلام اور دعوت توحید ان کے ذریعے ہر قریہ و شہر میں پہنچ رہی ہے، اگر اس طرح لوگ دینِ اسلام کی طرف راغب نہیں ہو رہے تو اسلام کے خلاف زہریلے

Marfat.com

پروپیگنڈے کے نتیجے میں لاتعداد افراد حق اور سچائی جاننے کے لیے اسلام کا مطالعہ کر رہے ہیں اور نتیجتاً اس کی فطری اور پرکشش تعلیمات سے متاثر ہو رہے ہیں۔

گزشتہ ڈیڑھ عشرے میں یہ بات کثرت سے سامنے آئی ہے کہ اس دوران اسلام قبول کرنے والے ہزاروں افراد مسلمانوں کی دعوت یا کردار کے نتیجے میں مسلمان نہیں ہوئے بلکہ ذرائع ابلاغ میں اسلام کے خلاف مسموم پرچار کے باعث اصل اسلام کو جاننے کے آرزومند ہوئے اور پھر دل ہار کر اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ اوپر حدیث کے مطابق اللہ کی خصوصی مشیت کے تحت انہی ابلاغی وسائل کے ذریعے ہوا اور کسی مقتدر کی قدرت رکاوٹ نہ ڈال سکی۔

فضائی آلودگی اور موسمی تغیر (Pollution)

عَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: لَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ قَبْلَهَا... الدُّخَانُ. (مسند ابوداؤد الطیاسی:۱۱۶۳، معجم کبیر، از: طبرانی:۲۹۵۹)

''حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: قیامت قائم ہونے سے پہلے اُس کی نشانیوں میں ایک دھواں ہوگا (جو فضا میں پھیل جائے گا)''۔

یہ حدیث بالکل بدیہی طور پر اُس فضائی آلودگی کا تذکرہ کر رہی ہے جس کا آجکل ہر طرف چرچا ہے۔ دنیا میں جدید صنعتی انقلاب ابتدا میں بہت خوش کن تھا، کیونکہ اس کے ذریعے نہ صرف بے پناہ دولت کا حصول ممکن ہوا بلکہ زندگی میں آسائش وسہولت کا چلن عام ہوا۔ بے روزگار افراد باعزت اور باکفایت معاش سے وابستہ ہوگئے اور زندگی کی رفتار تیز ہوگئی۔ انسان کی یہ صنعتی زندگی مشینوں کی ایجاد کی بدولت وجود میں آئی، مشینوں کو چلانے کے لیے اگرچہ اب کئی ذرائع زیر استعمال ہیں تاہم آغاز کار میں مشینوں کو حرکت دینے کے لیے معدنی کوئلے اور تیل کو جلا کر قوت حاصل کی جاتی تھی۔ توانائی کے حصول کے لیے یہ دونوں ذرائع آج بھی کثرت سے مستعمل ہیں، اگر موٹر گاڑیوں کی بے محابا پیداوار نے معدنی تیل کے استعمال میں زبردست اضافہ کر دیا ہے تو صنعتوں اور لاکھوں کارخانوں میں گیس تیل اور

Marfat.com

کوئلے کی ضروریات بہت بڑھ گئی ہیں، یہ سب انسانی سرگرمیاں فضا میں دھویں اور آلودگی کا باعث بن رہی ہیں۔ اور یہ مسئلہ علاقائی نہیں بلکہ عالمی سطح کا ہے جس کی شدت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ حدیث میں قربِ قیامت جس دھویں کا تذکرہ کیا گیا یہ ساری صنعتی تاریخ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آلودگی الفاظ حدیث کے اولین اطلاعات میں شامل ہو سکتی ہے۔ (دیکھیے: گرین ہاؤس ایفیکٹ، از: راشدہ ریاض، ص ۲۰۔۲۴)

ماحولیات کے ماہرین آجکل کثرت سے متنبہ کر رہے ہیں کہ فضائی آلودگی کے باعث دنیا میں موسمیاتی تغیرات واقع ہو رہے ہیں جن میں بارشوں کی قلت اور خشک سالی میں اضافے کی صورتیں بہت نمایاں ہیں۔ اگر فضائی آلودگی اور قحط سالی میں کوئی تعلق موجود ہے تو حدیث نبوی میں ایک واقعہ اس بات کو مزید تائید فراہم کرتا ہے جو صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں:

"جب قریش نے حضور اکرم ﷺ کی دعوتِ توحید کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ نے اُن پر حضرت یوسفؑ کی قوم پر آنے والی قحط سالی کی مانند عذاب کی بددعا کی، قحط کی صورت حال یہ ہوئی کہ قریش مردار اور ہڈیاں تک کھانے پر مجبور ہو گئے بارشیں بند ہو گئیں اور آسمان پر دھواں دھواں سا نظر آنے لگا"۔

(صحیح بخاری: ۴۷۷۴)

اس زمانے میں اس دھویں کا سبب کچھ بھی رہا ہو تاہم یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ فضا میں دھواں پھیلنے اور بارشوں کی بندش میں کوئی مناسبت ضرور موجود ہے۔

تابکاری (Radiation) یا زہریلے اثرات

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَاصٍؓ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ حِیْنَ مَرَّ بِدِیَارِ ثَمُوْدَ بِالْحِجْرِ قَالَ: لَا تَشْرَبُوا مِنْ مَائِهَا شَیْأً وَلَا تَتَوَضَّؤُا مِنْهُ لِلصَّلَاةِ. وَقَالَ: لَاتَدْخُلُوا عَلٰی هٰؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِیْنَ وَسَجّٰی ثَوْبَهُ عَلٰی وَجْهِهٖ.

(صحیح بخاری: ۳۱۹۸/ ۴۴۱۹، صحیح مسلم: ۲۹۸۱)

Marfat.com

وَقَالَ: أَكفئوا الْقُدُورَ وَامَرَ بِالْعَجِيْنِ فَرُمِیَ.

(صحیح ابن حبان: ۶۲۰۳، معجم الاوسط طبرانی: ۴۵۶۵)

''حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہؐ جب حجر کے مقام پر قومِ ثمود کی بستیوں سے گزرے تو آپؐ نے فرمایا: یہاں کے پانی سے کچھ مت پینا اور نہ ہی اس سے نماز کا وضو کرنا، آپؐ نے مزید فرمایا: ان عذاب یافتہ لوگوں کے ہاں مت داخل ہونا اور آپؐ نے اس موقع پر رومال سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور فرمایا کہ اپنی ہانڈیاں اُلٹا دو، پھر آپؐ نے (اس پانی سے) گوندھے ہوئے آٹے کو بھی پھینک دینے کا حکم دیا''۔

حدیث میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود اور ان کی بستیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ نبی کریمؐ غزوۂ تبوک سے واپسی پر اس علاقے سے گزرے تھے، یہ حجاز سے کم وبیش چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، آج بھی ان بستیوں اور محلات کی ساخت اور مضبوطی عہدِ رفتہ میں اپنی شان وشوکت کی عکاسی کرتی ہے۔ قرآن پاک کے متعدد مقامات پر قومِ ثمود کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ان کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ نے جو عذاب اس قوم پر مسلط فرمایا اسے قرآن پاک میں تین اہم الفاظ سے یاد کیا گیا ہے:۔

۱۔الصیحة......الحجر۔ ۲۔الصاعقه.....فصلت:۱۷،

۳۔الطاغیة......الحاقۃ:۵

مفسرین کے نزدیک ''صیحۃ'' ایک ناقابلِ برداشت آواز کو کہتے ہیں جو دل ہلا دینے والی چیخ اور چنگھاڑ کے مشابہ ہو۔ اور صاعقہ اس گرج اور بجلی کی ایسی تیز چمک کو کہا جاتا ہے جو نظروں کو خیرہ کردے اور کانوں کے پردے پھاڑ دے۔ تیسرا لفظ الطاغیہ کا اطلاق بطور صفت انتہائی شدید اور حد سے تجاوز کرنے والے کسی بھی عذاب پر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ تمام اہل تفسیر کی رائے یہی ہے کہ قومِ ثمود پر آنے والے عذاب میں دلوں کو شق کر دینے والی ہولناک آواز، زلزلہ اور بادلوں کی خوفناک گھن گرج کے ساتھ آگ برساتی بجلیاں بھی تھیں، ان سب چیزوں نے آنِ واحد میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو خاکستر بنا کر رکھ دیا۔

(البحر المحیط، از: ابی حیان، ۵/ ۹۷، تفسیر ابن کثیر ۸/ ۲۰۴)

Marfat.com

الفاظ کی معنوی تعبیر کی حد تک ہم عذابِ الٰہی کی اس شکل کو سمجھ سکتے ہیں، ورنہ اُس کی حقیقی صورت گری کیونکر نمودار ہوئی ہوگی، اس میں کائنات کے مادّی قوانین کے تابع یا اس سے بھی ماوراء قوتوں نے کیا کردار ادا کیا ہوگا اور اس قدر شدت اور قوت کس طرح وجود میں آئی ہوگی یہ سب ایسے سوالات ہیں جن کی حقیقی کیفیت تک انسانی علم کی دسترس نہیں ہے۔ تاہم طاقت و توانائی کی موجودہ سائنس کی بدولت اس نوع کی بربادی اور تباہی کی کچھ جھلکیاں انسانی آنکھ نے ضرور دیکھ لی ہیں۔ دنیا میں ہونے والے ایٹمی دھماکوں کے اثرات اس کی ایک مثال ہوسکتے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قدرت حق کے لیے اس سے بھی بڑی اور تباہ کن توانائی پیدا کرنا کچھ بعید نہیں، جس کے مہلک اثرات بھی زیادہ طویل المیعاد ہوں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ آسمانی عذابوں میں کچھ ایسا بھی ہوتا رہا ہے۔

۱۹۶۴ء میں کچھ جرمن ماہرینِ آثار قدیمہ نے تحقیق کے بعد واضح کیا کہ قومِ لوط کے عذاب میں زلزلہ، بجلی، قدرتی گیس کا انفجار اور آتش فشانی دھماکوں کے ساتھ آتش زدگی بھی شامل تھی۔ (دی بائبل ایز ہسٹری آ کنفرمیشن آف بک آف بکس: ۷۵۔۷۶، نیویارک ۱۹۶۴ء)

بلاشک دوسرے عذابوں کی بھی یہی صورت ہوسکتی ہے۔ اس ظاہری بنیاد پر اب ان وجوہات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ غالباً جن کے سبب نبی کریمؐ نے دیارِ ثمود کے کنوؤں اور چشموں کا پانی پینے، اُس سے وضو کرنے، آٹا گوندھنے اور کھانا پکانے سے منع فرما دیا تھا اور اس پانی سے آلودہ اشیاء خورد و نوش ضائع کرنے کا حکم جاری کیا تھا، نیز اپنا چہرۂ مبارک بھی چادر سے ڈھانپ لیا تھا۔

دل میں یہ گمان گزرتا ہے کہ شاید ایسا اُن زہریلے اور مہلک اثرات کے باعث کیا گیا تھا جس کی قریب ترین شکل آجکل بیان کی جانے والی تابکاری کو قرار دیا جاسکتا ہے جو ایک طویل زمانے تک جوہری انشقاق کے مقام پر باقی رہتی ہے، قیاساً یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ اگر انسانی تگ و دو کے نتیجے میں ذرّاتی توانائی کی ہلاکت آفرینی کا یہ عالم ہوسکتا ہے تو کائنات میں موجود اس سے کئی گنا عظیم توانائیوں کے اثرات زیادہ تباہ کن اور دیرپا بنیاد پر خطرناک ہوسکتے ہیں۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ممانعت کا وہ حکم جاری فرمایا جس کی تفصیل حدیث

Marfat.com

میں ہم پڑھ چکے ہیں، اس ممانعت کی جو اخلاقی اور دینی وجوہات ہو سکتی ہیں وہ بھی کچھ زیادہ مخفی نہیں، ان کی تفصیل میں جانا سردست ہمارا موضوع نہیں۔

بعض دوسری احادیث سے صراحتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرض طاعون کے جراثیم بھی دراصل بنی اسرائیل پر اللہ کے عذاب کے باقیات میں سے ہیں اور طاعون کی زہرناکی کا حال سب کو معلوم ہے، اسی طرح عین ممکن ہے کہ قومِ ثمود پر آنے والے عذابوں کے زہریلے بقایاجات بھی ان کی بستی کی آب و ہوا میں موجود ہوں اور اسی بنا پر آنحضرتؐ نے مذکورہ بالا ممانعت جاری فرمائی ہو۔ (صحیح مسلم:۲۲۱۸)

لیزر شعاعیں (Laser)

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ اِنْ کَانَ فِی شَئٍ مِّنْ اَدْوِیَتِکُمْ خَیْرٌ فَفِی شَرْطَةِ مِحجَمٍ اَوْشَرْبَةِ عَسَلٍ اَوْلَذْعَةٍ بِنَارٍ تُوَافِقُ الدَّاءَ وَمَا اُحِبُّ اَنْ اَکْتَوِیَ. (صحیح بخاری:۵۶۸۳،صحیح مسلم:۲۲۰۵)

''حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: اگر تمہارے کچھ علاجوں میں خیر ہے تو وہ حجامہ کے نشتر میں ہے یا شہد پینے اور آگ کے ہلکے سے جھلساؤ میں ہے۔ (بشرطیکہ) یہ بیماری کے عین مطابق ہوں اور مجھے داغ لگوانا پسند نہیں''۔

حدیثِ مذکورہ میں طریقہ ہائے علاج کے بارے میں بہت گہری اور جامع باتیں کہی گئی ہیں، سردست ہمارا موضوع تیسرے نمبر پر بیان کیا جانے والا طریقۂ علاج ہے، جسے آجکل کی لیزر ٹیکنالوجی کی قدیم شکل کہا جاسکتا ہے۔ ابتدائی دونوں طریقوں کی حکمت پر بھی ہم آخر میں گفتگو کریں گے۔

لفظ لیزر دراصل Light Amplification by Stimulated Emission of Radiation کا مخفف ہے اور جسے روشنی کی قوت کو کئی گنا بڑھا کر کسی چیز پر مرتکز کرنے کے مفہوم سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ روشنی درحقیقت حرارت ہی کی ایک قسم ہے جسے آجکل جدید ترکیزی آلات

Marfat.com

کے ذریعے بہت ساری ٹھوس اشیا میں نفوذ کرنے یا اندر ہی اندر جلا کر بھسم کر دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (ایجادات اور دریافتیں: ۱۵۸۔۱۶۰)

انسانی بدن کے اندر پائے جانے والے سرطان، ناسور اور فساد زدہ زخموں کے جراثیموں کو بھی اس ذریعے سے ختم کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں اطبا یہ کام آگ کے براہِ راست استعمال سے کیا کرتے تھے۔ آہنی آلات کو آگ میں سرخ کر کے بدن کے متعلقہ حصے پر لگا دیا جاتا تھا۔ یہ طریقۂ علاج بظاہر بھی خاصا اذیت ناک تھا اور بسا اوقات مریض کو اصل مرض سے اس قدر تکلیف نہیں ہوتی تھی، جتنی شدید تکلیف وہ داغنے کے نتیجے میں برداشت کرتا تھا۔ پھر اس میں جتنی اعلیٰ درجے کی مہارت درکار تھی وہ ہر جگہ میسر نہ تھی۔ اگرچہ خود آنحضرتؐ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے بعض زخموں کے لیے داغ دینا تجویز کیا اور اس پر خود عمل بھی فرمایا۔ لیکن بالآخر آپؐ نے اس طریقے کو ناپسند قرار دیا اور اس کے مقابلے میں آپؐ نے اسی طریقۂ علاج کی ایک ذرا خفیف اور ہلکی شکل متعارف فرمائی، جس کا تذکرہ اوپر حدیث میں لَذْعَةٌ بِنَارٍ کے الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ بھی اوپر گزر چکا ہے۔ غور فرمائیں تو آپؐ کی یہ تجویز آج کی لیزر ٹیکنالوجی کی بنیاد قرار پاتی ہے۔ بجلی کے کرنٹ لگانا بھی اس کے زمرے میں آتا ہے، اس میں براہِ راست آگ کی تباہ کاری بھی نہیں ہے اور داغ دینے کے مقابلے میں شفا کا امکان بھی زیادہ ہے۔ اصل قابلِ توجہ نکتہ یہی ہے کہ مرض کے جراثیموں کو جلا کر ختم کرنے کے بجائے مرتکز شکل میں تپش اور ہلکے جھلساؤ کے ذریعہ بھی فنا کیا جا سکتا ہے۔

علاج کے بنیادی طریقے اور مہارت: حدیثِ بالا میں علاج کے دو اور طریقوں کی بھی تعریف کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک حجامت، پچھنے لگوانا ہے اور دوسرا مشروب شہد کا پینا ہے۔ اس سلسلے میں حافظ ابن قیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے معروف اطبا کے حوالے سے جو توجیہات ذکر کی ہیں، ہم ان کا خلاصہ یہاں بیان کر رہے ہیں۔

بدن میں جو امراض اخلاط کے مقید ہو جانے کے سبب جنم لیتے ہیں اُن کی اقسام چار ہی ہوتی ہیں۔ خونی، صفراوی، سوداوی اور بلغمی۔ دموی امراض میں خون کا اخراج ہی نافع ہوتا

Marfat.com

ہے، خون نکالنے کے لیے حجامہ اور فصد کا طریقہ رائج ہے اور نبی کریمؐ نے اسی جانب کئی احادیث میں اشارہ فرمایا ہے، جن میں سے بعض کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ باقی تینوں اقسام کے امراض میں وہ دوائیں نفع مند ہوتی ہیں جو بذریعہ اسہال فاسد مواد کو خارج کر دیں اور بدن میں کمزوری اور نقاہت کا احساس بھی نہ ہو، اس صلاحیت میں شہد کا پینا سب سے زیادہ اکسیر ہے، جس میں جراثیم کشی کے علاوہ اندرونی ورم اور زخموں کو ٹھیک کرنے کی خاصیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اگر یہ طریقے اور دوائیں کارگر ثابت نہ ہوں تو آخر میں ''دَکئ'' یعنی داغ دینے کا درجہ آتا ہے، گویا داغ دینا بحالتِ مجبوری اختیار کیا جا سکتا ہے۔

(الطب النبوی، از امام ابن قیم، ص ۵۰۔ فتح الباری، از: حافظ ابن حجر ۱۰/۱۴۱)

اوپر ذکر کی گئی حدیث کا آخری جملہ بھی توجہ طلب ہے، جس میں آنحضرتؐ نے ان علاجی طریقوں کا بیماری کے لیے موافق ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس موافقت کے لیے ضروری ہے کہ معالج درست تشخیص کرنے میں ماہر ہو اور مرض کی نوعیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حجامہ، فصد، مسہلات میں سے مناسب ترین علاج تجویز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اگر کسی مریض کے لیے حجامہ تجویز کیا جائے تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ مرض کے ازالے کے لیے حجامہ بدن کے کس حصے میں مفید ہوگا اور اگر دست آور ادویہ دینا ہیں تو اُن کی کتنی مقدار مرض کے خاتمے کے لیے ضروری ہوگی۔

مدّ و جزر کے بدن پر اثرات اور بلڈ پریشر

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: اِنَّ خَیْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِیْهِ یَوْمَ سَبْعَ عَشْرَۃَ وَیَوْمَ تِسْعَ عَشْرَۃَ وَیَوْمَ اِحْدٰی وَّعِشْرُوْنَ لَا یَتَبَیَّغُ بِاَحَدِکُمُ الدَّمَ فَیَقْتُلُهٗ. (سنن ابوداؤد: ۳۸۶۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۸۴)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: بے شک حجامہ کے لیے سب سے اچھا دن (چاند کی) سترہ یا انیس اور اکیس تاریخ ہیں (دیکھنا) تم سے کسی کا خون اتنا جوش میں نہ آ جائے کہ اسے ہلاک کر ڈالے''۔

Marfat.com

گزشتہ حدیث میں حجامہ کے طبی فوائد کے بعد اس حدیث میں حجامہ سے متعلق کچھ اور سائنسی حقائق کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حجامہ کے اوقات کا تعین قابل توجہ ہے۔ اس بارے میں قمری مہینے کی ۱۷، ۱۹، اور ۲۱ تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تینوں تاریخیں دوسرے پندرھواڑے کی ہیں۔ تاریخوں کے اس انتخاب میں ایک معروف تجرباتی حقیقت کی طرف اشارہ نظر آتا ہے، جیسے ساحلوں پر آباد لوگ بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ سمندر کا پانی ہر قمری مہینے کے پہلے پندرہ دنوں میں بتدریج بڑھتا ہے اور اس کی موجوں میں طغیانی کا عالم ہوتا ہے۔ علومِ بحری کے قدیم وجدید ماہرین کہتے ہیں کہ لہروں کا یہ طلاطم چاند کی ٹکیہ کے بڑھنے اور آہستہ آہستہ اس کی روشنی میں اضافہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ کیفیت مدّ کہلاتی ہے اور پندرہ تاریخ تک اپنے عروج کو پہنچتی ہے، پھر اس کے بعد جزر کی حالت کا آغاز ہوتا ہے جو اختتامِ مہینہ پر تمام ہو جاتا ہے۔ علمائے طبیعت کہتے ہیں کہ مدوجزر کی یہ کیفیت محضِ سمندر کے پانی اور اس کی موجوں تک محدود نہیں ہوتی بلکہ نباتات وحیوانات کی کئی اقسام بھی اس حالت سے گزرتی ہیں۔ مہینے کے پہلے پندرہ دنوں میں انسانی خون بھی جوش اور ہیجان کی طرف مائل ہوتا ہے، البتہ ابتدائی دنوں میں خون کا یہ ابھار اتنا خفیف ہوتا ہے کہ حجامہ کے ذریعہ زہریلے اخلاط کا اخراج ٹھیک سے ممکن نہیں ہوتا اور وسط ماہ کے نزدیک آکر یہ فشارِ خون اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ حجامہ خون کے تیزی سے بہہ جانے کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں حجامہ کے لیے مناسب نہیں، اسی لیے آنحضرتؐ نے مہینے کے نصف ثانی کے ابتدائی دنوں کی نشاندہی فرمائی ہے، اطبا کے نزدیک یہ ایام پچھنے لگوانے کے لیے سب سے زیادہ موافق ہوتے ہیں، ان دنوں میں حالتِ نزول شروع ہو جانے کے باعث نہ تو فشارِ خون اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ بڑی مقدار میں بہہ جائے اور نہ ہی اتنا ضعیف کہ فاسد مواد کو خارج نہ کر سکے۔ مشہور طبیب اور حکیم حاذق ابن سینا نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف القانون میں اس تشریح سے اتفاق کیا ہے۔ (القانون ج ۱/۳۰۰)

Marfat.com

بلڈ پریشر کی تشخیص:

حدیث کے الفاظ میں بلڈ پریشر کی کیفیت اور اس کے قاتل ہونے کی طرف بھی بہت واضح اشارہ موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے ان ایامِ حجامہ کی نشاندہی فرمانے کے ساتھ ہی متنبہ کیا ہے کہ دیکھنا: کہیں تم میں سے کسی کا خون اتنے ہیجان کا شکار نہ ہو جائے کہ وہ اسے ہلاک کر ڈالے۔ اس جملے کا ایک یہ مفہوم تو بہت ظاہر ہے کہ ہیجانِ خون یعنی بلڈ پریشر سے بچاؤ کا فطری طریقہ یہ ہے کہ گاہے بگاہے حجامہ کروائی جائے تاکہ فشارِ خون ہلاکت خیز نہ ہو سکے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ان تاریخوں کے علاوہ بے احتیاطی سے دوسرے ایام میں حجامہ کرو گے تو خدشہ ہے کہ سخت جوش کے عالم میں اس کا تیزی سے اخراج مہلک ثابت ہو جائے یا ضعف کی حالت میں وہ مطلقاً مفید ثابت نہ ہو اور بلند فشارِ خون کا مرض برقرار رہے جو بعد میں کسی بھی وقت مرگِ ناگہانی کا سبب بن جائے۔ بلڈ پریشر کی غالباً یہ پہلی تشخیص ہے جو حدیث نبوی میں سامنے آئی ہے۔

یہ حجامہ کے عمومی آداب اور احتیاطیں ہیں جن کی حدیث پاک میں وضاحت کی گئی ہے، البتہ اطبا مریض کی کیفیت، اس کی ضرورت و حاجت کو مدنظر رکھتے ہوئے احتیاط کے ساتھ دوسرے ایام اور اوقات میں بھی حجامہ کا عمل کر سکتے ہیں، جب اس کے بغیر کوئی اور چارہ کار نہ ہو۔ (الطب النبوی:۵۹، از: امام ابن قیم)

پیشانی کی اہمیت (Fore Head)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اَللّٰھُمَّ اِنِّی عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ نَاصِیَتِی بِیَدِکَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ.

(الحدیث، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۲۹، الدعوات، از: امام بیہقی:۱۸۴)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور بندی کا فرزند ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے معاملے میں تیرا ہی حکم چلتا ہے''۔

Marfat.com

یہ رسول اللہؐ کی مشہور دعاؤں میں سے ایک دعا کا ابتدائی جملہ ہے، اس میں آنحضرتؐ نے پورے بدن کا ذکر کرنے کے بجائے صرف پیشانی کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ تذکرہ محاورے کے طور پر نہیں بلکہ بہت گہری علمی و سائنسی حقیقتوں پر مبنی ہے جن کا انکشاف آج کی جدید میکانیکی دنیا میں آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔ شاید احادیث کے بیانات میں ابھی تک بہت ایسے سربستہ راز باقی ہوں گے جن کی نقاب کشائی مستقبل میں ہوتی رہے گی۔ تشریحِ بدن کے علم میں دماغ کا مطالعہ اور اس کی ساخت پر تحقیق آج ایک جداگانہ شعبہ بن چکا ہے پھر علمِ برقیات نے شعبدے کی حد تک اس میدان میں عجائب کو جنم دیا ہے، برقی مقناطیسی لہروں کے ذریعے دماغ کے افعال اور اس کے مختلف حصوں کے کردار کا جائزہ لینا بھی کسی عجوبے سے کم نہیں، اسی دوران یہ انکشاف ہوا ہے کہ عزم و ارادے کے قائم ہونے، فیصلہ سازی، خیر و شر کے اختیار کرنے اور تمام عقلی و فکری رجحانات کی تشکیل دماغ کے ابتدائی حصے ''پیشانی'' (Forhead) میں انجام پاتے ہیں، ماتھے کے دونوں ابھاروں والے مقامات غور و فکر منصوبہ سازی نقشہ گری اور نئے نئے آئیڈیاز کا مرکز ہوتے ہیں، رویئے، سلوک و کردار اور اخلاق کا تعلق بھی اسی جگہ سے ہے۔ ان مذکورہ کیفیات اور جذبات کے موقع پر دماغ کے اس سامنے والے حصے میں خاصا ارتعاش اور تحرک دیکھا گیا ہے، علما طبیعت کے مطابق جھوٹ اور کذب بیانی کا ارتکاب بھی اسی مقام سے نمو پذیر ہوتا ہے۔ قرآن و سنت نے برسوں پہلے ان خفیہ رازوں سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ برقی مقناطیسی موجوں کے ذریعے انجام پانے والا یہ عمل Functional Magnetic Reconance Imaging کہلاتا ہے۔

(اعجازِ نبوی کا انسائیکلوپیڈیا، عنوان ناصیہ)

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

اَرَاَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی o اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰیo كَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِo نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍo (العلق:۱۳۔۱۶)

''آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ جھٹلانے اور منہ پھیرنے والا شخص یہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے، ہرگز نہیں اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں

Marfat.com

گے، وہ پیشانی جو خطا کار اور جھوٹی ہے"۔

آیتِ مبارکہ میں پورے انسان کے بجائے پیشانی کو جھوٹی اور خطا کار کہا گیا ہے مختلف زبانوں میں بھی صرف پیشانی کا ذکر پوری شخصیت کی عکاسی کے لیے بطور محاورہ بولا جاتا ہے۔

اوپر ذکر کی جانے والی حدیث کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں پیشانی کی اہمیت اور مرکزیت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی مہربانؐ نے میرے ماتھے پر اپنا دست مبارک رکھا اور دعا فرمائی: اے اللہ اسے کتاب اللہ کا فقیہ اور قرآن کا مفسر بنا دے۔

(تہذیب الآثار، از: امام طبری۔۲۱۶۳)

ایک اور موقع پر حضرت ابومحذورة کو دعا دیتے ہوئے اسی طرح ان کی پیشانی پر اپنا ہاتھ پھیرا اور برکتوں سے فیضیاب کیا۔ (سنن دارقطنی: ۹۰۳)

ایک حدیث میں تین ایسی چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی اطاعت کیشی اور فرماں برداری سے انسان کی زندگی پُرسکون اور باسہولت بن جاتی ہے، ان چیزوں کی خودسری اور باغیانہ رویے سے بچنے کے لیے آپ نے دعا سکھاتے ہوئے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی عورت، خادم یا سواری کا جانور اپنی ملکیت میں لانا چاہے تو اسے ان کی پیشانی پکڑ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے: "اے اللہ میں تجھ سے اس کی اپنی خیر اور اس کی جبلّت میں موجود اچھائی کا سوال کرتا ہوں اور اے پروردگارِ عالم، میں تجھ سے اس کی اپنی شرارت اور اس کی فطرت میں موجود برائی سے پناہ مانگتا ہوں"۔

(مستدرک حاکم: ۲۷۵۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۸)

یہاں بھی تینوں اشیا میں پیشانی کا تذکرہ بہت معنی خیز ہے۔

دماغی میکانیات کے ماہرین اب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ روزمرہ زندگی کے معاملات امورِ حیات کی تنظیم و ترتیب فریب زدگی سے بچاؤ اور خیر و شر کے درمیان تمیز و پہچان کا عمل بھی اسی "مقدمۃ الرأس" یعنی پیشانی میں انجام پاتا ہے، اسی طرح یہ جگہ پیش بینی، نیک و بد منصوبے

Marfat.com

کی تحریک اور آغاز کو بھی کنٹرول کرتی ہے۔ (Essentials of Anatomy & Physiology
از: ڈاکٹر کائتھ ایل مور، ص ۵۷) نیز دیکھیے: (روائع الاعجاز الطبی، از: ڈاکٹر عبدالدائم الکحیل، ص ۳۔۱۱)

حدیث کی روشنی میں ان تحقیقات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پورا دماغ یکبارگی سارے امور انجام نہیں دیتا، بلکہ دماغ کے مختلف حصے الگ الگ اپنے وظائف انجام دیتے ہیں، ایک حصے کا تحرک دوسرے حصے سے بالکل مختلف ہوتا ہے، دماغ میں برقیاتی تعامل کو دیکھ لینے کے بعد دماغی حصوں کی تقسیم کا علم آج بہت ترقی کر چکا ہے، لیکن بجا طور پر اس کی بنیاد حدیث نبوی میں رکھی گئی تھی۔

خوشبو کی برق رفتاری

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ عُمَرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلاً مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَجِدْ رِيْحَ الْجَنَّةِ وَاَنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَاماً.

(سنن نسائی: ۴۷۵۰)

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے اہل ذمہ میں سے کسی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی سونگھی جا سکتی ہے“۔

یہ حدیث بنیادی طور پر ذمیوں کے حقوق بیان کرتی ہے اور ان کے حقوق کو پامال کرنے والے کی عقوبت کا تذکرہ کرتی ہے۔ ہم یہاں اپنے موضوع سے متعلق ایک ایسے پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو ضمناً حدیث کے الفاظ میں آ گیا ہے اور وہ خوشبو کی رفتار اور اس کی دور تک رسائی اور پہنچ کا معاملہ ہے۔ جس وقت آنحضرتؐ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا اس وقت شاید کسی نے یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ آنے والے زمانے میں آپؐ کے یہ الفاظ ایک علمی حقیقت کی بنیاد بن جائیں گے۔ اس بات کا پورا ادراک اس وقت ہوا جب سائنس دانوں نے خوشبو کے برقی کیمیائی اشارے دریافت کیے اور انسانی دماغ میں قوتِ شامہ کے ایک نہایت ذکی مرکز "Vomeronasal" کا کھوج لگایا۔ یہ مرکز نتھنوں کے عقب میں پایا جاتا

Marfat.com

ہے اور مختلف قسم کی خوشبوؤں کے برقی سگنلز کو بہت دور سے محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دماغ کا یہ عضو خوشبو کے برقی اشاروں کو بالکل اس طرح پڑھتا ہے جس طرح حروف پرمبنی پیغام پڑھا جاتا ہے۔ (بائیوکیمیکل ریسرچ رپورٹ ہارورڈ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ ۱۹۹۵ء)

اس تحقیق کے سامنے آنے کے بعد حضرت یعقوبؑ کا سیکڑوں میل دور سے حضرت یوسفؑ کی بُو کو پالینا اب کوئی عجوبہ نہیں لگتا اور نہ ہی حضرت انس بن نضرؓ کا غزوۂ احد میں شہادت سے پہلے جنت کی خوشبو کو محسوس کرنا کوئی بعید از عقل واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ (سورہ یوسف: ۹۴۔ الجہاد، از: ابن ابی عاصم: ۲۲۶۔ صحیح ابن حبان: ۴۷۷۲۔ نیز دیکھیے۔ روائع الاعجاز الطبی، ص ۱۲۔۱۶)

یہ درحقیقت برقی کیمیائی اشارات کا کمال ہے کہ وہ بجلی کی سی تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس حدیث میں چالیس سال کی دوری کا ذکر آیا ہے، البتہ چند دوسری احادیث میں یہ فاصلہ ۷۰ سال، ۱۰۰ سال اور ۵۰۰ سال تک کا بھی بیان ہوا ہے۔

اگرچہ حدیث میں جنت کی خوشبو کا ذکر کیا گیا ہے جو ایک مابعدالطبیعی حقیقت ہے، لیکن حسنِ اتفاق ہے کہ اللہ نے دنیا میں جو خوشبو تخلیق کی ہے اس میں برقی صفات آشکار ہونے سے یہ جاننا اب آسان ہو گیا ہے کہ جنت کی خوشبو اپنی استعداد اور معیار کے لحاظ سے کس قدر اعلیٰ درجے کی چیز ہوگی۔

طویل فاصلوں کو ناپنے کا اصول

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: مَنْ اِدَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ لَمْ یَرِحْ رِیْحَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِیْحَهَا لَیُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَةِ خَمْسِ مِاَةِ عَامٍ.

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۱)

”حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کی، وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا، جبکہ اُس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے بھی پہنچ جاتی ہے“۔

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ سے مروی ایک دوسری حدیث میں آپ نے ذمی کو قتل کرنے والے کے بارے میں بھی اسی طرح وعید سنائی ہے۔ (اس میں بھی پانچ سو سال کا تذکرہ ہے)

بعض جرائم اور گناہ ایسے ہیں جن کی عقوبتوں کے بارے میں آپؐ نے جنت کی خوشبو سے محرومی کا تذکرہ فرمایا ہے، ان میں سے دو کا ذکر اوپر حدیثوں میں گزرا ہے، البتہ ان کے علاوہ بھی بعض جرائم ایسے ہیں جن کی سزا تو یہی ہے لیکن فاصلوں کی مقدار مختلف بتائی گئی ہے۔ مثلاً بلا وجہ طلاق مانگنے والی عورت کی سزا تو جنت کی خوشبو سے محرومی ہے، البتہ خوشبو کے پہنچنے کا فاصلہ ۴۰ سال بتایا گیا ہے پھر کسی جرم میں ستر سال اور کسی میں سو سال کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے۔

اس حدیث کو یہاں بیان کرنے میں ہمارا منشاء کچھ مختلف ہے، جو براہ راست حدیث کے موضوع سے متعلق نہیں، لیکن ایک سائنسی نکتے کے طور پر ضمناً اس کے الفاظ سے مستنبط ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے ان تمام احادیث میں یہ فاصلے اس وقت مسافت ناپنے کے معروف مکانی معیارات یعنی میل اور فرسخ وغیرہ کے برخلاف زمانی مقداروں میں بیان کیے ہیں۔ اس اسلوب سے ایک تو یہ اصولی بات سامنے آتی ہے کہ فاصلے اگر انتہائی طویل ہوں کہ جن کا احاطہ مکانی اکائیوں کے لیے ناممکن ہو جائے تو پھر یہ طوالت زمانی اکائیوں کے ذریعے بیان کرنی چاہئیں۔ جیسا کہ آجکل جدید فلکیات میں کائنات کے اجرام کے درمیان فاصلہ ماپا جاتا ہے، گویا اس کی بنیاد خود رسول اللہؐ نے فراہم فرما دی تھی۔ آجکل اس جدید اکائی کو نوری سال کہا جاتا ہے۔ ایک نوری سال کا مطلب یہ ہے کہ روشنی اپنی رفتار کے ساتھ ایک سال میں جتنی مسافت طے کر سکتی ہے اتنا فاصلہ۔ لیکن کیا جنت کی خوشبو بھی نوری رفتار سے سفر کرتی ہے؟ اس سوال کا جواب بھی جدید تحقیقات نے مہیا کر دیا ہے، سائنس دانوں نے دماغ میں قوت شامہ کے مرکز اور خوشبو کے برقی اشاروں کے درمیان ایک تعلق دریافت کر لیا ہے، یہ تعلق اُن الیکٹرانک سگنلز کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے جو خوشبو میں پائے جاتے ہیں۔ (بائیو کیمیکل ریسرچ رپورٹ، ہارورڈ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۵ء)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے خوشبو کی برقیاتی حیثیت بھی بتا دی تھی، مگر

Marfat.com

سائنس آج اس کا اعتراف کر رہی ہے۔ نیز یہ کہ برقی ایٹموں پر مشتمل چیز کی رفتار کا پیمانہ مکانی نہیں بلکہ زمانی اکائیاں ہی بن سکتی ہیں۔ اب اس کے بعد اگر آپ سورۂ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو قریب دس دن کی مسافت سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ جانے کا قصہ پڑھیں گے تو معجزے پر آپ کا ایمان مزید پختہ ہو جائے گا۔ اسی طرح غزوۂ احد میں حضرت انس بن نضرؓ کو جنت کی خوشبو محسوس ہونے کا واقعہ نظر سے گزرے گا تو ان شاء اللہ اضافہ ایمان کا سبب ہوگا۔

ٹیلی فون، موبائل اور کمپیوٹر کا زمانہ

عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ یَّفْشُو الْمَالَ وَتَفْشُو التِّجَارَةَ وَیَظْهَرُ الْقَلَمُ وَیَبِیْعُ الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ لَا: حَتّٰی اَسْتَاْمِرَ تَاجِرَ بَنِیْ فُلَانٍ وَیَلْتَمِسُ فِی الْحَیِّ الْعَظِیْمِ الْکَاتِبَ فَلَا یُوْجَدُ. (الاحاد والمثانی، از: ابوعمرو الشیبانی۔ ۱۶۶۴، سنن النسائی الکبریٰ: ۶۰۴۸)

''حضرت عمرو بن تغلب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ مال و دولت میں اضافہ ہوگا، تجارت خوب پھیل جائے گی اور قلم نمودار ہوگا۔ کوئی بھی تاجر سودا کرنے سے پہلے کہے گا، ذرا ٹھہرو میں فلاں قوم کے تاجر سے بھی مشورہ کرلوں اور بڑی آبادی میں کوئی تحریر لکھنے والا نہیں ملے گا''۔

گزشتہ حدیثِ مبارک کی طرح یہ حدیث بھی قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہونے والے حالات کی نشاندہی کر رہی ہے ان میں مال و دولت کی کثرت سے کرنسی نوٹوں کی بہتات یا صنعت کے نتیجے میں بظاہر ناکارہ مواد سے قیمتی اشیا کی تخلیق کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، تجارت کے فروغ پانے کا مطلب کسی تشریح کا محتاج نہیں، البتہ ظہورِ قلم کا مطلب علم و فضل اور پختہ وتعمیری تحریری مواد کا ظہور نہیں، بلکہ محض کثرت سے قلم کا آسان استعمال ہے جو آج ہر طرح کے جاہل معاشرے میں بھی بڑی مقدار میں دستیاب ہے۔

Marfat.com

ہمارے موضوع سے متعلق حدیثِ پاک کا پانچواں جملہ ہے جس میں ایک تاجر کا کسی دوسری قوم کے تاجر سے مشورے کا ذکر ہے، حدیث کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ تجارتی مشورہ کہیں نزدیک ہی بیٹھے ہوئے فرد سے نہیں، بلکہ کسی دُور اور بعید علاقے میں رہنے والے تاجر سے ہوگا۔ اسی طرح یہ معنی بھی جھلکتا ہے کہ یہ مشورہ دفعتاً ہوگا اور اس کے لیے اٹھ کر جانے یا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس تناظر میں آج توجہ فوری طور پر موجودہ مواصلاتی ذرائع کی طرف منعطف ہو جاتی ہے جن میں ٹیلی فون سے لے کر انٹرنیٹ کے ذریعے ویڈیو کانفرنس تک کے تمام آلات شامل ہیں اور آج تجارت کے علاوہ بھی تمام شعبوں کے لوگ اس کا بے تکلف استعمال کر رہے ہیں۔ ایک لحاظ سے حدیث پاک میں ان جدید ترین اختراعات کی ایجاد کا امکان ظاہر کیا گیا ہے، جو اس وقت تصورات سے نکل کر منصۂ مشہور پر اپنا وجود ثابت کر رہی ہیں۔ حدیث کا آخری جملہ بھی قابل توجہ ہے جس میں بدیہی طور پر ہاتھ سے لکھنے کی کمیابی کا تذکرہ ہے اس پیشگوئی کی صورت گری میں شاید ابھی کچھ وقت باقی ہے، اگرچہ اس کی شروعات نظر آنے لگ گئی ہیں۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ جملہ برقی زمانے اور Computer کی آمد کا پتا بتا رہا ہے، جب تمام تر امورِ دنیا اور کاروبارِ حیات کمپیوٹر کے سپرد ہو جائے گا اور ہاتھ سے کوئی چیز لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی، چنانچہ اس کے نتیجے میں ایسے لوگوں کا فقدان ہوگا جو ہاتھ سے تحریریں لکھنے اور مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ آج بھی کمپیوٹر سے لکھی لکھائی چیزوں نے کتابت، ڈیزائننگ، ہندسی اشکال اور نقش ونگار کے شعبے سے وابستہ اساتذہ اور ہنرمندوں کو کافی حد تک بیکار کر دیا ہے۔

لاسلکی ذرائع ابلاغ (Media) الیکٹرانک میڈیا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اِنَّ الرَّجُلَ یَغْدُو مِنْ بَیْتِہٖ لَیَکْذِبُ الْکَذْبَةَ تَبْلُغُ الْآفَاقَ. (صحیح بخاری: ۷۰۴۷، معجم کبیر، از: امام طبرانی: ۶۸۴۲)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: بے شک کوئی شخص صبح اپنے گھر سے نکلتا ہے اور ایسا جھوٹ بولتا ہے جو (زمین) کے

Marfat.com

کناروں تک پھیل جاتا ہے''۔

حدیث کا یہ مختصر جملہ ایک طویل واقعہ کا حصہ ہے جو رسول اللہؐ نے اپنے ایک خواب کی تفصیل میں صحابہ کو سنایا، اس میں ایک شخص کے جبڑے پھاڑے جانے کا تذکرہ ہے، پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اس شدید عذاب میں مبتلا ہونے والا شخص دراصل جھوٹ کو فروغ دینے والا تھا۔ حدیث واضح طور پر ایسے ذرائع کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جو اس جھوٹ کو پھیلانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور جن کی سرعت اور اثر پذیری کا دائرہ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ وہ دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک لوگوں کو اپنی بات پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کذب یا جھوٹ ہر اُس بات کو کہا جاتا ہے جو واقعہ کے مطابق نہ ہو، کم وبیش ہونے سے جھوٹ کی حیثیت برقرار ہی رہتی ہے، بلکہ تھوڑا سا جھوٹ بعض اوقات بڑی سچائی کو بھی مشکوک اور ناکارہ بنا دیتا ہے۔ اس جھوٹ کے ساتھ تیزی سے پھیلنے کا ذکر دیکھ کر بجا طور پر ذہن آج کل کے برقی مواصلاتی ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے شعبے کی طرف جاتا ہے۔ حدیث میں جہاں یہ امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ کبھی کسی زمانے میں یہ صلاحیت عام ہو جائے گی کہ ایک مقام پر کی گئی کوئی بات لمحوں میں اطرافِ عالم تک پہنچ جائے، وہاں الفاظِ حدیث اس صلاحیت اور ٹیکنالوجی میں جھوٹ کے نفوذ اور عمل دخل کو بھی خوب نمایاں کر رہے ہیں۔ آج کی ابلاغیات کا حال اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔

قربِ قیامت کے حالات میں جھوٹ سے ہٹ کر مطلقاً اس برق رفتار نشریاتی استعداد کا حاصل ہو جانا بھی بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ علاماتِ قیامت میں ''خروج دابہ'' کے متعلق بتایا گیا ہے کہ: وہ تین بار پکارے گا اس کی آواز کو زمین کے دونوں کناروں کے بیچ ہر کوئی سُن لے گا۔ (معجم کبیر، از: طبرانی۔ ۸۱۶)

اسی طرح کی قوت کا ذکر احادیث دجال میں بھی وارد ہوا ہے۔

ٹیلی ویژن کی ایجاد

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: کَذَّبَتْنِیْ قُرَیْشٌ لَمَّا اُسْرِیَ بِیْ اِلٰی

Marfat.com

بَيْتِ الْمَقْدَسِ فَقَالُوْا هَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَنْعَتَ لَنَا الْمَسْجِدَ فَقُمْتُ فِي الْحَجَرِ فَاَثْنَيْتُ رَبِّي وَسَأَلْتُ اَنْ يُمَثَّلَ لِي الْمَسْجِدَ فَمُثِّلَ لِيْ فِي الْجِدَارِ حَتّٰى وُضِعَ دُوْنَ دَارَ عِقَالٍ اَوْ عُقَيْلٍ فَنَعَتُّهُ وَقَالَ: فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَاَنَا اَنْظُرَ اِلَيْهِ. (مسند احمد:۲۹۱۹/۱۶۰۳۴۔ الایمان لابن مندہ: ۷۳۸)

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ: عُرِضَتْ عَلَىَّ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ آنِفاً فِي عَرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ. (صحیح بخاری:۵۳۱)

وَقَالَ: رَائَتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِيْ قُبُلِ هٰذَا الْجِدارِ (صحیح بخاری:۷۴۹)

''حضرت جابر بن عبداللہؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: قریش نے مجھے اس وقت جھٹلا دیا جب مجھے رات کو بیت المقدس کی سیر کروائی گئی۔ انہوں نے کہا: تم ہمیں مسجد اقصیٰ کی نشانیاں بتا سکتے ہو، چنانچہ میں (میزابِ رحمت) کے نیچے کھڑا ہوا، اپنے رب کی تعریف وثناء بیان کی اور درخواست کی اے اللہ مسجد کی شکل میرے سامنے ظاہر کر دے، پس مسجد اقصیٰ میرے سامنے دیوار پر نمایاں ہوگئی۔ ایک روایت میں فرمایا کہ مسجد میرے سامنے بنوعقیل کے گھروں سے ذرا پہلے ظاہر کر دی گئی اور اسے دیکھ دیکھ کر میں قریش کو مسجد کی نشانیاں بتاتا رہا۔''

''حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: ابھی میرے سامنے جنت اور دوزخ اس دیوار کے اوپر دکھائی گئی ہیں۔ ایک اور موقع پر آپؐ نے نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: میں نے جنت اور جہنم کی تصویریں ابھی اس سامنے والی دیوار پر دیکھی ہیں۔''

یہاں ابتدا میں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے، درج بالا دو تین واقعات کا تعلق معجزات کی قبیل سے ہے، سائنس نہ تو معجزے کی مادّی تعبیر کر سکتی ہے اور نہ ہی اُس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی تمام تر مساعی اور ترقی کے باوجود معجزے کی گرد کو چھو سکے۔

معجزہ کائنات کی مادّی قوتوں سے ماورا بہت بلند درجے کی چیز ہے، جس کا ادراک علم

Marfat.com

نہیں بلکہ ایمان ہی کرسکتا ہے۔ البتہ اللہ رب العزت کی مشیت کچھ اس طرح نظر آتی ہے کہ اللہ نے کون و مکان کے مظاہر اور اس میں کارفرما قوتوں کو اس طرح کی صفات سے نوازا ہے جن کی بدولت کچھ انسانی معجزے تشکیل دیے جاسکتے ہیں۔ سائنس دانوں کی ساری مساعی بس اسی حد تک ہیں، آفاق و انفس کی ان نشانیوں کو دیکھ کر سلیم الفطرت انسانوں کے لیے اللہ کی توحید، انبیا کی رسالت اور معجزات پر ایمان سے فیضیاب ہونا نسبتاً آسان ہوگیا ہے اور کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اگرچہ اب بھی سائنس کا شعبہ ایسے خدا بیزار لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو پورے کائناتی نظام کو مادّی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ سماوی قوتیں اور عالمِ ملکوت بھی اسی قبیل کی چیزیں ہیں اور انہیں بھی میکانکی علوم کے ذریعہ زیر کیا جاسکتا ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں درج بالا واقعات اور آج کی سائنسی دریافت ٹیلی ویژن میں قدرے مماثلت پائی جاتی ہے۔ محدثین عظام نے یہ وضاحت کی ہے کہ آنحضرتؐ کو دیوار میں دکھائی جانے والی تصاویر کی نوعیت کچھ اس طرح کی تھی جیسے آئینے میں اشیا متشکل ہو جاتی ہیں۔ (المفہم لما اشکل فی تلخیص، مسلم ۳۱/۸۔ فیض الباری، از: علامہ انور شاہ کاشمیری، ج ۲۶۴/۱) البتہ معجزے کا تفوق بہت واضح ہے، معجزہ مادّی اسباب و آلات کے بغیر وقوع پذیر ہوتا ہے اور سائنسی کرشمہ بہت سارے مشینی آلات کا محتاج ہوتا ہے۔ القصہ سائنسی اکتشافات نے انسانیت کو یہ فائدہ پہنچایا ہے کہ مظاہر قدرت کے اسرار و رموز اور پنہاں حکمتوں نیز تخلیقاتِ ربانی کی پوشیدہ قوتوں کو سمجھنا کچھ آسان ہوگیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں اس طرح کی کچھ اور مثالیں بھی آئیں گی، چنانچہ یہ تفصیل ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے۔

بجلی کی رفتار کا قابل پیمائش ہونا

عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: (فِي حَدِيْثِ الصِّرَاطِ) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ثُمَّ يُوْضَعُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَي جَهَنَّمَ فَيَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ: قُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ، قَالَ: اَلَمْ تَرَوْا اِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِيْ طَرْفَةِ عَيْنٍ. (صحیح مسلم:۱۹۵)

Marfat.com

''حضرت حذیفہؓ پُل صراط والی حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر ایک پُل جہنم کے دونوں کناروں پر نصب کر دیا جائے گا اور تم میں سے پہلا شخص اس پر سے بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بجلی کی مانند کون گزر سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تم بجلی کو دیکھتے نہیں کہ وہ کس طرح پلک جھپکتے میں جا کر لوٹ آتی ہے، (گویا گزرنے والا بھی اسی برق رفتاری سے گزر جائے گا)''۔

یہاں حشر ونشر کے بارے میں احادیث میں جو تفاصل وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک کیفیت کا تذکرہ حدیث کے ان جملوں میں کیا گیا ہے جو آپ کے پیش نظر ہے۔ ان الفاظ میں دو ایسی حقیقتوں کا تذکرہ ہے جن پر سائنسی تحقیق آج تک کوئی جوہری اور بنیادی اضافہ نہیں کر سکی ہے۔ البتہ سائنس نے اصطلاحی اور اعداد وشمار کی تعبیرات کے ذریعے ان کو نسبتاً عام فہم بنا دیا ہے۔ پہلی حقیقت بجلی کی تیز رفتاری ہے، اس میں خود بجلی ''برق'' کا تشخص یا تعارف بھی شامل ہے ورنہ بظاہر تو وہ محض چمکنے والی ایک روشنی دکھائی دیتی تھی۔ الفاظ میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ سب سے زیادہ سُرعت بجلی میں پائی جاتی ہے، انسانوں کو سمجھ میں آنے والی اور کوئی چیز برق سے زیادہ سریع نہیں۔

دوسری اہم بات بجلی کی رفتار کا قابل پیمائش ہونا ہے۔ یہ مفہوم حدیث کے الفاظ ''طرفۃ عین''، ''پلک جھپکنے'' سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ پلک جھپکنے کی اصطلاح سُرعت رفتار کی ایک آخری اکائی کے طور پر معروف ہے۔ اس کا استعمال حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب نے بھی اس وقت کیا تھا، جب اس نے ملکہ سبا کے تخت کو یمن سے فلسطین لانے میں درکار وقت کی نشاندہی کی تھی۔ (النمل: ۴۰)

سائنس بہت زمانے بعد بجلی یا روشنی کی رفتار کو ناپنے کے قابل ہو سکی، حسابی اعداد کے مطابق روشنی اور بجلی کی رفتار ۳۰۰۰۰۰ تین لاکھ کلو میٹر یا ۱۸۶۰۰۰/ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کا تا حال اندازہ لگایا ہے۔ (ایجادات اور دریافتیں۔ از: سرفراز احمد، ص ۱۴۳)

Marfat.com

ایکس ریز شعاعیں اور قوتِ بصارت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ لِکُلِّ رَجُلٍ فِی الْجَنَّۃِ زَوْجَتَانِ یَرَیٰ مُخَّ سَاقَیْھِمَا دُوْنَ اللَّحْمِ وَالْعَظْمِ مِنَ الْحُسْنِ.

(صحیح مسلم:۲۸۳۴، صحیح بخاری:۳۲۴۶)

''حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جنت میں ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی، وہ اُن کی پنڈلیوں کا گودا، گوشت اور ہڈی کے اندر سے بھی دیکھ لے گا''۔

حدیث دنیا کے خاتمے اور فنا کے بعد جنت کی طبیعت کا تذکرہ کر رہی ہے، جنت میں انسانی سمع و بصر اور دیگر بدنی صلاحیتوں میں کس قدر اضافہ کر دیا جائے گا اس کا حقیقی ادراک تو ہم نہیں کر سکتے، تاہم اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن و سنت کے بیانات سے علم ہوتا ہے کہ جنت کی اکثر نعمتیں دنیاوی نعمتوں کے مشابہ ہوں گی، اس حدیث میں قوتِ بصارت کی جس تیزی کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ دنیا میں تو قطعاً ممکن نہیں کہ انسانی آنکھ میں بھی یہ صلاحیت پیدا ہو جائے، البتہ مشابہت کی بنیاد پر دنیا میں کچھ ایسے وسائل ضرور تیار کر لیے گئے ہیں جن کے توسط سے انسانی آنکھ دنیا میں بھی بدن کے اندرون کا نظارہ کر سکتی ہے، گزشتہ صدی میں دریافت ہونے والی برقی مقناطیسی لہریں ایکسریز لامعلوم شعاعیں اس کی قریب ترین مثال ہو سکتی ہیں۔ اب الٹرا ساؤنڈ اور ایم آر آئی کی صورت میں یہ استعداد اور بھی جدید ہو گئی ہے، ان ذرائع اور موجوں کی دریافت کے بعد حدیث میں بیان کی گئی جنتی صفات کا سائنسی طور پر ادراک کرنا چنداں مشکل نہیں رہا۔

سورج اور مضر اشعاعی موجیں

عَنْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ الْمُزَنِیِّ اَنَّ النَّبِیَّﷺ رَاَیٰ رَجُلاً وَھُوَ قَائِمٌ فِی الشَّمْسِ فَقَالَ مَا شَاْنُ ھٰذَا قَالُوا: اِنَّہٗ نَذَرَ اَنْ یَقُوْمَ یَوْمَہٗ فِی الشَّمْسِ وَیَصُوْمَہٗ وَلَا یَتَکَلَّمُ فَقَالَ: مُرُوْہُ فَلْیَسْتَظِلَّ وَلْیَقْعُدْ وَلْیَذْکُرْ رَبَّہٗ وَیُتِمَّ

Marfat.com

صَوْمَهُ. (صحیح بخاری: ٦٧٠٤، سنن ابوداؤد: ٣٣٠٢)

''حضرت بکر بن عبداللہ المزنیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑا ہوا دیکھا تو دریافت کیا کہ اس کا کیا مسئلہ ہے؟ لوگوں نے بتایا اس نے نذر مانی ہے کہ وہ پورا دن دھوپ میں کھڑا رہے، روزہ رکھے گا اور کسی سے بات نہیں کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اسے کہو کہ سایہ میں چلا جائے، بیٹھ جائے، اپنا روزہ مکمل کرے اور اللہ کا ذکر کرے''۔

اس واقعہ میں صحابی کی نذر چار چیزوں پر مشتمل ہے۔ آخری دو کا تعلق کسی نقصان دہ نتیجے سے نہیں ہے، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے اُن پہلی دو باتوں سے منع فرمایا جن میں طبی اور جسمانی ضرر پنہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ سایے میں چلا جائے اور کھڑا نہ رہے، بیٹھ جائے۔

مسلسل کھڑے رہنے کے اضرار بھی ایک معلوم حقیقت ہیں، تاہم ان سطور میں ہم متواتر دھوپ میں رہنے کے چند نقصانات کا تذکرہ کریں گے جو آنحضرتؐ کے اس حکم میں پوشیدہ ہیں۔ حدیث اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ بلا وجہ دھوپ میں رہنا نافع نہیں ہے اور دھوپ کی تپش جن خطوں میں زیادہ ہوتی ہے، وہاں اس کا ضرر بھی بڑھ جاتا ہے۔ حجاز کا علاقہ بھی انہی خطوں میں شامل ہے۔ روشنی اور حرارت پر تازہ تحقیقات سے یہ علم ہوا ہے کہ سورج سے آنے والی کرنوں میں کئی اقسام کی غیر مرئی موجیں ہوتی ہیں جن میں گاما ریز، ایکسریز، الٹرا وائلٹ ''بالائی بنفشی'' زیر سرخ لہریں ''انفراریڈ'' کے علاوہ بھی کئی اقسام کی کائناتی شعاعیں (Cosmic Rays) پائی جاتی ہیں۔ یہ لہریں ہر قسم کے مادّے میں نفوذ کی صلاحیت رکھتی ہیں، انسانی بدن کو ان سے بہت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الٹرا وائلٹ شعاعیں کینسر کا سبب بنتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ امراض حسبِ ضرورت تھوڑی بہت دھوپ حاصل کرنے سے پیدا نہیں ہوتے، بلکہ بے مقصد اور مسلسل دھوپ میں رہنا اس کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ مشاہدہ بھی بہت عام ہے کہ زیادہ دیر سورج میں رہنے سے جلد کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے اب اس کی سائنسی وجہ بھی دریافت کر لی گئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ انسانی جلد

Marfat.com

میں رنگت کی تشکیل کا ایک مادہ ''میلانن'' پایا جاتا ہے، دھوپ کی روشنی اس کی پیداوار بڑھا دیتی ہے جس سے رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ (توانائی کے کرشمے، از: بہرام خان حجانہ، ص ۵۱۔۵۲) اسی بنا پر اپنے سرخ وسفید رنگ سے بیزار یورپی لوگ ننگ دھڑنگ دھوپ میں پڑے رہنے کے شوقین ہیں، تاکہ ان کا رنگ کچھ سانولا ہو جائے۔ علمی ترقی اور دھوپ کے نقصانات معلوم ہونے کے باوجود اس بیہودہ شوق کو غسلِ آفتابی (Sun Bath) کا نام دیا گیا ہے۔

خود اذیتی: حدیثِ پاک میں اس ممانعت کا ایک دوسرا سبب نفسیاتی بھی ہو سکتا ہے، جسے آجکل خود اذیتی (Self Distress) کہا جاتا ہے۔ یہ عادتِ بد کسی احساسِ ندامت اور ناکامی سے جنم لیتی ہے اور بسا اوقات ترقی کرتی ہوئی خودسوزی یا خودکشی تک جا پہنچتی ہے۔ علم النفس کی رو سے یہ ایک نفسیاتی عارضہ ہے، جس میں انسان اپنے ناآسودہ جذبات اور بے چین احساسات کو سکون بخشنے کے لیے مبتلا ہو جاتا ہے۔

حدیثِ مذکور میں تعذیبِ نفس کا یہ واقعہ بھی نذر ماننے کی صورت میں وقوع پذیر ہوا اور نذر بالعموم کسی محرومی سے نجات یا کسی غلطی کے مداوے کے لیے مانی جاتی ہے۔ تعذیب نفس یا خود اذیتی سے ممانعت میں وارد ہونے والی یہی ایک حدیث نہیں ہے بلکہ صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی تشریح میں متعدد واقعات ذکر کیے ہیں جن میں آپؐ نے لوگوں کو اس عارضے سے منع فرمایا ہے، آپؐ کا ارشاد گرامی ہے: اللہ تعالیٰ کو اذیت کے اس عمل سے کوئی سروکار نہیں، یعنی کوئی انسان اپنے آپ کو جتنی چاہے تکلیف پہنچائے اللہ کو اس پر رحم نہیں آتا۔ (فتح الباری: ج ۱۱، ص ۵۸۵۔۵۹۰)

علم النفس کے ماہرین کہتے ہیں کہ خود اذیتی سے رفتہ رفتہ انسانی طبیعت اندرونی طور پر غیر متوازن ہو جاتی ہے اور معمول کے مطابق حالات میں سکون اور اطمینان محسوس نہیں کرتی ان علما کی تحقیق یہ ہے کہ تعذیبِ نفس دراصل دل و دماغ میں پہلے سے موجود ایک بے قراری اور اذیت کو وقتی طور پر رفع کرنے کا کام کرتی ہے۔ خود کو پہنچائی جانے والی اس تکلیف سے عارضی افاقہ ہوتا ہے مگر دھیرے دھیرے انسان اس کا عادی بن جاتا ہے۔ بعض طبی تشریحات سے یہ علم ہوا ہے کہ خود کو زخمی کرنے، اذیت دینے سے کچھ ایسے ہارمونز متحرک ہو

Marfat.com

جاتے ہیں جو بذاتہ اس درد کو کم کر دیتے ہیں، اس طرح خود کو بار بار زخمی کرنے یا عذاب پہنچانے کا عمل ایک نشہ آور شے کا سا بن جاتا ہے۔ جس طرح ایک عادی ہیروئنچی اپنی بے سکونی اور بدنی درد کو ہیروئن پی کر ہی ختم کرتا ہے اسی طرح یہ نفسیاتی مریض بھی تعذیب ذات سے ہی سکون پاتا ہے۔ (سنڈے ایکسپریس، ۱۸/اگست ۲۰۱۳ء)

جدید علوم اور سائنسی پیش رفت کے تناظر میں جب بھی اس طرح کی احادیث کا مطالعہ کیا جائے گا، ان حقائق کو نظر انداز کرنا ممکن نہ ہوگا۔

آگ اور اس کی جدید صورتیں

عَنْ اَبِی مُوسیٰ الاَشْعَرِیؓ قَالَ: اِحْتَرَقَ بَیْتٌ بِالْمَدِیْنَةِ عَلٰی اَھْلِہٖ مِنَ اللَّیْلِ فَلَمَّا حُدِّثَ رَسُولَ اللّٰہِؐ بِشَأنِھِمْ قَالَ: اِنَّ ھٰذِہِ النَّارَ عَدُوٌّ لَکُمْ فَاِذَا نِمْتُمْ فَاطْفِئُوھَا عَنْکُمْ. (صحیح بخاری: ۶۲۹۴، صحیح مسلم: ۲۰۱۶)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرؓ عَنِ النَّبِیِّؐ قَالَ: لَاتَتْرُکُوا النَّارَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ حِیْنَ تَنَامُوْنَ. (صحیح بخاری: ۶۲۹۳، صحیح مسلم: ۲۰۱۵)

''حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں، ایک رات مدینہ منورہ میں ایک گھر اپنے مکینوں سمیت جل کر خاکستر ہو گیا، رسول اللہؐ کو جب یہ واقعہ بتایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: یہ آگ تمہاری دشمن ہے جب تم سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو''۔

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اس آگ کو سوتے ہوئے اپنے گھروں میں جلتا مت چھوڑا کرو''۔

انسانی زندگی میں آگ اگرچہ بہت فائدے کی چیز ہے، لیکن اس کے ساتھ غفلت یا بے احتیاطی برتی جائے تو اس کا ضرر فائدے کے مقابلے میں کہیں بڑھ کر ہے، نقصان اور ضرر کے اسی پہلو کی بنا پر حدیث میں آگ کو دشمن کہا گیا ہے اور اس دشمنی سے بچنے کے لیے یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ نیند کے اوقات بالخصوص رات کو اس آگ کو جلتا نہ چھوڑا جائے، ورنہ آتشزدگی کا کوئی بھی حادثہ رونما ہوسکتا ہے۔ اسلام کے تمدنی آداب میں اس حدیث کا بہت

Marfat.com

اعلیٰ مقام ہے۔ آج صنعت و اختراع کی دنیا میں جس طرح آگ کے ذرائع میں اضافہ ہوا ہے، اسی طرح یہ ضروری ہے کہ ان کے استعمال میں بھی ہوشیاری، مہارت اور تحفظ کا خیال پہلے سے زیادہ ملحوظ رکھا جائے۔

صنعتی دور سے پہلے آگ پیدا کرنے کے ذرائع اور اسے استعمال کرنے کے آلات بہت محدود اور سادہ تھے، مگر آج بجلی اور گیس کے ساتھ کئی اقسام کے سریع الاشتعال کیمیکل اور استعمال کے بے شمار آلات وجود میں آ گئے ہیں جن کے ساتھ ذرا سی بے احتیاطی بہت بڑے حادثے کو جنم دے سکتی ہے اور دنیا میں آئے دن اس طرح کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ یوں تو حدیث کے وسیع مفہوم میں معدنی تیل، بارود اور تمام تیزی سے مشتعل ہونے والے عناصر شامل ہیں، لیکن بجلی اور گیس کے معاملے میں احتیاط اور نیند سمیت بے خبری کے دیگر اوقات میں ان کی ترسیل روکنا براہ راست حدیث کے دائرے میں داخل ہے اور یہ آگ بجھانے کے عین مترادف ہے، کیونکہ یہ سب چیزیں آگ کی ہی اقسام ہیں اگرچہ ان میں بظاہر آگ نظر نہیں آتی۔ بجلی کے شارٹ سرکٹ اور گیس کے پھیل جانے اور بارود و تیل کے اچانک بھڑک اٹھنے سے آج بھی آتشزدگی کے ویسے ہی واقعات روزمرہ کا معمول بن گئے ہیں جس طرح کا واقعہ آنحضرتؐ کے زمانے میں عام آگ کے باعث پیش آیا تھا۔ قدیم دیہاتی بود و باش کے مقابلے میں آج کی شہری زندگی زیادہ احتیاط کی متقاضی ہے۔

کائناتی شعاعوں کا ردِعمل (Cosmic Rays)

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ: اَنْ يُّقْعَدَ بَيْنَ الظِّلِّ وَالشَّمْسِ. (سنن ابن ماجہ:۳۷۲۲، سنن ابوداؤد:۴۸۲۳)

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے یکبارگی سائے اور دھوپ میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے''۔

آپؐ کی یہ ممانعت بہت ساری سائنسی اور طبی حکمتوں پر مبنی ہے، زمانۂ قدیم میں شاید اس طرح بیٹھنے کے مضر اثرات کا تجربہ تو ہو گیا ہو لیکن اس کی وجوہات سے واقفیت زمانۂ حال

Marfat.com

کی ایجادات کے بعد ہی ممکن ہوئی ہے۔ البتہ رسول اللہؐ نے اس عمل سے ممانعت فرما کر بہت ساری کائناتی حقیقتوں کی جانب توجہ مبذول کرا دی جو رفتہ رفتہ انسان کے سامنے منکشف ہوتی چلی گئیں۔

ہمارے نظامِ شمسی میں سورج روشنی اور حرارت کا سب سے بڑا منبع ہے، فلکیات کا مطالعہ کرنے والے علماء کے سامنے اب یہ حقائق کھل رہے ہیں کہ سورج سے کئی قسم کی شعاعیں زمین کی طرف آتی ہیں جن میں سے کئی انسانی زندگی کے لیے سخت مہلک ثابت ہوسکتی ہیں، لیکن قدرت کے انتظام کے مطابق ان لہروں میں سے اکثر کرۂ ہوائی میں جذب ہو جاتی ہیں، یوں انسان ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہتا ہے، البتہ بالائی بنفشی (Ultra Violet)، زیریں سرخ (Infra Red)، ایکس ریز (X-Rays) اور گاما ریز (Gamma) وغیرہ زمین تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ بات بھی تجربات سے ثابت ہوگئی ہے کہ زیریں سرخ شعاعیں بدن کو گرماتی ہیں اور افقی بنفشی شعاعیں بدن کو سرخ کرتی ہیں۔ اب یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ اگر انسان کے بدن کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سایہ میں تو یقینی طور پر دھوپ والا حصہ تپش اور حرارت جذب کر رہا ہوگا اور سایے والا حصہ اس سے محروم ہوگا۔ چنانچہ دونوں حصوں کا اوپری اور اندرونی کیمیائی عمل ایک دوسرے کے بالکل خلاف ہوگا، ایسی صورت میں کیفیات کا باہم ٹکراؤ اور ردعمل پیدا ہوسکتا ہے، جس کے باعث جِلد اور خون میں کچھ پیچیدگیاں جنم لے سکتی ہیں، بلکہ دھوپ کے غیر متوازن استعمال یا آفتابی غسل (Sun Bath) کے نتیجے میں کئی امراض وجود میں آچکے ہیں، جن کے تدارک کے لیے مختلف دوائیں اور کریمیں بھی بنائی جارہی ہیں۔ آنحضرتؐ کی اپنی امت پر یہ شفقت وعنایت ہے کہ آپؐ نے بہت زمانہ قبل مظاہرِ قدرت سے ٹھیک استفادے اور اعتدال کی تعلیم دی اور ہر قسم کی بے اعتدالی اور اسراف سے منع فرما دیا۔ آج علم کی ترقی انسان کو علمِ وحی سے کچھ زیادہ نہیں دے سکی۔

(دیکھیے: توانائی کے کرشمے، از: بہرام خان، ص ۵۱۔۵۲) نیز (الحقائق الطبیہ فی الاسلام، از: ڈاکٹر کیلانی، بحث سورج)

Marfat.com

سفید رنگ کی خاصیت

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَلْبِسُوْا ثِیَابَکُمَ الْبِیْضَ فَاِنَّھا اَطْیَبُ وَأَطْھَرُ. (سنن ابوداؤد: ۳۸۸۰، طبرانی الکبیر: ۶۶۴۰)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو، کیونکہ سفید رنگ کا لباس زیادہ خوشگوار اور پاکیزہ ہوتا ہے''۔

کسی بھی رنگ کی تاثیر کے بارے میں اس قسم کی بات پختہ علم اور مختلف رنگوں کے خواص کی الگ الگ معرفت کے بغیر نہیں کہی جاسکتی، یہاں سفید رنگ کے بارے میں خوشگواری اور پاکیزگی دونوں صفات ''علم الالوان'' رنگوں کے علم کے لحاظ سے سائنٹفک درجے کی حامل ہیں۔ رنگ و روشنی کے ماہرین بہت سارے عملی تجربات کے بعد سفید رنگ کی جتنی خوبیاں اور خاصیتیں ذکر کرتے ہیں وہ سب کی سب رسولِ خدا حضرت محمدؐ نے اپنے ایک ہی جملے میں سمودی ہیں۔

دورِ جدید کے تحقیق نگاروں نے یہ کھوج لگایا ہے کہ سفید رنگ سورج کی تپش اور حدّت کو بدن تک منتقل کرنے کے بجائے اُسے منعکس کر دیتا ہے۔ سفید رنگ خود بھی گرم نہیں ہوتا اور نہ ہی حرارت کو باآسانی گزرنے کا وسیلہ فراہم کرتا ہے۔ اس بات کو حدیث میں خوشگواری اور آسودگی سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ بات تجربے سے بھی ثابت ہے کہ سفید لباس پہننے والا گرمی کی شدت میں آرام محسوس کرتا ہے اور سورج کے حرارتی حملے سے محفوظ رہتا ہے۔ تیز دھوپ میں سفید رنگ کی دھاتی اشیا چھوئی جاسکتی ہیں، جبکہ رنگ دار اشیا کو مس کرنے سے ہاتھ جھلسنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

حدیث بالا میں بیان کی گئی دوسری صفت پاکیزگی کو اُن تحقیقی بیانات کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے، جن کے مطابق سفید رنگ کے کپڑوں میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ سورج کی بالائی بنفشی (Ultra Violet) شعاعوں کو روک دیتے ہیں۔ اس طرح بدن کئی قسم کے جِلدی امراض، پھپھوند کے حملے اور کینسر سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ نیز دھوپ میں موجود جِلد کی رنگت کو سیاہی مائل کرنے والا مادّہ ''میلانن'' بھی سفید کپڑوں کی موجودگی میں بے اثر ہو

Marfat.com

جاتا ہے۔ (اصول کرومو پیتھی، ص ۴۳۔ نظریۂ رنگ و نور، از: شمس عظیمی)

سفید رنگ میں طہارت کے معانی کو عملی روپ میں بھی دیکھا جاسکتا ہے، کیونکہ سفید رنگ اپنے اجلے پن کی وجہ سے کسی معمولی آلودگی کو بھی جذب نہیں کرتا بلکہ اسے نمایاں کر دیتا ہے، اس صورت میں نفسیاتی طور پر بھی یہ ممکن نہیں رہتا کہ سفید کپڑا بہت زیادہ میلا ہونے تک پہنا جاسکے، بلکہ اسے جلد تبدیل یا صاف کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس طرح سفید رنگ فطری طور پر پاکیزہ اور صاف ماحول مہیا کرتا ہے۔

نظر لگنے کی حقیقت (Evil Eye)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ: اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اَلْعَیْنُ حَقٌّ (صحیح بخاری: ۵۷۴۰، صحیح مسلم: ۲۱۸۷)

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَیْسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: فَلَوْ کَانَ شَئْیٌ یَسْبِقُ الْقَضَاءَ لَسَبَقَتْهُ الْعَیْنُ. (سنن ترمذی: ۲۰۵۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۱۰)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: نظر کا لگنا بالکل سچ ہے، حضرت اسماء بنت عمیسؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو وہ نظر ہوتی''۔

انسانی زندگی میں نظر کا لگنا ایک معروف تجربہ ہے، اس حدیثِ نبوی میں بھی نظر کی مادّی حیثیت کی طرف اشارہ موجود ہے۔ حدیث میں کسی چیز کا اثبات یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کی تعلیل و توجیہ مشاہدے، تحقیق، اور علوم کی ترقی کے ذریعے ہوسکتی ہے، اگرچہ بعض مظاہر ایسے ہوسکتے ہیں جو انسانی ادراک و معرفت کے دائرے سے ماوراء ہوں تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قدیم برسوں میں بہت سے لاینحل حقائق آج علمی شناخت کے ذریعے قابل فہم ہوگئے ہیں اور فہم و دریافت کا یہ سفر تیزی سے جاری ہے۔

اگرچہ انسان نے نظر لگنے کا مشاہدہ تو بارہا کیا تاہم وہ قوتِ نظر میں موجود اُس مؤثر عامل کو نہیں سمجھ سکا جو اپنی تاثیر سے ہدف کو توڑ پھوڑ دیتا ہے۔

جب تک فضا اور ماحول میں مختلف غیر مرئی لہریں اور اسی طرح انسانی بدن سے نکلنے

Marfat.com

والی برقی مناطیسی امواج دریافت نہیں ہوئی تھیں نظر کی حقیقت کا سوال اپنی جگہ پر قائم تھا مگر ان سائنسی دریافتوں کے بعد اس کو سمجھنا خاصا آسان ہو گیا ہے۔

اس اعتبار سے حدیثِ نبوی میں صدیوں پہلے ان غیر مرئی موجوں کے وجود کی طرف اشارہ کر دیا گیا تھا۔ آج کا ریموٹ کنٹرول آلہ اس کی جدید برقی شکل ہے جو اب ہر جگہ استعمال ہو رہا ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مادّی اثر پذیری کے لیے جسمانی ارتباط ضروری نہیں بلکہ دور سے بھی اثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ جیسے محبوب شخص کو دیکھنے سے چہرہ دمکنے لگتا ہے اور شرمناک منظر سے سرخ ہو جاتا ہے، اور انسان جس سے خائف ہو اس کے سامنے آ جانے سے رنگ زرد پڑنے لگتا ہے۔ اس طرح کے متعدد انفعالات سے ان امواج کی تاثیر کو سمجھا جا سکتا ہے۔ آپؐ سے منقول بعض صحیح احادیث میں بھی اس جانب اشارہ ملتا ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ایک حدیث میں آپؐ نے سانپوں کی دو قسموں ذُوالطُّفُیتَین دودھاری اور اَبتَر جسے عرفِ عام لنڈی یا چپٹی دُم والا بھی کہتے ہیں، ان دونوں کے بارے میں فرمایا: یہ بصارت زائل کر دیتے ہیں اور حمل گرا دیتے ہیں۔

(صحیح بخاری: ۳۳۰۹، مسند ابوداؤد الطیاسی: ۱۶۴۶)

نویں صدی ہجری میں حیوانات اور حشرات الارض کے بارے میں لکھی جانے والی مایہ ناز کتاب ''حیاۃ الحیوان'' کے مصنف علامہ دمیری نے سانپوں کی خطرناک اقسام میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے زہریلے اور دوررس اثرات کی تصدیق کی ہے۔ (دیکھیے: حیاۃ الحیوان ۱۳۲/۲)

اسی طرح مشہور محدث و محقق حافظ ابن قیمؒ نے آج سے سات سو سال قبل نظر اور بدن انسانی سے خارج ہونے والی نامعلوم لہروں کے اثرات پر دلچسپ اور معلوماتی نوٹ لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے (زاد المعاد ۴/ ۱۶۵۔۱۶۸)

یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ہر نظر کی تاثیر یکساں نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ محض آنکھ کی پتلی کی قوت ہے جو اپنے ہدف پر اثر انداز ہوتی ہے، بلکہ یہ نظر اور نفس و روح کے شر اور خبث کا مرکب ہوتی ہے، نفسانی کیفیت جس قدر ردّی اور خبیث ہوں گی، اثراتِ نظر بھی اتنے ہی شدید اور مضر ہوں گے، بلکہ یوں کہنے میں مبالغہ نہیں کہ نیک نفس اور آسودہ باطن انسان کی

Marfat.com

نظر نہیں لگتی، نظر اُسی وقت ''بد'' قرار پاتی ہے جب اس میں فاسد ہیجانِ نفس شامل ہوتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہؐ نے حسد، کینہ و بغض اور نفرت و اشتعال سے منع فرمایا ہے۔

نظر کی مادّی حیثیت اس طرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ جاذبِ نظر اور حسین چیز سے نظر کو پھیرنے اور منعطف کر دینے کے لیے بعض کبار صحابہؓ سے ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے ایک خوبصورت لڑکے کا سر اس لیے منڈوا دیا تھا کہ وہ نظر بد کا شکار نہ ہو، اسی طرح حضرت عثمانؓ نے ایک حسین و جمیل بچے کو دیکھ کر فرمایا: کہ اس کی ٹھوڑی کو سیاہ کر دو تا کہ اسے نظر نہ لگے۔ خواتین کے پردے اور حجاب کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بزرگ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نظر کی مادّی حیثیت سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ کوئی حائل یا رکاوٹ نظر کے بد اثرات کو منعطف کر سکتے ہیں۔ غالباً اسی بنا پر رسول اللہؐ نے نظر کے علاج میں خالصتاً مادّی ذرائع اختیار فرمائے ہیں۔ اس موضوع پر اگلے عنوان میں بحث ہوگی۔

اس پورے قضیے کو جدید سائنسی دریافتوں کی روشنی میں یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ بنیادی طور پر انسانی دماغ برقی (Electrical) اشاروں کے نظام پر چل رہا ہے۔ نظر لگنے میں بھی دراصل یہی برقی اشارے یکجا ہو کر تاثیر پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ قوت کا ایک ارتکازی (Concentrating) عمل ہوتا ہے، جس طرح کیمرے کے اندر روشنی کی قوت اُس کے فلیش میں جمع ہو کر یکبارگی محض اپنے فوکس کو کئی گنا زیادہ روشن کر دیتی ہے۔

(سرراہے گاہے۔ ۱۲۷، از: پروفیسر احمد رفیق اختر)

جب سے انسانی بدن میں نظر نہ آنے والی برقی لہروں اور شعاعوں کا وجود ثابت ہوا ہے یہ بحث لایعنی سی ہوگئی ہے کہ روح مادّے پر اور مادّہ روح پر کیسے اثر انداز ہوتے ہیں، اب یہ روزمرہ کا مشاہدہ بن گیا ہے اور کوئی اس کا انکاری نہیں۔

یاد رہے کہ نظر لگنے کے لیے آنکھ کا ہونا حتمی نہیں، بسا اوقات کسی کو دیکھے بغیر یا کسی نابینا انسان کی نظر بھی مہلک ہوسکتی ہے گویا اصل شے وہ نفسانی کیفیت ہے جو نظر لگانے والے شخص کے باطن میں موجزن ہوتی ہے، آنکھ اس کیفیتِ خبیثہ کو منتقل کرنے کا ایک فطری

Marfat.com

ذریعہ ہے لیکن اگر یہ ذریعہ موجود نہ ہو تب بھی یہ ہیجان خیز باطنی امواج اپنے ہدف تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

نظر اتارے کی توجیہ

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ رَأَى عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَغْتَسِلُ فَقَالَ: وَاللّٰهِ مَارَأَيْتُ كَالْيَوْمِ وَلَا جِلْدَ مُخْبَأَةٍ قَالَ: فَلُبِطَ سَهْلٌ فَأَتَى رَسُوْلُ اللّٰهِ عَامِرًا فَتَغَيَّظَ وَقَالَ: عَلَامَ يَقْتُلُ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ اَلَّا بَرَّكْتَ، اِغْتَسِلْ لَهُ. فَغَسَلَ لَهُ عَامِرٌ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمِرْفَقَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَاَطْرَافَ رِجْلَيْهِ وَدَاخِلَةَ اِزَارِهِ فِيْ قَدَحٍ ثُمَّ صَبَّ عَلَيْهِ فَرَاحَ مَعَ النَّاسِ. (مؤطا امام مالک: ۳:۱۹۷۲، کتاب العین، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۳۵۹۵)

''حضرت سہل بن حنیف کے بیٹے ابوامامہؓ بیان فرماتے ہیں کہ عامر بن ربیعہ نے میرے والد سہل کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہا بخدا آج جیسا منظر اور اتنی حسین جلد میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ اُن کے یہ کہتے ہی سہل سخت بیمار پڑ گئے اور ان کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ چنانچہ رسول اللہؐ عامر پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: آخر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں مارے ڈالتا ہے؟ تم نے (اسے دیکھ کر) برکت کی دعا کیوں نہ کی، اب تم اس کے لیے غسل کرو، تب عامر نے اپنا چہرہ ہاتھ اور کہنیوں تک بازو دھوئے، پھر پاؤں گھٹنے اور تہہ بند کے اندر آنے والا جسم کا حصہ ایک تشت میں دھویا، پھر یہ پانی حضرت سہل پر یکبارگی انڈیل دیا اور حضرت سہل بالکل تندرست ہو کر لوگوں کے ساتھ چلنے پھرنے لگے۔

حدیث میں علاجِ نظر کے لیے متعدد روحانی کلمات، دَم اور استعاذہ وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۱۸۵، سنن ابوداود: ۳۸۸۸)

جبکہ حدیث بالا میں اس کے مادّی علاج کی تفصیل اور طریقہ بیان ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے یہ طریقہ باقاعدہ اپنے صحابہ اور اہل خانہ کو سکھایا تھا اور آپ کے زمانے میں

Marfat.com

بالعموم اس پر عمل درآمد ہوتا تھا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ ہمیشہ نظر لگانے والے کو اپنے اعضاء وضو ایک برتن میں دھونے کا حکم دیتے تھے، پھر یہ پانی نظر زدہ شخص پر انڈیل دیا جاتا تھا۔ (سنن ابوداوٗد: ۳۸۸۰)

البتہ اس علاج کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نظر لگانے والا شخص معلوم ہو جائے یا یقین کی حد تک یہ الزام کسی شخص پر عائد کیا جا سکے، تب ہی اس کا استعمال شدہ پانی مفید ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث بالا میں حضرت سہل کی طبیعت بگڑنے پر بھی آپؐ نے آس پاس موجود لوگوں سے دریافت فرمایا تھا کہ تم اس کا الزام کسے دیتے ہو؟ جب لوگوں نے عامر بن ربیعہؓ کا نام لیا تو آپؐ نے انہیں مذکورہ طریقہ اختیار کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ (دیکھیے: معجم طبرانی کبیر: ۵۴۴۰)

یہ بات تجربے و مشاہدے سے ثابت ہو چکی ہے کہ نظر کا لگنا حسرت و حسد کے اندرونی طور پر مشتعل جذبات کے باعث وقوع پذیر ہوتا ہے، کبھی غصہ و رقابت، کبھی نفرت اور بعض دفعہ مبالغہ آمیزی کی کیفیات بھی نظر لگنے کا سبب بن جاتی ہیں، یہ تمام کیفیات غیر معتدل اور طبعی حالت سکون سے ہٹی ہوئی ہیں، ان میں خُبث باطن کا ہیجان اور جوش نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ نے حسد اور غصے کو آگ سے مشابہ قرار دیا ہے یا انہیں اس مناسبت سے شیطانی قوت کا مظہر بتلایا ہے کہ شیطان کی تخلیق بھی آگ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ ناری اشتعال اور حرارت کا سب سے کارگر علاج پانی اور اس کی ٹھنڈک ہے، اسی سے علاج تجویز کیا گیا ہے۔

بدن کے اعضا کو پانی سے دھونے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ وارداتِ شیطانیہ کا اظہار انہی اعضا سے ہوتا ہے اور بالخصوص بعض مستور اعضا شیطانی ہیجان اور جذبات کا مرکز ہوتے ہیں۔ جب پانی کے ذریعے انہیں دھو لیا جائے گا تو ان کی خبیث تاثیرات اور شیطانی حرارت جاتی رہے گی، جس طرح پانی پینے سے غصے کی کیفیت جاتی رہتی ہے اور بعض مرتبہ غسل کرنے سے بخار کی شدت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر جیسے یہ کیفیت فاعل سے ختم ہوتی ہے اسی طرح مفعول سے بھی دور ہو جاتی ہے یا جس پانی نے فاعل کے موجزن جذبات کو سرد کیا وہی پانی جب مریض کو مس کرتا ہے تو اس سے بھی نظر کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ غور

Marfat.com

فرمائیں تو یہ علاجِ نبوی طبعی قوانین کے عین موافق ہے، جبکہ اس میں روحانیت کا پرتو بھی نظر آ رہا ہے۔ (دیکھیے: الطب النبوی، از: علامہ ابن قیم، ۱۷۱)

الفاظ کی مادّی تاثیر

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا (تَعْنِي قَصِيرَةً) فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ.

(سنن ابوداؤد: ۴۸۷۵، سنن ترمذی: ۲۵۰۲)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے نبی کریمؐ کو (اپنی سوکن) حضرت صفیہؓ کے بارے میں کہا: ''بس آپ کے لیے تو وہ بونی ہی کافی ہے'' اس پر آپؐ نے فرمایا: عائشہؓ تم نے ایسا لفظ بولا ہے کہ اگر یہ سمندر جتنے پانی میں ملا دیا جائے تو اُسے بھی بدمزا کر دے''۔

یہ حدیث غیبت اور کسی کے بارے میں طعنہ زنی کی قباحت بیان کرتی ہے، آپؐ نے کسی مسلمان کی عیب جوئی اور اس کے کسی فطری نقص کے اظہار کو بھی سخت ناپسند فرمایا ہے، بلکہ آپؐ نے ان منفی کلمات کو حسّی طور پر اتنا تلخ بتایا ہے کہ ان کی وجہ سے سمندر کی مقدار میں پانی کڑوا ہو سکتا ہے۔ اس اسلوب کو ایک تمثیل قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن جب سے سائنس غیر مرئی شعاعوں اور لہروں کو دیکھنے بلکہ ان کے رنگ تک معلوم کرنے کے قابل ہو گئی ہے تب سے دل و دماغ سے خارج ہونے والی جذباتی لہروں (Emotional Waves) کا ادراک بھی ایک حقیقت بن گیا ہے۔

علم ماوراء النفس (Perapsychology) علمِ روحانیت کی ایک جدید شکل ہے، جس میں ہر لفظ کو ایک برقی ایٹم کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس میں داخلی اور خارجی برقی لہریں موجود ہوتی ہیں، اس کے اثرات عالمِ خاکی اور عالمِ لطیف دونوں میں نمودار ہوتے ہیں، غالباً یہی وجہ ہے کہ غیرت اور غصے کا باعث بننے والے الفاظ کو سنتے ہی سامع اور مخاطب کے تن بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے، گویا یہ آگ کی غیر مرئی لہریں ہوتی ہیں جو ایک کے سینے سے نکل

Marfat.com

کر دوسرے کے دل و دماغ کو مشتعل کر دیتی ہیں۔ سائنسی و برقی آلات کی ایجاد کے بعد یہ سب کچھ کہنا نسبتاً آسان ہو گیا ہے، لیکن موجبِ حیرت ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور فلسفی محقق اور فقیہ حافظ ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے ماقبل سائنس زمانے میں ان غیر مرئی جواہر اور اجسام کے وجود اور بدن پر ان کی تاثیرات کے حوالے سے علمی گفتگو کی ہے۔

(دیکھیے: زادالمعارج ۴/ص ۱۷، نیز ۱۶۵۔۱۶۶)

جس طرح منفی اور قبیح معانی رکھنے والے الفاظ کا اثر مخاطب پر بُرے اثرات کی صورت میں نمودار ہوتا ہے، اسی طرح نیک اور مبارک کلمات اپنی برقی موجوں کے ذریعے مخاطب کے دل میں جوش و جذبہ اور قوت و حوصلہ پیدا کرتے ہیں، تمام دعائیہ کلمات کی یہی نوعیت ہوتی ہے۔ (دیکھیے Invisible Helpers: ۔از: ڈاکٹر لیڈ بیٹر، ص ۴)

اس موقع پر چند اور احادیث کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کے معانی تفصیل بالا کی روشنی میں زیادہ دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: الکلمة الطیبة صدقه ''پاکیزہ بات ایک صدقہ ہے''۔ (صحیح بخاری: ۲۸۹۱، صحیح مسلم: ۱۰۰۹)

جس طرح صدقے کی شکل میں کسی کی معاونت اس کے لیے مالی تقویت اور سہارے کا موجب بنتی ہے بعینہٖ اسی طرح اچھی بات بھی سامع کے دل میں خوشی و مسرت اور امید و حوصلہ پیدا کر دیتی ہے اور یہ صفات صدقے کی طرح بالکل انمول ہیں، ان کی مادّی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔ اگر محض ایک دو کلمات سے کسی مسلمان بھائی کی معنوی و بدنی قوتیں بیدار ہو جائیں تو یہ عمل یقیناً ایک صدقہ ہے اور مادّی و مقوی غذاؤں کے مقابلے میں بدرجہا پُر اثر ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں زیادہ گہری بات کہی گئی ہے:

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریمؐ کے ساتھ تھے، اچانک سخت بدبودار ہوا کا جھونکا آیا، آپؐ نے فرمایا: کچھ منافقین نے چند مسلمانوں کی غیبت کی ہے، یہ بدبودار ہوا وہیں سے آئی ہے''۔ (مسند ابو یعلی: ۲۳۱۰، التوبیخ والتنبیہ، از: ابو الشیخ: ۱۶۹)

Marfat.com

یہ حدیث واضح طور پر غیبت پر مبنی کلمات کی محسوس بدبو اور تعفن کا تذکرہ کرتی ہے۔ جسے آنحضرتؐ کے ساتھ آپ کے صحابہؓ نے بھی محسوس کیا، اس اعتبار سے یہ کوئی معجزاتی کیفیت نہیں تھی، تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی احساس جس قدر شفاف لطیف اور پاکیزہ ہوگا اس کے محسوسات بھی اتنے ہی سریع اور دوررس ہوں گے، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اپنی اس معنوی خاصیت کی بنا پر ایک ایسی شے کو محسوس کیا جس کا ادراک عام لوگ نہیں کر پاتے۔

اب اس حدیث پاک کے معانی زیادہ نکھر کر سامنے آتے ہیں، جس میں نبی کریمؐ نے فرمایا: من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت. ''جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ کہے تو اچھی بات کہے، ورنہ خاموش رہے''۔

(صحیح بخاری: ۶۰۱۸، موطا از امام مالک: ۱۷۰۹)

جدید پیرا سائیکالوجی کی تحقیق میں یہ اثرات محض منہ سے ادا ہونے والے الفاظ تک ہی محدود نہیں، بلکہ دل و دماغ میں آنے والے خیالات، نیت اور ارادے میں بھی یہ خاصیت پائی جاتی ہے اور یہ خارجی دنیا میں اپنی تاثیرات قائم کرتی ہے۔

(دیکھیے: The master and the path از: ڈاکٹر آر ڈبلیو ٹرائن، ص ۲۳)

اسی بنا پر ایک مشہور حدیث میں نیت کی اہمیت کو کچھ اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ جملہ اخلاق و اعمال اُس کی وسعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر قائم ہے اور ہر شخص کے نصیب میں وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی ہے''۔ (صحیح بخاری: ۱)

گزشتہ سطور میں بیان کردہ تحقیقات کو دیکھتے ہوئے اب یہ واضح ہونے لگا ہے کہ نیتوں کا صلہ ثواب و جزا کی شکل میں صرف آخرت میں ہی نہیں ملے گا، بلکہ اس دنیا میں بھی اس کے اچھے یا بُرے اثرات ضرور قائم ہوں گے۔

Marfat.com

مُہرِ نبوت

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَؓ قَالَ: رَأَيْتُ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلُ بَيْضَةِ الْحَمَامِ. (مستدرک حاکم:۴۱۹۷، سنن ترمذی:۳۶۴۴)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسٍ قَالَ: فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ عِنْدَ نُغْضِ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى جَمْعًا عَلَيْهِ خِيْلَانٌ كَاَمْثَالِ الثَّآلِيْلِ.

(صحیح مسلم:۲۳۴۶)

''حضرت جابر بن سمرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کی مُہر نبوت کو آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان دیکھا وہ کبوتر کے انڈے جتنی تھی۔ اور حضرت عبداللہ بن سرجسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مُہر نبوت کو آپ کندھوں کے درمیان بائیں جانب کندھے کی مرمری ہڈی کے اوپر پایا یہ گویا بہت سارے مسوں کا مجموعہ تھا''۔

آپؐ کے شانۂ مبارک پر مُہر نبوت کا وجود علم سیرت و تاریخ کا ایک مسلّمہ موضوع ہے دو بنیادی حدیثیں ہم نے اوپر کی سطور میں ذکر کی ہیں، مُہر نبوت کے مقام میں کوئی دو بیانات باہم مختلف نہیں ہیں، بلکہ سب مشاہدات بائیں کندھے کی نرم اور چپٹی ہڈی پر اس کے وجود کا تذکرہ کرتے ہیں، البتہ مُہر نبوت کی شکل و صورت کے بارے میں ہر ایک نے اپنے مشاہدے کی تعبیر اپنے فہم کے مطابق کی ہے۔ فی الحقیقت یہ بھی کوئی اختلاف نہیں بلکہ اظہار مدعا کا تنوع ہے، اس سلسلے میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں جن کی تفصیل شروحاتِ حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (دیکھیے: فتح الباری:۶/۵۶۳)

مُہر نبوت کی شکل و صورت اور اس کی تمثیل و تشبیہ سے قطع نظر اتفاقی صورت یہ ہے کہ یہ مُہر آپ کے بدن پر ابھرے ہوئے گوشت یا مسّے کی مانند تھی۔ یہاں دو تین دلچسپ امور قابل توجہ ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ مُہر نبوت پیدائشی طور پر نہیں تھی بلکہ بعض روایات کے مطابق اُس موقع پر فرشتوں کی جانب سے آپ کے جسدِ مبارک میں نصب کی گئی تھی جب بچپنے میں شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا تھا، آپؐ کے بیان کے مطابق دو فرشتوں نے تو سینہ چیر کر

Marfat.com

دل نکالا تھا اور پھر اسے زم زم سے دھو کر دوبارہ اپنے مقام پر پیوست کر دیا تھا، لیکن ایک تیسرے فرشتے نے آگے بڑھ کر کندھوں کے درمیان مُہر جیسی کوئی چیز نصب کر دی تھی، جبکہ اس میں سے شعائیں نکل رہی تھیں۔ آپ نے مزید فرمایا: کہ میں ایک زمانے تک اس مُہر کی ٹھنڈک اپنے بدن میں محسوس کرتا رہا۔ (کنز العمال: ۳۵۵۵۸)

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آپؐ کی اس دنیائے فانی سے رحلت کے موقع پر تدفین سے قبل ہی یہ مُہر نبوت آپ کے بدن سے اٹھالی گئی تھی، بلکہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے اس مُہر نبوت کے غائب ہو جانے کو ہی اس بات کی دلیل گردانا تھا کہ آپؐ کی وفات ہو چکی ہے۔

(طبقات الکبریٰ: ۲۲۴۰)

اس تفصیل کے بعد یہ سمجھنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ مُہر نبوت خاص طور پر نصب کردہ ایک چیز تھی، بظاہر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی دھاتی شے تھی جو بدن کی حرارت کے باوجود اپنی ٹھنڈک کا احساس دلاتی رہتی تھی اور آپؐ ایک طویل عرصے تک اس کی موجودگی سے مانوس نہیں ہو سکے تھے۔ اب یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ اس مُہر کی تنصیب میں کیا حکمت مضمر تھی۔

اللہ کی مشیت اور ارادے کو تو ہم نہیں جان سکتے اور نہ ہی یہ گمان کر سکتے ہیں کہ اللہ رب العزت اپنی کارفرمائیوں کے لیے کبھی محتاج ہو سکتا ہے، وہ قادرِ مطلق اور پوری دسترس کی حامل ذات ہے اور ہر حال میں غنی و بے نیاز ہے۔ مگر دوسری طرف اس حقیقت سے بھی کوئی مفر نہیں کہ صنعت و تخلیق کے اس کارخانے میں ''کن فیکون'' جیسے تصرف و اختیار کے باوجود لاتعداد فرشتے قضاء و قدر کے حوادث بجالاتے ہیں اور بے شمار دیگر کارکنان بھی اللہ کی مشیت و تقدیر کے مطابق احکام کی تعمیل پر مامور ہیں، اسباب و علل کی اس دنیا کا رنگ و آہنگ کچھ اس سے مختلف نہیں، اس صورتحال میں مُہر نبوت کے متعلق یہ قیاس شاید بہت عجیب نہیں لگتا کہ یہ آلہ (Device) دراصل عالمِ بشریت اور عالمِ ملکوت کے درمیان رابطے و اتصال میں کسی نہ کسی کردار کا حامل تھا اور جسے آنحضرت کے وصال کے ساتھ ہی واپس اپنے قبضۂ قدرت میں لے لیا گیا اور آپ کی زندگی میں یہ بدنِ اطہر پر موجود رہا۔ اس ربط و صلے کی نوعیت کیا تھی اور یہ مہر نبوت کس طرح کارہائے نبوت اور امورِ وحی میں اپنا متعین وظیفہ

Marfat.com

سرانجام دیتی تھی اس کی تفاصیل کتب سیرت وحدیث میں ہمیں نہیں ملتیں۔

البتہ مُہر نبوت سے متعلق احادیث میں ایسے امکانی اشارات ضرور پائے جاتے ہیں کہ جدید سائنس نے بہت بعد میں ان کے مشابہ چند ایجادات وضع کیں اور جن کے ذریعے انتہائی دور دراز مقامات تک بعض مخصوص افراد سے رابطہ اور اُن کی نقل وحرکت معلوم کرنا ممکن ہوا۔ آج سائنس، طب وعلاج سمیت مختلف مخابراتی مقاصد کے لیے انسانی بدن میں مخصوص آلات کی تنصیب کا عمل انجام دے رہی ہے، ان کے ذریعے اعضائے بدن کی کارکردگی سمیت طویل فاصلوں سے جاسوسی اور معلومات کا تبادلہ کیا جا رہا ہے۔ اس اصول کے مطابق نہایت جدید اور ننھے منے وجود پر مشتمل ایجاد سم (SIM) یا چپ (Chip) ہے، جو آج کل دنیا کے اکثر انسانوں کی زندگی کا حصہ بن گئی ہے اور عسکری تکنیک میں یہ اضافہ ہوا ہے کہ بغیر انسان کے جاسوس طیارے اسی سم کی رہنمائی میں اپنے اہداف کو کامیابی سے نشانہ بناتے ہیں اور انہیں ہزاروں میل کی مسافت سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔

مُہر نبوت کے بارے میں ہمارے خیال کو خود آنحضرتؐ کے اس جملے سے تقویت ملتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: مہر نبوت جب میرے بدن میں نصب کی گئی اس وقت اس میں سے شعاعیں نکل رہی تھیں۔ کیا یہ برقی مقناطیسی اور ریڈیائی لہریں تھیں یا اُن سے برتر واعلیٰ کچھ اور چیز، اس ملکوتی راز کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم

بصارت کی حقیقت

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ خُشُوْعُکُمْ وَلَا رُکُوْعُکُمْ اِنِّی لَاَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِی. (صحیح بخاری:۴۱۹، صحیح ابن خزیمہ:۱۴۰۲)

”حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا مجھ پر (نماز میں) تمہارا خشوع وخضوع اور رکوع کی کیفیت مخفی نہیں رہتی، میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی صاف دیکھتا ہوں“۔

یہ حدیث پاک ایک معجزۂ نبوی کو بیان کر رہی ہے جس کے مطابق نبی کریمؐ کو یہ

Marfat.com

صلاحیت عطا کی گئی تھی کہ آپ اپنے عقب کے مناظر بھی بالکل اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے کی چیزوں کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کے وہ اوصاف و مظاہر جن کے اسباب ظاہراً نظر نہیں آتے انہیں معجزات اور خرق عادت افعال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر چہ یہ بحث تاحال تشنۂ تحقیق ہے کہ کیا معجزات مطلقاً کسی سببِ تکوینی کے بغیر ظہور پذیر ہوتے ہیں یا اس دارالاسباب میں وہ بھی بعض ایسی مخفی اور طبعی علتوں کے تحت وجود میں آتے ہیں جن کی شناخت اور ادراک ابھی تک انسان کو حاصل نہیں ہو سکے، چنانچہ انہیں مافوق العادہ کہہ کر باب بند کر دیا جاتا ہے۔

محقق شارحین حدیث کا اندازِ بحث دیکھ کر یہ علم ہوتا ہے کہ وہ معجزات کو بھی حقیقی اسباب کے تحت سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس حدیث میں آپ کو حاصل پیچھے دیکھنے کی صلاحیت کے بارے میں معجزے کی تعبیر کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آپ کے حاسہ بصارت میں ایک اضافی قوت کا نتیجہ تھا اور بعض مشائخ نے اسے آپ کے کندھوں کے درمیان حقیقی آنکھوں کے وجود پر محمول کیا ہے جو لباس اور کپڑوں کے باوجود عقبی مناظر دیکھ لیتی تھیں۔ نیز سائنسی مقام کی حامل یہ تعبیر بھی واضح کی گئی ہے کہ رویت اور مشاہدے کے لیے اشیا کا نگاہوں کے بالمقابل ہونا ضروری نہیں۔ (دیکھیے: شرح القسطلانی ۱/۴۲۳، شرح ابن بطال ۲/۷۱)

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی تشریح میں یہ حیرت انگیز بات کہی ہے کہ بصارت کے لیے کسی مخصوص عضو کی ضرورت نہیں، گویا رویت بدن کے کسی بھی جز سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کے مشہور عالم اور استاذ المحدثین مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے اپنے زمانے کی جدید سائنس کا حوالہ دیتے ہوئے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رویت اور مشاہدے کی قوت صرف آنکھوں تک محدود نہیں بلکہ یہ بدن کے تمام اعضا میں ہو سکتی ہے۔ (دیکھیے: فتح الباری: ۱/۵۱۴، فیض الباری: ۲/۳۳۴)

ان تفصیلات کے پیش نظر حدیث اپنی معجزاتی حیثیت کے باوجود اس سائنسی حقیقت کو بھی ثابت کرتی ہے کہ رویت کا تعلق صرف آنکھوں سے نہیں، بلکہ وہ دوسرے اجزائے بدن سے بھی حاصل ہو سکتی ہے، آج کی تازہ سائنسی تحقیقات نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ

Marfat.com

دراصل رویت اور بصارت کا تعلق آنکھوں سے نہیں بلکہ دماغ سے ہے، آنکھیں محض اشیا کی تصویر دماغ کو منتقل کرتی ہیں اور دماغ ان کو دیکھتا، جانچتا اور پرکھتا ہے۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ آنکھوں والا کام بدن کا کوئی دوسرا عضو انجام دے اور دماغ مشاہدے اور رویت سے مستفید ہو۔ اسی اصول کی بنیاد پر آج نابینا افراد کو بینائی کی دولت حاصل ہو رہی ہے۔ مشہور کمپنی وائی کیپ (Y Cap) کمرشل بنیادوں پر ایسا اسکینر تیار کر رہی ہے جو نابینا افراد کی زبان سے لگا دیا جاتا ہے اور نابینا شخص آنکھوں پر ایک عینک پہنتا ہے جو باہر کی تصاویر اس اسکینر کو منتقل کر دیتی ہے پھر یہ اسکینر انہیں دماغ تک پہنچا دیتا ہے، اس عمل کے نتیجے میں نابینا شخص کا دماغ ان تصاویر کو بالکل اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح صحت مند فرد کی جسمانی آنکھ دیکھتی ہے۔ (انٹرویو ڈاکٹر عطاء الرحمٰن، سنڈے ایکسپریس ۹ فروری ۲۰۱۴ء، ص ۷)

یہ ایجاد حدیث میں پائے جانے والے اُن امکان کی تصدیق و اثبات کر رہی ہے جس کا اصولی ذکر محدثین اور شارحینِ حدیث کے حوالے سے گزشتہ سطور میں کیا گیا ہے۔

Marfat.com

باب پنجم

علم الحیوان

Marfat.com

ترتیب

علم حیوانات	۲۲۳
ذبح کی مہارت	۲۲۴
ذبح اور قتل میں سائنسی فرق	۲۲۶
معیاری چارا	۲۲۹
صحتِ حیوانات	۲۳۰
حشرات اور آبی حیوانات میں ابلاغی صلاحیت	۲۳۱
جانوروں میں شعور	۲۳۳
حیوانات میں جذبۂ رحم دلی	۲۳۴
حیوان اور گفتگو	۲۳۵
شجر و نباتات کا ذی روح ہونا	۲۳۷
جمادات میں زندگی	۲۳۸
حیوانات اور حشرات	۲۳۹

Marfat.com

علم الحیوان

علم حیوانات (Zoology)

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍؓ قَالَ: کُنَّا مَعَ النَّبِیِّؐ فِیْ سَفَرٍ فَنَدَّ بَعِیْرٌ مِّنَ الْاِبِلِ فَطَلَبُوْہُ فَاَعْیَاھُمْ فَرَمَاہُ رَجُلٌ بِسَھْمٍ فَحَبَسَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ: اِنَّ لِھٰذِہِ الْبَھَائِمِ اَوَابِدُ کَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَاِذَا غَلَبَکُمْ مِنْھَا شَیْءٌ فَافْعَلُوْا بِہٖ ھٰکَذَا۔ (صحیح بخاری:۲۵۰۷۔۵۵۰۹، المنتقی لابن جارود:۸۷۱)

''حضرت رافع بن خدیج بتاتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں اللہ کے نبیؐ کے ہمراہ تھے، اچانک ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا، لوگوں نے پکڑنے کی کوشش کی، مگر اونٹ نے انہیں تھکا دیا۔ ایک شخص نے اپنا تیر اس اونٹ پر چلا دیا اور اسے پکڑ لیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے (یہ ماجرا دیکھ کر) فرمایا: بے شک ان گھریلو جانوروں میں بھی نفرت و وحشت ہوتی ہے، لہٰذا تم میں سے کسی کو کوئی جانور عاجز کر دے تو وہ اسے قابو کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرے''۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ حدیث ''ذبیحہ'' یعنی مختلف جانوروں کو ذبح کرنے یا کسی تیز دھار چیز سے جانور کے بدن سے خون بہا کر اسے حلال کرنے کے باب میں ذکر کی ہے، اس کے فقہی احکامات سے قطع نظر اس حدیث میں علمِ حیوانات کی مبادیات سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو جانوروں کی (بہیمۃ) یعنی گھریلو اور مانوس اور وحشی اور جنگلی میں بنیادی تقسیم ہے، اس تقسیم کی بنیاد پر ہی دونوں کے احکامِ ذبح بالکل مختلف ہیں۔ گھریلو جانوروں کے آدابِ ذبح تفصیل سے کتب فقہ میں موجود ہیں اور بڑی حد تک لوگوں میں معروف ہیں۔ البتہ وحشی جانوروں کو قابو کر کے مانوس جانوروں کی مانند پورے آداب سے ذبح کرنا چونکہ ممکن نہیں لہٰذا انہیں تیر و نیزے اور آجکل کی جدید بندوق کی گولی سے زخمی

Marfat.com

کر کے خون بہہ جانے پر حلال قرار دے دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ گھریلو حیوانات میں بھی بسا اوقات وحشت وضد اور فرار کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اسے حلال کرنے کا طریقہ بھی وہی ہوگا جو جنگلی جانوروں کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ یہاں ضمناً ایک اور علمی حقیقت بھی واضح ہوگئی ہے اور وہ گھریلو اور جنگلی جانوروں کی فطرت و خصائل اور نفسیات کی معرفت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ اپنی بدویانہ معاشرت اور صحرائی بودو باش کے باوصف جانوروں کی عادات اور طبیعت سے پوری طرح آگاہ تھے، بلکہ گاہے بگاہے ان میں ہونے والے تغیرات سے بھی واقف تھے اور ایسی غیر متوقع صورت حال پیش آجانے پر اس کے حل کی تدابیر کو بھی جانتے تھے۔

بعض دوسری احادیث میں گھریلو جانوروں کے گمشدہ ہو جانے پر ایک بدوی نے اُن کی ملکیت کے بارے میں حکم دریافت کیا تو آپؐ نے ان جانوروں کی نفسیات، استعدادِ بقا اور جسم کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواباً فرمایا: جہاں تک بھیڑ بکری کا تعلق ہے وہ یا تو تمہاری ہے یا تمہارے کسی بھائی کی یا پھر بھیڑیے کی خوراک ہوگی۔ اُس نے گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے غضبناک ہو کر فرمایا: تمہیں اس کی کیا فکر، اس کے پاس مضبوط پاؤں اور اپنی پیاس بجھانے کا ذخیرہ موجود ہے، وہ پانی پیے گا اور درختوں سے کھائے گا، حتیٰ کہ اس کا مالک اس تک پہنچ جائے گا۔ (صحیح بخاری:۹۱)

اس حدیث میں بھی خاص طور پر اونٹ کی بعض منفرد صفات اور صلاحیتوں کا ذکر زبانِ نبوی سے ادا ہوا ہے جب کوئی ایسا سائنٹفک ذریعہ دستیاب نہیں تھا، جس سے ان کا اندازہ کیا جاسکتا، آج بہت زمانے کے بعد ماہرینِ علم حیوانات میکانکی تجربوں کے بعد ان پیغمبرانہ بیانات کی تصدیق کر رہے ہیں۔

ذبح کی مہارت

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَئٍ فَاِذَاذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ

Marfat.com

اَحَدُکُم شَفرَتَهُ وَلْیُرِحْ ذَبِیحَتَهُ. (صحیح مسلم:۵۱۶۷، مسند البزار ۳۴۶۸)

''حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا: بے شک اللہ نے ہر شے پر احسان کرنا لازم کر دیا ہے، لہٰذا جب تم ذبح کرنا چاہو تو اچھے انداز سے ذبح کرو، تم میں ہر ذبح کرنے والا اپنی چھری خوب تیز کرے اور اپنے ذبیحے کو راحت پہنچائے''۔

ذبح کرنے کی اچھائی کیا ہو سکتی ہے؟ حالانکہ بظاہر گلے کا کٹنا خود ایک خوفناک عمل ہے، حدیث بالا پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ذبح کرتے ہوئے تیز چھری کا استعمال ذبح کی اچھائی بھی ہے اور جانور کے ساتھ حسن سلوک بھی، یہی عمل اگر کند چھری اور ناتجربہ کار ہاتھوں سے انجام دیا جائے گا تو جانور کو اذیت اور تکلیف بھی زیادہ ہوگی اور اس کے خوف و دہشت میں بھی دوچند اضافہ ہوگا۔ تیز چھری سے دفعتاً حلق کی رگیں کٹ جانے کے نتیجے میں جانور فوراً بے ہوش ہو جاتا ہے، مگر حرام مغز کے ذریعے دماغ کا رابطہ بدن کے رگ و ریشے سے قائم رہتا ہے۔ یہ رابطہ اذیت اور تکلیف پر مبنی نہیں ہوتا جبکہ کند چھری سے بے ہوشی طاری نہیں ہوتی اور جانور تکلیف سے بے حال ہو جاتا ہے۔

جانوروں پر طاری ہونے والی مختلف کیفیات کا مطالعہ یہ انکشاف کرتا ہے کہ خوف و دہشت اور اذیت کے مواقع پر جانوروں کے بدن میں ایک غدودی مادہ "Histamine" پیدا ہو جاتا ہے، اس کے باعث بدن کے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور خون کی نالیاں پھیل جاتی ہیں، چنانچہ اس کیفیت میں ذبح کرنے سے خون باہر نکلنے کے بجائے نالیوں کے اندر ہی رہ جاتا ہے اور کچھ ہی دیر میں وہیں جم جاتا ہے، یہ خون گوشت کو ناقابل استعمال، متعفن اور بے ذائقہ بنا دیتا ہے۔

اب یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ چھری کے تیز نہ ہونے اور ذبح کرنے میں ناتجربہ کاری کے باعث جو تاخیر جنم لیتی ہے اس کی وجہ سے ذبیحے کو راحت کے بجائے شدید تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے اور اس کے جسم میں بعض کیمیائی عناصر کی پیداوار سے گوشت کا معیار بھی قابل غذا نہیں رہتا۔ نبی کریمؐ کی ہدایات میں کتنے فوائد مضمر ہیں سائنسی پیش رفت آئے دن

Marfat.com

انہیں آشکار کرتی رہے گی۔ (Wikipedia، عنوان Histamine)

ذبح اور قتل میں سائنسی فرق

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍؓ قَالَ: عَنِ النَّبِیِّؐ قَالَ: مَاأَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ فَكُلُوْهُ مَالَمْ یَكُنْ سِنٌّ وَلَاظُفُرٌ. (صحیح بخاری: ۵۱۱۷)

وَقَالَ: كُلُّ مَا اَفْرَیٰ الْاَوْدَاجَ. (سنن کبریٰ از بیہقی: ۱۹۱۲۷)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةؓ قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلَ اللّٰهِؐ بُدَیْلَ بْنَ وَرْقَاءَ الْخَزَاعِی یَصِیْحُ فِیْ فِجَاجِ مِنٰی: اَلَا اِنَّ الذَّكَاةَ فِیْ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ وَلَا تَعْجَلُوا الْاَنْفُسَ اَنْ تَزْهَقَ. (سنن الدارقطنی: ۴۷۵۴)

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرؓ: نَهٰی عَنِ النَّخْعِ وَقَالَ اِنَّمَا یُقْطَعُ دُوْنَ الْعَظْمِ ثم یُتْرَكُ حَتّٰی یَمُوْتُ وَقَالَ هُوَالسُّنَّةُ. (صحیح بخاری: تعلیقاً، باب النحر والذبح)

''حضرت رافع بن خدیجؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جو چیز خون بہادے اور اُس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھالو، نیز آپؐ نے فرمایا: جو چیز جانور کی خون کی نالیاں کاٹ دے اس سے ذبح کرنا درست ہے، لیکن دانت اور ناخن کے ذریعہ یہ عمل نہ کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہؐ نے بدیل بن ورقاء خزاعی کو منیٰ کی گھاٹیوں میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ سنو: بے شک ذبح کی جگہ حلق اور گردن ہے اور جانور کے مرنے سے پہلے (سر اتارنے میں) جلدی نہ کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ذبح کرتے ہوئے گردن کے مہرے نہ کاٹے جائیں اور ٹھنڈا ہونے تک جانور کو چھوڑ دیا جائے''۔

یہ چار احادیث اس لیے ذکر کی گئی ہیں کہ ذبح کرنے کا درست طریقہ واضح ہو جائے اور اس طریقے میں جو فطری اور سائنسی محاسن مضمر ہیں ان کو الفاظِ حدیث کی روشنی میں سمجھنا آسان ہو جائے۔

Marfat.com

اوپر مذکورہ احادیث کے الفاظ پر غور فرمائیں تو ہمیں جانور کے ذبح اور اس کے قتل میں ایک باریک سا فرق نظر آتا ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ ذبح جانور کی موت سے قبل ایک ایسا عمل ہے، جس کے ذریعے اس کے گوشت کو خون اور دیگر زہریلے مواد سے پاک کرنا مقصود ہے، تا کہ وہ صحت وتوانائی اور نفاست و پاکیزگی کے لحاظ سے کھانے کے قابل ہو سکے۔ چنانچہ گھریلو اور مانوس جانوروں کے لیے ہڈی اور تیز دھار ناخن کے علاوہ پتھر، لکڑی، بانس کا کنارا اور چھری وغیرہ سب سے ذبح کرنا جائز ہے۔ ان تمام اشیا سے مقاصد ذبح حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر ناتجربہ کاری اور جلد بازی کے باعث عملِ ذبح اور جانور کی فوری موت کے درمیان مطلوب وقتی دورانیہ ملحوظ نہ رکھا جا سکے اور فوراً ہی گردن تن سے جدا کر دی جائے یا کسی اور ذریعے سے بے ہوشی اور مصنوعی موت پیدا کر کے جانور کو ذبح کیا جائے تو اکثر فقہاء کے نزدیک جانور حرام تو نہیں ہوتا البتہ اُس کا گوشت معیارِ نفاست (Hygienic) اور اعلیٰ ذوق کے موافق نہیں رہتا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ،۴/۳۰۱،از: ڈاکٹر زحیلی)

اسی طرح اگر جانور کو حلق کے بجائے گدی کی طرف سے ذبح کیا جائے تب بھی ابتداً حرام مغز کٹ جانے سے جانور کی موت پہلے واقع ہوتی ہے اور ذبح کا عمل بعد میں انجام پذیر ہوتا ہے، اس طریقے میں بھی ذبح کی وہ شرعی حکمتیں مفقود رہتی ہیں جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔

احادیث کی روشنی میں فقہاء نے ذبح کے جو آداب تجویز کیے ہیں، اُن کے مطابق حلق اور ہنسلی کی ہڈی کے مابین کم از کم چار رگوں اور نالیوں کا کٹنا ضروری قرار دیا گیا ہے تا کہ ذبح کے مقاصد پورے معیار کے ساتھ حاصل کیے جا سکیں۔ (۱) سانس کی نالی (۲) خوراک کی نالی (۳۔۴) خون کے دائیں اور بائیں دونوں نالیاں۔ ان کے کٹنے کے بعد بھی گردن کی ہڈی اور اُس میں موجود حرام مغز نہیں کٹنا چاہیے، تا کہ اس کے ذریعے دماغ اور بدن کے عضلات کا تعلق برقرار رہے اور بدن کی حرکات کے ذریعے خون سمیت دیگر فاسد مواد کٹی ہوئی رگوں سے باہر نکل جائے۔

ذرا غور کریں تو جانور حلال کرنے کے شرعی طریقے میں ایک مخصوص ترتیب کا التزام پایا

Marfat.com

جاتا ہے، جس میں سب سے پہلے عملِ ذبح یا چھری کا مخصوص رگوں پر پھیرا جانا، پھر خون اور دیگر مواد کا اخراج اور پھر آخر میں جانور کی موت کا وقوع، جہاں بھی یہ ترتیب الٹ پلٹ ہو جائے گی ذبح کے فوائد و محاسن حاصل نہیں ہوں گے۔

یہ وہ دقیق اور نفیس آداب ہیں جن کی حقیقت سے مغربی ماہرین علمی ٹیکنالوجی کے باوجود بے خبر رہے اور انہوں نے جذبۂ رحم دلی کے باعث جانوروں کو ذبح کرنے کے ایسے مشینی طریقے متعارف کرائے جن میں جانور پہلے نیم مردہ یا بے ہوش ہو جاتا ہے پھر اسے ذبح کے عمل سے گزارا جاتا ہے، نتیجتاً جانور کا خون پوری طرح بدن سے نکل نہیں پاتا اور اندر ہی بڑی مقدار منجمد ہو جاتی ہے۔

سعودی عرب کے چند جید علما نے برازیل کے ایک مذبح خانے کا دورہ کیا تو وہاں کے انچارج نے اعتراف کیا کہ بجلی کے جھٹکے دے کر بعد میں ذبح کرنے سے جانوروں کا گوشت بہت جلدی سڑ جاتا ہے اور اُس کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔ (ابحاث ہیئۃ کبار العلما، ۲/۶۹۵)

گھریلو اور مانوس جانور ہو یا جنگلی اور وحشی، حدیث میں اخراجِ خون کو ہر جگہ ملحوظ رکھا گیا ہے، کیونکہ انسانی معدے میں خون کو ہضم کرنے کا جوہر نہیں پایا جاتا، یہ خود بھی ہضم نہیں ہوتا اور دوسری خوراک کو بھی ناقابلِ ہضم بنا دیتا ہے۔

یورپ و امریکا میں مسلمانوں نے خالص شرعی اور اسلامی طریقۂ ذبح متعارف کرایا تو ان اقوام کو گوشت کی رنگت، خوشبو، ذائقے اور پائیداری کے لحاظ سے اپنے اور مسلمانوں کے ذبیحے میں فرق معلوم ہوا۔ اب تو یہ بھی علمی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ ذبح کے اثرات صرف گوشت پر ہی نہیں ہوتے بلکہ جانور کے چمڑے کا معیار بھی بلند ہو جاتا ہے۔ کھالوں کے ایک بڑے تاجر نے اپنا تجربہ بتاتے ہوئے واضح کیا کہ مجھے اسلامی ملکوں سے حاصل ہونے والے چمڑے کے زیادہ آرڈر اور زیادہ دام ملتے ہیں۔ چمڑے کی مصنوعات بنانے والی کمپنیوں کا کہنا ہے کہ ذبح ہونے والے جانوروں کا چمڑا زیادہ پائیدار اور چمک دار ہوتا ہے۔

(دیکھیے: سنڈے ایکسپریس، ۲۳ ستمبر ۲۰۱۲ء)

یہ وہ تفصیل ہے جس سے ''ذبح'' اور ''موت'' کے درمیان فرق کا اندازہ ہوتا ہے، اس

Marfat.com

تمیز اور فرق کو سائنس سے پہلے اسلام نے متعارف کرایا اور سائنس نے بہت بعد میں اسے تسلیم کیا۔

اوپر حدیث میں ذبح کے موقع پر اللہ کے نام کا جو تذکرہ آیا ہے، اس کی علمی حکمت پر ہم الگ عنوان کے تحت گفتگو کریں گے۔

معیاری چارا (Hygienic Feed)

عَنْ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَاَلْبَانِهَا.

(سنن ابوداود: ۳۲۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۷)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: نبی کریمؐ نے گندگی کھانے والے جانور کے گوشت اور دودھ سے منع فرمایا ہے''۔

''جلّالہ'' بھوک کے باعث گندگی اور غلاظت کھانے پر مجبور ہونے والے حلال جانور کو کہا جاتا ہے، یہ مرغی بھی ہوسکتی ہے اور دودھ دینے والا چوپایہ بھی۔ بالعموم ان جانوروں کو جب پیٹ بھر اچھی اور صاف ستھری غذا نہ ملے تو یہ گندگی کھانے پر مجبور ہوتے ہیں، اس صورت میں اس غلاظت کے بداثرات کا ان کے گوشت اور دودھ میں سرایت کر جانا یقینی امر ہے، اسی بنا پر نبی کریمؐ نے ایسے جانور کا گوشت اور دودھ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے یہ احتیاطی تدبیر اس وقت تجویز فرمائی جب گوشت اور دودھ کے کیمیاوی تجزیے کا کوئی انتظام نہیں تھا، لیکن تعجب ہے کہ تحلیل و تجزیے کے سائنٹفک ذرائع ایجاد ہو جانے کے باوجود بھی اہلِ مغرب اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور اپنے پالتو جانوروں کو فربہ بنانے کے زعم میں انہیں خوراک میں مردہ جانوروں کے اعضا خون، انتڑیاں، چربی اور ہڈیوں کا چورا کھلاتے رہے اس کے نتیجے میں ۱۹۸۶ء میڈ کاؤ بیماری کا ظہور ہوا اور یہ انکشاف بھی کہ اس کا سبب وہی غذا جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ جبکہ اس سے کم وبیش بیس سال قبل ۱۹۶۷ء میں برطانیہ اور فرانس سمیت یورپ کے کئی ملکوں میں منہ کھر کا مرض پھیلا اور ہزاروں بھیڑ بکریوں کو مار ڈالا گیا، کیونکہ اس مرض سے انسان بھی متاثر ہونے لگے تھے۔ پھر

Marfat.com

اس نئی صدی کے اوائل میں برڈ فلو کا حملہ ہوا اور لاکھوں مرغیاں اور دوسرے پرندے ہلاک کر دیے گئے، یہ سب وہ واقعات ہیں جن میں جانوروں اور پرندوں کو قصداً غلاظت پر مبنی خوراک دی گئی حالانکہ رسول اللہؐ نے مجبوراً گندگی کھا لینے والے جانوروں کا گوشت اور دودھ استعمال کرنے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ (الطب الوقائی النبوی، ڈاکٹر محمد قاسم محمد، ص ۵۰)

اب اس میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ نبی کریمؐ کی بتائی گئی احتیاط زیادہ برتر اور زیادہ سائنسی معیار کی حامل ہے اور اس کے مقابلے میں انسانی علم و تحقیق نقص و کمی اور ضعف و ناتوانی کا شکار ہو جاتی ہے۔

صحتِ حیوانات (Veterinary)

عَنْ سَهْلٍؓ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: إِذْرَأَىٰ بَعِيرًا قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ: اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الدَّوَابِّ الْمُعْجَمَهِ كُلُوْهَا صَالِحَةً وَّارْكَبُوْهَا صَالِحَةً.

(صحیح ابن خزیمہ۔۲۵۴۵، تاریخ المدینۃ لابن شبۃ۔ج ۲/۵۳۶)

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: كُلُوهَا سِمَانًا وَّارْكَبُوْهَا صِحَاحاً.

(معجم کبیر، از: طبرانی۔۵۴۹۰، الآحاد والمثانی، از: ابن عمرو الشیبانی)

''حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ایک اونٹ کو دیکھا کہ اُس کی پیٹھ اور پیٹ باہم مل گئے تھے (کمزوری اور بھوک کے سبب) آپؐ نے فرمایا: ان بے زبان چوپائیوں کے بارے میں اللہ کا خوف کھاؤ، یہ صحت مند ہوں تو انہیں کھاؤ اور تندرست ہوں تو ان پر سواری کرو۔ ایک اور موقع پر فرمایا: جب یہ موٹے تازے ہوں تو انہیں کھاؤ اور صحیح سلامت ہوں تو ان پر سواری کرو''۔

حدیث ایک طرف تو حیوانات کے حقوق اور اُن سے حسن سلوک کا اصول بیان کرتی ہے تو دوسری طرف ان کے گوشت سے استفادے کی شرائط اور آداب کا ذکر کرتی ہے، بدقسمتی سے حدیث نبوی میں پائی جانے والی ہدایات کو اپنی زندگیوں میں نظرانداز کر دینے کے جرم نے آج امت مسلمہ کو یہ دن دکھایا ہے کہ مغرب آج حیوانات کے حقوق کا چیمپیئن

Marfat.com

بنا ہوا ہے، جانوروں کی بہبود کے لیے کئی انجمنیں وہاں کام کر رہی ہیں۔

اس وقت حدیث پاک کا دوسرا پہلو ہمارے پیش نظر ہے جو جانوروں کا گوشت کھانے سے متعلق ہے، بلکہ آپ کے ارشاد میں یہ تنبیہ بھی موجود ہے کہ خود جانوروں کی خوراک کا ایسا انتظام کرنا ضروری ہے جس سے اُن کی صحت برقرار رہے اور وہ بظاہر اچھی اور موٹا کرنے والی خوراک کے نام پر ایسی چیزیں کھانے پر مجبور نہ کیے جائیں۔ جن میں کئی بیماریوں کے جراثیم پائے جاتے ہوں۔ گزشتہ برسوں میں یورپ و امریکا میں بڑے پیمانے پر منہ کھر (Mouth & foot) اور گائے کے پاگل پن (Mad Cow) کے امراض اسی طرح کی ناپاک خوراک (Feed) کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے۔ جانوروں سے یہ بیماریاں تیزی کے ساتھ انسانوں میں منتقل ہو جاتی ہیں اور گوشت اس کا بنیادی سبب ہے۔ حدیث کے الفاظ میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ جانور کی لاغری ایک مرض ہے اور دیگر امراض کی پیدائش کا باعث بنتی ہے، لہٰذا لاغر جانور کے گوشت سے بھی اجتناب بہتر ہے، ان سب اصولوں کی بنیاد پر آج دنیا میں صحتِ حیوانات (Veterinary) کا شعبہ باقاعدہ سائنس کی ایک شاخ بن چکا ہے۔

حشرات اور آبی حیوانات میں ابلاغی صلاحیت

عَنْ اَبِی اُمَامَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِؐ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ وَاَھْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِیْنَ حَتّٰی النَّمْلَةَ فِیْ جُحْرِھَا وَحَتّٰی الْحُوْتَ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِیَ النَّاسَ الْخَیْرَ. (سنن ترمذی:۲۶۵۸)

”حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اہلِ آسمان و زمین یہاں تک کہ اپنے بل میں موجود چیونٹی اور (سمندر میں تیرتی) مچھلیاں بھی بھلائی کی تعلیم دینے والوں کو دعائیں دیتی ہیں“۔

حدیثِ مبارکہ میں زمین و آسمان کی ساری مخلوقات کے مجموعی ذکر کے ساتھ چیونٹی اور مچھلی کا باقاعدہ نام لیا گیا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں زبردست ابلاغی

Marfat.com

صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ایک تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی چیونٹی کے دماغ میں حساس اعصابی خلیوں کا ایک ایسا نظام پایا جاتا ہے جو لاتعداد کیمیائی اور بصری پیغامات وصول کرتا ہے اور انہیں سمجھتا ہے۔ چیونٹی کی آنکھیں ایک سے زائد عدسوں سے مل کر بنی ہیں اس کے سر کے بال برقی اشاروں کو بھیجنے، وصول کرنے کے علاوہ انگلیوں اور ناک کا کام بھی سرانجام دیتے ہیں، اپنے انہی حساس اعضا سے چیونٹی شکار کا تعاقب، ساتھیوں سے رابطہ، خطرے کی اطلاع اور اپنی بستی کے تحفظ کے سلسلے میں بے مثال رابطے کرتی ہے۔

بالکل اسی نوعیت کی حیرت انگیز صلاحیت مچھلیوں میں بھی پائی جاتی بلکہ بعض بڑی مچھلیاں پانی میں ہزاروں میل دور تک اپنا پیغام پہنچا اور دوسری طرف سے آنے والے پیغامات وصول کرسکتی ہیں۔ (مجلّہ نیشنل جیوگرافک، ج ۱۶۵/ ۷۷/۵/ایس، ۰۶/این)

چیونٹیوں میں اطلاعات کا یہ عمل بذریعہ آواز بھی ہوتا ہے، یہ آواز وہ اپنے اعضا کو زمین یا کسی اور چیز پر رگڑنے سے پیدا کرتی ہیں۔ کبھی کبھار آواز پیدا کرنے کے لیے اپنے جسم کے بعض حصوں کو باہم رگڑتی ہیں، آواز کا یہ ارتعاش ہوا کی لہروں کے ذریعے دوسروں تک مطلوبہ پیغام پہنچا دیتا ہے۔ (چیونٹی ایک معجزہ، ص ۴۰، از: ہارون یحییٰ)

ماہر طبیعات اور محقق کینتھ واکر نے مشرقی افریقا کے جنگلوں میں اپنی شکاری مہمات کے دوران جانوروں کے باہم رابطوں اور پیغام رسانی پر تحقیق کی ہے اور اپنے مشاہدات بیان کیے ہیں، اس کا کہنا ہے کہ یہ رابطہ اور متوقع خطروں سے آگہی کا عمل مختلف النوع جانوروں کے مابین جاری رہتا ہے۔ پرندے حشرات الارض اور آبی حیوانات بھی اس عمل میں شریک ہوتے ہیں۔ اس رابطے کے ذریعہ دفاعی منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ ہم جولیوں کو طلب کیا جاتا ہے اور مل کر مقابلہ کیا جاتا ہے۔ (جانوروں کا جذبۂ قرآنی، ص ۲۰ تا آخر کتاب، از: ہارون یحییٰ)

خاص طور پر چیونٹی کی گفتگو کے بارے میں ایک واقعہ تو قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔

(دیکھیے: سورۂ النمل: ۱۸۔۱۹)

شاید اب یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا کہ چیونٹی اور مچھلیاں کس طرح معلمین خیر کے حق میں دعائیں کرتی ہیں۔

Marfat.com

جانوروں میں شعور

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَى رَجُلًا اَضْجَعَ شَاةً يُرِيْدُ اَنْ يَّذْبَحَهَا فَوَضَعَ رِجْلَهٗ عَلٰى عُنُقِهَا وَهُوَ يَحُدُّ شَفْرَتَهٗ وَهِيَ تَلْحَظُ اِلَيْهِ بِبَصَرِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ اَتُرِيْدُ اَنْ تُمِيْتَهَا مَوْتَاتٍ هَلَّا حَدَدْتَ شَفْرَتَكَ قَبْلَ اَنْ تُضْجِعَهَا. (مستدرک، از: امام حاکم نیشاپوری۔ ۷۵۷۰، مصنف ابن شیبہ۔ ۸۶۰۸)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ایک شخص کو دیکھا، وہ بکری کولٹا کر ذبح کرنا چاہتا تھا، اُس نے اپنا پاؤں بکری کی گردن پر رکھا ہوا تھا اور اپنی چھری تیز کر رہا تھا اور بکری اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آپؐ نے (یہ منظر دیکھ کر) فرمایا: کیا تم اسے کئی بار مارنا چاہتے ہو، آخر تم نے اسے لٹانے سے پہلے اپنی چھری کیوں تیز نہ کی''۔

آنحضرتﷺ کا زمانہ گزرے اب ڈیڑھ ہزار برس ہونے کو ہیں، لیکن آج تک متعدد لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حیوانات شعور واحساس سے عاری مخلوق ہیں۔ جبکہ یہ واقعہ اس وقت بھی واضح کر رہا تھا کہ حیوانات میں ادراک وشعور کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ نبی کریمؐ کی تنبیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات بھی ارد گرد کے مناظر اور متوقع خطرات سے متاثر ہوتے ہیں، موت سے پہلے موت کی کیفیت سے گزرنا جانوروں کے لیے بھی اتنا ہی اذیت ناک ہے جتنا کسی باشعور مخلوق کے لیے ہوتا ہے۔ حیاۃ الحیوان کی قدیم کتابوں میں بھی اگرچہ شعورِ حیوانات کا تذکرہ ملتا ہے لیکن جانوروں کی بود و باش اور طرزِ زندگی پر ہونے والے جدید تجربات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اُن میں حیرت انگیز احساس وشعور پایا جاتا ہے۔ اپنی اسی صلاحیت کے تحت مختلف الاجناس جانور ایک دوسرے کو بروقت خطرے سے آگاہ کرتے ہیں اور اجتماعی دفاع کے لیے منصوبہ بندی کرتے ہیں، تحقیق نگاروں کے مطابق یہ شعور محض چوپائیوں میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ پرندوں، آبی جانوروں اور حشرات الارض میں بھی یہ احساس موجود ہے۔ (جانوروں کا جذبۂ قربانی، از: ہارون یحییٰ، ص ۱۲۰)

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث مبارکہ کا ذکر بھی مفید ہوگا جس سے احساسِ حیوانات کا

Marfat.com

علم ہوتا ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِؐ اَنْ تُحَدَّ الشِّفَارُ وَاَنْ تُوَارَیٰ عَنِ الْبَھَائِمِ. (سنن ابن ماجہ:۳۱۷۲)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ہمیں (ذبح کے لیے) چھریاں تیز رکھنے اور انہیں جانوروں سے چھپانے کا حکم دیا''۔

حیوانات میں جذبۂ رحم دلی

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ: عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ لِلّٰہِ مِاۃُ رَحْمَۃٍ اَنْزَلَ مِنْھَا رَحْمَۃً وَّاحِدَۃً بَیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَھَائِمِ وَالْھَوَامِ فِیْھَا یَتَعَاطَفُوْنَ وَیَتَرَاحَمُوْنَ وَبِھَا تَعْطِفُ الْوُحُوْشُ عَلٰی وَلَدِھَا حَتّٰی تَرْفَعُ الْفَرَسُ حَافِرَھَا عَنْ وَلَدِھَا خَشِیَّۃَ اَنْ تُصِیْبَہٗ. (صحیح بخاری:۶۰۰۰،صحیح مسلم:۲۷۵۲)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ کی رحمت کے سو درجے ہیں، اللہ نے اُن میں ایک درجہ جنوں، انسانوں، جانوروں اور حشرات الارض کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ ساری مخلوق اسی ایک درجے کی بدولت آپس میں لطف و مہربانی کرتی ہیں اور اسی کے باعث جانور اپنے بچوں پر رحم کھاتے ہیں اور گھوڑی اپنا کھر اس لیے اٹھا لیتی ہے کہ مبادا اس کے بچے کو نہ لگ جائے''۔

یہ حدیثِ مبارکہ حیوانات میں جذبۂ ترحم کا ذکر کرتی ہے، اصل قابل توجہ بات یہ ہے کہ لطف و مہربانی، شفقت، محبت اور نگہداری کی یہ صفات جن کا حدیث میں تذکرہ کیا گیا ہے بلاشعور نہیں برتی جاسکتیں، اس اعتبار سے حدیث حیوانات کے اندر شعور و ادراک کو ثابت کرتی ہے۔ زندہ حیوانات میں ذوی العقول (انسان و جن وغیرہ) اور غیر ذوی العقول (چوپائے اور حشرات وغیرہ) کی قدیم فلسفیانہ تقسیم اور ان کی تعریفات کو آج از سر نو دیکھنے اور متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جدید سائنسی مشاہدات بھی جانوروں میں عقل و شعور

Marfat.com

کو ثابت کر رہے ہیں۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں مختلف اسالیب کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں اس بات کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

حضرت عبدالرحمان بن عبداللہ اپنے والد کے توسط سے بیان فرماتے ہیں کہ: ہم نبی کریمؐ کے ہمراہ کسی سفر پر تھے ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو دیکھا کہ ایک درخت پر فاختہ کے دو بچے ہیں، ہم نے انہیں اٹھالیا، تھوڑی دیر میں فاختہ رسول اللہؐ کے پاس آکر پھڑ پھڑانے لگی، آپؐ نے فرمایا اس کے بچے چھین کر کس نے اسے اذیت پہنچائی ہے، وہ بچے اس کو واپس کردو، چنانچہ ہم اُس کے بچے دوبارہ گھونسلے میں رکھ آئے''۔

(سنن ابوداؤد:۵۲۶۸، مسند ابن ابی شیبہ:۱۹۶)

کیمبرج یونیورسٹی کی ایک تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ جانوروں اور پرندوں میں انسانوں کی مانند شعور پایا جاتا ہے، جب کوئی پرندہ ہلاک ہوجاتا ہے تو اس کے ساتھی اس کی موت پر اکٹھے ہوکر رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔

(روزنامہ ''جنگ''، سنڈے میگزین صفحہ سائنس وٹیکنالوجی، ۱۳ جنوری ۲۰۱۳ء)

حیوان اور گفتگو

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍؓ قَالَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ دَخَلَ حَائِطاً لِرَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا فِيْهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رأیٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ جَرْجَرَ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ فَمَسَحَ سَرَاتَهُ وَذِفْرَاهُ فَسَكَنَ فَقَالَ: مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ فَجَاءَ فَتىً مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ هٰذَا لِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ: اَفَلَا تَتَّقِيْ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِيْ مَلَّكَكَ اللّٰهُ اِيَّاهَا فَاِنَّهُ يَشْكُوْا اِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيْعُهُ وَتُدْئِبُهُ. (صحیح مسلم:۳۴۲، سنن ابوداؤد:۲۵۴۹)

''حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ ایک انصاری شخص کے باغ میں گئے، وہاں ایک اونٹ موجود تھا وہ آنحضرتؐ کو دیکھتے ہی زور سے رو پڑا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ نبی کریمؐ اس کے پاس تشریف لائے

Marfat.com

اس کی کوہان کو سہلایا اور اُس کی کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرا تو یہ اونٹ چپ ہو گیا، آپؐ نے پوچھا، اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آگے بڑھا اور بولا یا رسول اللہؐ یہ میرا ہے، آپؐ نے فرمایا: تم اس چوپائے کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے؟ جبکہ اللہ نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا، یہ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس کو تھکاتے ہو‘‘۔

شعورِ حیوانات کے بارے میں بعض احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔ اس حدیث میں شعور سے ایک قدم آگے کی بات بتائی گئی ہے، آنحضرتؐ نے اونٹ کے شکایت کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ شکایت بدن کی حرکات و سکنات کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن حدیث میں اونٹ کے رونے اور گلے سے آواز نکالنے کا واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ تلفظ اور کلام کی کوئی شکل ہوگی جسے سمجھنے کی استعداد ایک نبی کی حیثیت سے آپؐ میں موجود تھی۔ سائنس اب تک تو جانوروں کی گفتگو کو برقی اور کیمیاوی اشارات کے ذریعے ہونا تسلیم کرتی ہے، ہوسکتا ہے آئندہ آنے والی تحقیقات کچھ اس سے زائد بھی ثابت کر دیں۔ بنیادی طور پر کلام الفاظ و حروف کا محتاج نہیں، اسی بنا پر قرآن میں وحی کو کلام کہا گیا ہے۔ (الشوریٰ:۵۱)

اور لغت عرب میں وحی محض خفیہ اشارے کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جدید انکشافات کے مطابق برقی اور ریڈیائی اشارات کے ذریعے گفتگو اور کلام کا وقوع پذیر ہونا کسی بھی طرح غیر معقول نہیں ہے، اس اصول کو پیش نظر رکھیں تو ایک حدیث میں مزید حیرت انگیز حوادث دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: ’’اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ درندے انسانوں سے بات چیت کریں گے اور آدمی سے اس کے کوڑے کا پھندنا اور جوتے کا تسمہ گفتگو کرے گا اور انسان کو اُس کی ران یہ بتا دے گی کہ اُس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں کیا کیا ہوا‘‘۔ (صحیح ابن حبان:۶۴۹۴، سنن ترمذی:۲۱۸۲)

اسی حدیث کی بعض روایات میں ایک چرواہے کے ساتھ بھیڑیے کی گفتگو کا تذکرہ بھی

Marfat.com

وارد ہوا ہے، جس نے بالکل انسانوں کی مانند گڈریے سے بات کی''۔

(مسند البزار: ۲۴۳۱، موارد الظمآن: ۲۰۱۹)

ایک اور صحیح حدیث میں ایک کسان کے ساتھ اس کی گائے کے ہم کلام ہونے کا واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۳۸۸، صحیح مسلم: ۲۱۹۹)

اس لحاظ سے یہ واقعات کچھ اچنبھے کی بات نہیں کہ ہمارے موجودہ معاشرے میں بھی بعض پرندے اس حد تک تربیت یافتہ ہو جاتے ہیں کہ وہ باقاعدہ تلفظ کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں اور بعض طوطے قرآن کی آیات تک یاد کر لیتے ہیں۔

یاد رہے کہ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہدہد (مرغِ سلیمان) کی گفتگو کا واقعہ تو ایک زمانے سے معروف ہے۔ (النمل: ۲۰۔۲۸)

شجر و نباتات کا ذی روح ہونا

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ يَخْطُبُ اِلٰى جِذْعٍ فَلَمَّا اتَّخَذَ الْمِنْبَرَ تَحَوَّلَ اِلَيْهِ فَحَنَّ الْجِذْعُ فَأَتَاهُ فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ. وَقَالَ فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ فَضَمَّهُ اِلَيْهِ يَئِنُّ اَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يُسَكَّنُ. (صحیح بخاری: ۳۵۸۳)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کھجور کے ایک خشک تنے کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، جب منبر تیار ہوا اور آپؐ اس کی طرف منتقل ہو گئے تو یہ تنا، رو پڑا۔ آپؐ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دستِ مبارک اس پر رکھا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کھجور کا یہ درخت بچوں کی طرح چیخ اٹھا۔ آپؐ نے منبر سے اتر کر اس تنے کو اپنی بانہوں میں لے لیا یہ بالکل اس بچے کی طرح سسکیاں لے رہا تھا جسے چپ کرایا جا رہا ہو''۔

یہ حدیث مبارکہ بہت واضح طور پر نباتات کے شعور اور جذباتی احساسات کو ثابت کرتی ہے جس زمانے میں یہ واقعہ نمودار ہوا اس وقت اس کی طبعی تفاصیل کا کوئی میکانیکی ادراک

Marfat.com

موجود نہیں تھا، پھر بھی کسی نے اس واقعہ کو اچھنبا قرار نہیں دیا۔ اب تو نباتات و شجر وغیرہ کی حیات کا قضیہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ بچوں کی گفتگو میں بھی اس کا تذکرہ سننے کو مل جاتا ہے۔ اس موضوع پر تحقیقی مواد کی کوئی کمی نہیں۔

ایک امریکی کسان نے تحقیق کر کے ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو پودوں کی چیخ و پکار اور آوازوں کو انسانی حدود سماعت میں تبدیل کر سکتا ہے، اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ پودا کب سے پیاسا ہے اور پانی کے لیے پکار رہا ہے۔ اس تحقیق کے مطابق اب یہ سمجھنا ممکن ہو گیا ہے کہ پودے بھی خوشی و غم اور درد و تکلیف محسوس کرتے ہیں اور چیخ و پکار کر سکتے ہیں۔

(اسلام پر چالیس اعتراضات کا جواب، ص ۱۱۵)

جمادات میں زندگی

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا ہے کہ یہ کھجور کا خشک تنا تھا۔ اور بعض روایات میں خشک لکڑی کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ شارح صحیح بخاری کا استدلال ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ اللہ رب العزت جمادات میں بھی حیوانات کی طرح کا ادراک بلکہ ''اشرف الحیوان'' یعنی انسان جیسا شعور پیدا فرما سکتا ہے۔ (فتح الباری: ۶/۶۰۳)

اس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی لائق مطالعہ ہے:

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: ''میں مکہ مکرمہ کے اُس پتھر کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں جو بعثت کے بعد ہمیشہ مجھے سلام کیا کرتا تھا''۔

(مسند البزار: ۴۲۵۵، معجم کبیر، از: امام طبرانی۔ ۱۹۶۲)

ان احادیث سے تو یہ شعور جمادات میں بھی ثابت ہو رہا ہے، البتہ سائنس دانوں کی تحقیق اس بارے میں ابھی جاری ہے۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ جمادات میں سے برقی لہروں اور ریڈیائی شعاعوں کا نکلنا اور عمل پذیر ہونا نیز ان میں مختلف برقی خواص کا پایا جانا حیات و احساس کی ہی ایک شکل ہے۔ جبکہ کچھ تقلیدی معاشرے باقاعدہ جمادات کی حیات کے قائل ہیں۔ (دیکھیے: وکی پیڈیا۔ The Concept of Spiritism)

Marfat.com

حیوانات اور حشرات (Animals and insects)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: بَیْنَمَا رَجُلٌ یَمْشِیْ بِطَرِیْقٍ فَاشْتَدَّ عَلَیْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِیْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا کَلْبٌ یَلْهَثُ یَاْکُلُ الثَّرٰی مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْکَلْبُ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِیْ بَلَغَ مِنِّیْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَاَ خُفَّهُ مَاءً ثُمَّ اَمْسَکَهُ بِفِیْهِ حَتّٰی رَقِیَ فَشَکَرَ اللّٰہُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ: قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ: اِنَّ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ اَجْرًا فَقَالَ فِیْ کُلِّ کَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ. (صحیح بخاری:۲۳۶۳، صحیح مسلم:۲۲۴۴)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ایک شخص کسی راستے پر چلا جارہا تھا، پیاس سے اس کا بُرا حال تھا، اچانک اُس نے ایک کنواں دیکھا وہ اس میں اترا اور پانی پی کر باہر نکلا تو ایک کتے پر نظر پڑی جو شدید پیاس کے باعث ہانپ رہا تھا اور زمین چاٹ رہا تھا، وہ شخص سمجھ گیا کہ پیاس نے اس کو بھی ویسے ہی بے حال کر دیا جیسے مجھے کیا تھا۔ وہ دوبارہ کنویں میں اترا اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا اور منہ سے پکڑ کر اوپر چڑھ گیا، پھر کتے کو پانی پلا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر اُس کی مغفرت فرما دی۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ نیکی میں بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہر مرطوب جگر میں اجر ہے''۔

اگر چہ اس حدیث پاک کا آخری جملہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، لیکن متعدد فوائد، واقعہ کا پس منظر اور دلچسپ اندازِ بیان کی وجہ سے ہم نے پوری حدیث یہاں نقل کر دی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے استفسار پر آپؐ نے جو مختصر جواب مرحمت فرمایا، وہ بہت فنی معیار کا حامل ہے اور علم الحیوان (Zoology) کا ایک جامع اصول اس جملے میں بیان کر دیا گیا، حیوانات میں حشرات (Insects) اور عام جانوروں کا فرق تو سب کو معلوم ہے لیکن نبی کریمؐ کا جملہ ''کبد رطبة'' اس تقسیم کی باریک علمی حیثیت کو واضح کرتا ہے، ان الفاظ کا عام فہم ترجمہ مرطوب جگر یا زندہ و تازہ جگر والا حیوان بھی کہا جاسکتا ہے اور ''مرطوب یا تر اندرون'' یعنی

Marfat.com

اندر سے مرطوب بدن رکھنے والا حیوان بھی اس کے لغوی مفہوم میں شامل ہے، اس اصطلاح سے خاص طور پر وہ حیوانات مراد ہیں جن میں خون گردش کرتا ہے اور اُن میں جگر پایا جاتا ہے جو خون بنانے کا کام کرتا ہے۔ چنانچہ اس مخصوص تعریف سے تمام ایسے حشرات الارض خارج ہو جاتے ہیں جن کے بدن میں خون کی پیدائش اور گردش کا نظام نہیں پایا جاتا اور اُن کے بدن کا اندرون بھی ان معنوں میں "تر" نہیں ہوتا جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ کی روشنی میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اُن کے بدن میں جگر نہیں ہوتا۔

آج علم الحیوانات میں باقاعدہ ایک شعبہ علم الحشرات (Entomology) کے نام سے مستقل طور پر قائم ہے یہ تقسیم جو آج تحقیقی بنیادوں پر استوار ہے، اس کے بنیادی خدوخال حدیث میں بیان کر دیے گئے ہیں جو اشارات آپ نے فرما دیے تھے وہ آج علمی حقیقت کے طور پر ثابت ہو گئے ہیں۔ (دیکھیے: وکی انسائیکلوپیڈیا، مقالہ حیوانات، نیز حشرات)

Marfat.com

بابِ ششم

مظاہرِ قدرت
گل ہائے رنگارنگ

Marfat.com

ترتیب

مادّہ تخلیق کی مقدار اور صلاحیت ۲۴۳
تخلیقِ انسانی کا تنوع ۲۴۴
حیوانی تخلیق اور قانونِ توارث ۲۴۶
انسانی تخلیق اور قانونِ وراثت ۲۴۷
عادات و خصائل کی وراثتی منتقلی ۲۴۸
اللہ کے نام کا جینیاتی اثر ۲۵۰
تمام انسانوں کا جینیاتی اشتراک ۲۵۲
خلیہ اور ڈی این اے ۲۵۳
تقدیم سماعت کی علمی توجیہ ۲۵۴
جنابت کی حقیقت ۲۵۶
نظامِ تنفس ۲۵۷
رونے کے فوائد ۲۵۸
کاسمیٹک سرجری ۲۵۹
حیض اور استحاضہ کا فرق ۲۶۱
گلوبل ولیج ۲۶۳
گناہ، آگ اور جراثیم ۲۶۳
شجرکاری ۲۶۵
سربفلک عمارتیں ۲۶۶
فنِ تعمیر ۲۶۷
تعمیراتی مہارت ۲۶۸
زمین کا سکڑنا ۲۶۹
اقسامِ زمین اور پیداوار ۲۷۰
زمینی مطالعہ ۲۷۱
تیز رفتار ذرائع سفر ۲۷۳
ہوائیں اور بارآوری ۲۷۴
قلتِ آب کا عالمی مسئلہ ۲۷۵
سمندر کی فطرت ۲۷۶
ناگہانی موت ۲۷۷
زمین کی طہارت اور خصوصیت ۲۷۸
تعلقاتِ عامہ کا اصول ۲۷۹
وقت کی حقیقت اور مینجمنٹ ۲۸۰
ذاتی تنظیم کے اثرات ۲۸۲
کھانے میں برکت کا حصول ۲۸۳
عمومی تباہی کے اسلحے ۲۸۵
عسکری طاقت کا معیار ۲۸۶
زرعی پیداوار کی کثرت ۲۸۷
حرمتِ ابریشم کی سائنسی حکمت ۲۸۸
معدنی تیل ۲۸۹
صنعت اور فنون ۲۹۰
کرۂ ارض کی بنیاد ۲۹۱
کلوننگ کا تصور ۲۹۲
دورانِ خون ۲۹۳
معدن کی شناخت ۲۹۴
ابلاغیات کا اصول ۲۹۶
کرۂ ارض کا بہترین پانی ۲۹۷
موجود کا غائب ہونا ۲۹۹

Marfat.com

مظاہرِ قدرت۔گل ہائے رنگارنگ

مادّہ تخلیق کی مقدار اور صلاحیت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ قَالَ: اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: مَامِنْ کُلِّ الْمَاءِ یَکُوْنُ الْوَلَدُ. (صحیح مسلم:۱۴۳۸، متخرج ابوعوانہ:۳۵۱۶)

''حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: بچے کی تخلیق پورے پانی (مادہ منویہ) سے نہیں ہوتی''۔

رحم میں افزائش نسل کے مدارج اور آغاز واختتام کے بارے میں قدیم تہذیبوں میں جس نوع کی بے اصل باتیں اور توہمات پائے جاتے تھے، آنحضرتؐ نے بہت خوبی اور علمی گہرائی کے ساتھ ان کا ازالہ فرمادیا، حدیث بالا بھی اسی نوعیت کی ایک دقیق اور پیچیدہ تفصیل کو نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اس جملے کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک تو صحیح معنوں میں اس وقت ہوا جب انسان ماوراءِ نظر حیوانی اجسام کو خوردبین سے دیکھنے کے قابل ہوا، اس سے قبل قرآن وحدیث کی تعلیمات سے دور معاشرے اس سے ناواقف ہی تھے، البتہ علمائے اسلام اور محدثین کی آراء دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مادہ منویہ میں خوردبینی حیوانات دیکھے بغیر بھی اس بات کا ادراک رکھتے تھے کہ استقرارِ حمل کے لیے منی کی نہایت معمولی مقدار بھی کافی ہوتی ہے۔ (فتح الباری:۱۱/۴۷۹)

قرآن کریم اور بعض احادیث میں لفظ ''نطفہ'' بھی اسی فہم کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ بعض معاصر علما نے وضاحت کی ہے کہ یہ لفظ مرد کے حیوان منوی (Sperm) اور عورت کے بیضہ (Ovum) دونوں پر صادق آتا ہے۔ (نموالانسان، از: آمال صادق، ص ۱۴۱) اور ان دونوں کے مجموعے کو عصری اصطلاح میں Gamate کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جدید تحقیقات کی غیر ضروری تفاصیل میں جائے بغیر اس حدیث کی روشنی میں یہ بتانا ہمارا منشا ہے کہ بارآوری

Marfat.com

کے ماہرین آج یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ حمل قرار پانے کے لیے مادّہ منویہ کا صرف ایک خلیہ ہی کافی ہوتا ہے، جبکہ ان کے مطابق ایک انسان کے مادّہ منویہ میں کئی کروڑ خلیات پائے جاتے ہیں۔ (الوجیز فی علم الاجنۃ، از: ڈاکٹر محمد علی البار، ص ۱۴، بائبل قرآن اور سائنس، ۲۴۲۔۲۴۵)

یہ ہے وہ سائنسی اکتشاف جو ڈیڑھ صدی قبل پیغمبر اسلام نے فرما دیا تھا، مگر علم وحی سے بے خبر معاشرے بڑی ٹامک ٹوئیوں اور طویل عرق ریزی کے بعد اس نتیجے تک پہنچے ہیں۔

حدیثِ نبوی کا یہ مذکورہ جملہ ایک اور مفہوم کا بھی احاطہ کرتا ہے جس کے مطابق یہاں یہ کہا گیا ہے کہ: ''ہر مادّہ منویہ سے (تخلیق ولد) بچے کی تخلیق ضروری نہیں''۔ یہ بات قدرت کی ایک اور دسترس اور اختیار کو ظاہر کرتی ہے۔ ماہرین ولادت وحمل کے سامنے یہ بھید بھی بہت بعد میں کھلا کہ اصل تولیدی جوہر انسان کا مادّہ منویہ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر پائے جانے والے تولیدی حیوان ہیں، پھر اُن میں بھی قوت وضعف کے اعتبار سے کئی درجہ بندیاں پائی جاتی ہیں، چنانچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر مادہ منویہ ایسے حیوانات رکھتا ہو جن میں بچے کی تخلیق کا امکان پایا جائے۔ چند مختصر سے الفاظ میں اتنے وسیع معانی کو سمو دینا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جملہ الہامی تعلیم کی بنیاد پر کہا گیا ہے۔

تخلیق انسانی کا تنوع

عَنْ اَبِی مُوسیٰ الاَشْعَرِیؓ عَنْ رَسُول اللّٰہِ یَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا خَلَقَ آدَمَ قَبَضَ قَبْضَۃً مِّنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ جَاءَ مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّھْلُ وَالْحَزْنُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ۔

(سنن الکبری از: بیہقی۔ ۷۔۲۰۷۷۱، طبقات الکبری، از: ابن سعد۔ ۳۰)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تخلیق کرنے کے لیے پورے کرّہ ارض سے ایک مٹھی (خاک) اٹھائی، چنانچہ جتنی قسم کی مٹیاں زمین پر ہیں انسان بھی اسی انداز کے

Marfat.com

پیدا ہوئے، کوئی سرخ ہے تو کوئی سفید کوئی سیاہ ہے تو کوئی سانولا۔ اسی طرح کوئی نرم خُو اور کوئی سخت مزاج اور کسی کی طبیعت متوازن ہے، پھر کوئی بداخلاق ہوتا ہے اور کوئی خوش اخلاق اور کسی کی طبیعت معتدل اور ہموار رہتی ہے''۔

یہ حدیثِ نبوی تخلیقِ آدم کی کہانی بیان کر رہی ہے، تمام اصناف انسانی کے درمیان جسمانی ونفسیاتی اور عملی واخلاقی امتیازات کو محض چند جملوں میں سمو دیا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ سے اتنی بوقلموں اور متنوع اولاد صفحۂ زمین پر پھیلی اور مختلف رنگ و آہنگ کی نسلیں وجود میں آگئیں یہ سب کچھ کیسے ہوا، کیونکر ہوا، اور کس قانون طبعی کے تحت انجام پایا؟ حدیث کے الفاظ اس کی پوری عکاسی کر رہے ہیں، جس طرح زمین کے حصے باہم فرق واختلاف رکھتے ہیں ریتیلی و پتھریلی اور شوریلی و مٹیالی زمینیں اپنی جُدا جُدا خاصیتیں رکھتی ہیں اور بعض حصے پیچیدہ و دشوار گزار اور کچھ آسان و ہموار ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح لوگوں کے اندر بھی رنگ وجلد اور مزاج وطبیعت کا فرق پایا جاتا ہے، ان کے اخلاق و عادات اور ساخت وطبائع میں تنوع پایا جاتا ہے، کچھ خوش مزاج اور نرم طبیعت اور کچھ دوسرے درشت رو اور سخت طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ کوئی طویل قامت اور قوی الجثہ ہوتا ہے تو کوئی پستہ قد اور ناتواں بدن کا حامل۔ اصنافِ انسانی کی ان اقسام پر جس قدر غور وفکر کریں ان میں اتنی ہی وسعت اور پھیلاؤ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیں تو حیرت انگیز حد تک رسول اللہؐ نے بدنی و معنوی خصائص کو پوری باریکی کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ حدیث میں موجود رنگ ونسل اور طبیعت ومزاج کے ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقلی اور وسعت کے نظام کو جدید سائنس نے کافی زمانے کے بعد سمجھا اور اعتراف کیا Mandel کا قانونِ وراثت ہو یا لیون پاؤلو (Lvon pavlov) اور (Calvin Hall) کلیون ہل کی مزاج اور عضویاتی ساخت کے مابین تعلق پر تحقیقات سب اس حدیث مبارکہ کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔

مٹی کے ساتھ انسان کی تشبیہ میں اس جانب بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح مٹی میں بعض ترکیبات کے ذریعے مخصوص انفعالی صفات پیدا کی جاسکتی ہیں، بالکل اسی طرح انسانوں

Marfat.com

کو بھی تہذیب و تربیت اور مشق و آموزش کے ذریعے کئی صفات کا حامل بنایا جا سکتا ہے۔

حیوانی تخلیق اور قانون توارث (Heredity)

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةؓ اَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وُلِدَلِیْ غُلَامٌ اَسْوَدُ فَقَالَ: هَلْ لَکَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ: قَالَ مَااَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِیْهَا مِنْ اَوْرَقٍ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَاَنّٰی ذٰلِکَ قَالَ لَعَلَّه نَزَعَهُ عِرْقٌ فَقَالَ فَلَعَلَّ اِبْنَکَ هٰذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ. (صحیح بخاری:۵۳۰۵، مسند الشافعی:۹۷)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریمؐ کے پاس آیا اور اس نے (شکایتی انداز میں) کہا، یا رسول اللہؐ میرے ہاں ایک سیاہ بچے نے جنم لیا ہے، آپ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اُس نے جواب دیا جی ہاں ہیں۔ فرمایا: اُن کا رنگ کیسا ہے؟ بولا، سرخ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اُن میں کوئی خاکستری بھی ہے، کہنے لگا ہاں ہے۔ آپؐ نے پوچھا: تو وہ کہاں سے آ گیا؟ بولا: شاید کسی رگ نے اسے کھینچ لیا ہو۔ آپؐ نے فرمایا: شاید تمہارے بیٹے کو بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہوگا۔''

یہ حدیث ایک طرف تو عقلی قیاس کی بہت اعلیٰ مثال پیش کرتی ہے اور دوسرے اس میں یہ سائنسی نشاندہی بھی موجود ہے کہ نسلی خواص پر مبنی قانونِ وراثت انسانوں اور دیگر حیوانوں میں ایک ہی طرح کام کرتا ہے، اگر جانوروں کے بارے میں یہ ادراک موجود ہے کہ اُن کے اندر رنگت وغیرہ کے اوصاف کسی دور کے نسبی رگ و ریشے سے آ سکتے ہیں تو انسانوں میں بھی ایسا ہونا ممکن ہے۔ اسی بنیاد پر آپؐ نے اس شخص کے شبہ کو ساقط قرار دیا جو وہ اپنی اولاد کے متعلق کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محض ظاہری صورت و رنگ کا مختلف ہونا کسی کے نسب کو مشکوک قرار دینے کے لیے کافی دلیل نہیں، بلکہ یہ ایک ضعیف استدلال ہے جو اصولِ فطرت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اگرچہ ایک ہی کنبے میں شکل و صورت اور رنگ کا اختلاف روزمرہ کا عام تجربہ ہے اور بالعموم لوگ اس کی بنیاد پر شکوک و شبہات کو کوئی مقام نہیں دیتے،

Marfat.com

لیکن یہ آنحضرتؐ کی الہامی بصیرت کا کمال ہے کہ آپ نے اس کی اصولی اور قانونی حیثیت کو کچھ اس طرح واضح کر دیا ہے کہ رہتی دنیا تک انسان اس کی روشنی سے مستفید ہوتے رہیں گے اور سائنسی تجربات سے یہ اصول مزید نکھرتا جائے گا۔

نسانی تخلیق اور قانونِ وراثت (Heredity)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَهُ مَاوُلِدَ لَكَ؟ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاعَسَى اَنْ يُوْلَدَلِيْ اِمَّا غُلَامٌ وَاِمَّا جَارِيَةٌ قَالَ مَنْ يُشْبِهُ؟ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاعَسٰى اَنْ يُشْبِهَ اِمَّا اَبَاهُ وَاِمَّا اُمَّهُ فَقَالَ النَّبِيُّ مَهْ: لَا تَقُوْلَنَّ هٰكَذَا اِذَا اِسْتَقَرَّتِ النُّطْفَةُ فِي الرَّحِمِ اَحْضَرَهَا اللّٰهُ كُلَّ نَسَبٍ بَيْنَهَا وَبَيْنَ آدَمَ: اَمَا قَرَأتَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّاشَاءَ رَكَّبَكَ. (تفسیر الطبری: ۳۶۹۰۶، معجم طبرانی کبیر: ۴۶۲۴)

"حضرت علی بن ابی رباح اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریمؐ نے اُن سے پوچھا تمہارے ہاں کیا پیدا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ہاں جو بھی پیدا ہوگا وہ یا لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ آپ نے پوچھا کس پر جائے گا؟ عرض کیا: یا رسول اللہ یا اپنے باپ پر جائے گا یا ماں پر۔ نبی کریمؐ نے فرمایا رکو، اور آئندہ اس طرح مت کہنا۔ جب کوئی نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور حضرت آدم کے درمیان تمام نسبی رشتوں کو حاضر فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا تم نے اللہ کا یہ قول نہیں پڑھا: "پس اللہ جس صورت میں چاہتا ہے اُس (بچے) کو بنا دیتا ہے"۔ (الانفطار: ۸)

حدیث سے یہ دلچسپ بات سامنے آتی ہے کہ حضور اکرمؐ جس طرح غلط اور بے بنیاد اعتقادات کی فوری اصلاح فرماتے تھے، اسی طرح اپنے صحابہ کے درمیان پھیلے ہوئے غیر علمی نظریات اور توہمات پر بھی گرفت فرماتے اور اس کے مقابلے میں اعلیٰ علمی نظریہ متعارف کراتے، تاکہ معاشرے کی ذہنی سطح اور معیار بلند ہوتا رہے۔ زیر تبصرہ اس حدیث میں بھی

Marfat.com

ایک خام اور ناپختہ خیال کی تصحیح کی گئی ہے، غالباً اس بدویانہ معاشرے میں بچے کے اندر نسلی و جسمانی صفات کو محض ایک آدھ پشت تک ہی محدود سمجھا جاتا تھا، علمی اعتبار سے یہ ایک غیر معیاری خیال تھا، چنانچہ نبی کریمؐ نے حقیقی قانونِ وراثت کی توضیح فرمائی کہ نومولود بچے میں بسا اوقات بہت دور کے نسب سے صفات اور شباہت منتقل ہو جاتی ہیں، ہر استقرارِ حمل کے موقع پر اُس جنین اور اس کے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان تمام نسلی رابطوں کو حاضر کرنے کا یہی مطلب ہے کہ وہ بچہ اوپر کسی بھی دادا، پردادا سے شکل شباہت اور دیگر صفات کشید کر سکتا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت انسانی تخلیق کے اس کرشمے کی طرف کسی کی توجہ نہیں گئی تھی، البتہ جانوروں کے بارے میں غالباً اُن کا خیال یہ ہوتا تھا کہ ان میں کسی دور کی نسل سے وراثتی صفات منتقل ہو سکتی ہیں۔ اس موضوع پر ہم گزشتہ حدیث میں گفتگو کر چکے ہیں۔

نبی پاکؐ نے جس قانونِ وراثت کی نہایت اعلیٰ سائنسی وضاحت فرما دی تھی طبعی علوم کے ماہر بہت بعد میں اس منزل پر پہنچے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمِ وحی زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ حالیہ معروف قانونِ وراثت کی دریافت مینڈل نامی ایک شخص نے ۱۹۶۵ء میں کی۔ اس کی ابتدائی تحقیقات نباتات پر تھیں، بعدازاں ترقی کرتے ہوئے یہ قوانین حیوانات میں بھی تلاش کر لیے گئے گویا انیسویں صدی سے قبل کسی کو اس علمِ وراثت کا علم نہیں تھا۔

(نموالانسان، از: آمال صادق/فواد ابوحطب، ص ۱۳۸)

عادات وخصائل کی وراثتی منتقلی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ: اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: تُنْكَحُ الْمَرأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَا لِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ.

(صحیح بخاری: ۵۰۹۰)

''حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: چار باتوں کی بنا پر کسی عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کی مالی حیثیت، اس کا باعزت ہونا، اس

Marfat.com

کی خوبصورتی اور اس کا دین۔ تم دین دار سے نکاح کی کوشش کرو‘‘۔

ان چار صفات میں سے ہم یہاں صرف ’’حسب‘‘ پر گفتگو کریں گے، یہی ایک صفت ہماری کتاب کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔

عام طور پر حسب ونسب کی اصطلاح مستعمل ہے، تاہم ان کے درمیان ایک باریک سا فرق موجود ہے، نسب خونی رابطے، نسلی گروہ سے تعلق اور آبا و اجداد کے ساتھ رشتے کے سلسلے کو کہا جاتا ہے، جبکہ حسب کا اطلاق خاندانی معیار، افکار و خیالات کے ساتھ عادات و خصائل پر ہوتا ہے۔

علمائے نفس نے حسب کے مندرجات کو بھی اُن چیزوں میں شمار کیا ہے جو وراثتاً اگلی نسلوں تک منتقل ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے وراثت (Heredity) کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) بایولوجیکل (Biological) ذرائع سے منتقل ہونے والی صفات۔ (۲) ماحول اور خاندانی معیار کے ذریعے منتقل ہونے والی صفات۔ (معجم علم النفس، از: ڈاکٹر فاخر عقل، ص ۵۲)

حیاتیاتی ذرائع والی عادات اور خواص پر ہم قبل ازیں گفتگو کر چکے ہیں۔

حدیث مذکورہ میں لفظ حسب اُن اطوار کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کسی بھی خاندان کی شرافت، عزت و وقار اور نیک نامی کا باعث ہوتے ہیں اور خاندان کے مختلف افراد کے ذریعے آگے منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک باحسب اور معیاری گھرانے کی پروردہ لڑکی نکاح کے بعد جب کسی دوسرے خاندان کا حصہ بنتی ہے تو اس کا معیار اور شرف بھی ساتھ آتا ہے اور آگے اولاد میں بھی اس کی پوری جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایک لحاظ سے کسبی صفات ہوتی ہیں، لیکن انہیں وہبی اور وراثتی کہنے میں بھی کوئی امر مانع نظر نہیں آتا۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ، ج ۲۴/۶۱۔ موسوعۃ علم النفس، از: عبدالمنعم حنفی، ص ۳۵۳)

چنانچہ یہ حدیثِ نبوی کا تفوق ہے کہ علم کے جو گوشے اور تقسیمات آج دریافت ہو رہی ہیں، ان کی بنیادیں کہیں نہ کہیں احادیث میں پائی جاتی ہیں کاش کوئی مسلمان سائنس دان اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کرے۔ یہ کتاب تو محض سرسری طور پر ایک نشاندہی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

Marfat.com

اللہ کے نام کا جینیاتی اثر

عَنْ عَدِیِّ بْنِ اَبِیْ حَاتِمٍؓ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِیَّ عَنْ صَیْدِ الْکَلْبِ الْمُعَلَّمِ فَقَالَ اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ الْمُعَلَّمَ فَسَمَّیْتَ وَقَتَلَ فَکُلْ وَاِذَا اَکَلَ فَلَاتَأْکُلْ فَاِنَّمَا أمسکَهُ عَلٰی نَفْسِهٖ قُلْتُ: اُرْسِلُ کَلْبِی فَاَجِدُ مَعَهٗ کَلْبًا آخَرَ قَالَ: فَلَاتَأْکُلْ فَاِنَّمَا سَمَّیْتَ عَلٰی کَلْبِکَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰی کَلْبٍ آخَرَ فانک لاتدری أیُّهُمَا قتل. (صحیح بخاری:۵۴۸۴، مستخرج ابوعوانہ:۶۰۸۷)

''حضرت عدی بن ابی حاتمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاکؐ سے سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے شکار کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا: جب تم اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بھیجو اور وہ کتا اپنے شکار کو مار ڈالے تو تم اس شکار کو کھا سکتے ہو اور اگر کتے نے شکار کو پکڑنے کے بعد کھا لیا ہو تو، اب تم اسے نہ کھاؤ، اس لیے کہ یہ شکار کتے نے تمہارے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے کیا ہے۔ میں نے دریافت کیا یارسول اللہؐ اگر میرے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شکار میں شامل ہو جائے؟ آپؐ نے فرمایا اسے بھی مت کھاؤ کیونکہ تم نے تو صرف اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا تھا، دوسرے کتے پر تو اللہ کا نام نہیں لیا گیا''۔

شکار کا شوق رکھنے والوں کے لیے یہ حدیث بڑی دلچسپی اور رہنمائی کا باعث ہے۔ مگر اس حدیث میں اصل لطیف نکتہ حلّت کی وجوہات پر غور و تدبر ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے شکار کی حلّت دو شرائط پر قائم ہے۔ پہلی یہ کہ کتا اتنا تربیت یافتہ ہو کہ وہ شکار اپنے بجائے اپنے مالک کے لیے کرے اور شکار میں سے کچھ نہ کھائے۔ دوسری وجہ اللہ کا ذکر کرنا ہے، یعنی کتے کو شکار کی جانب دوڑاتے ہوئے بسم اللہ پڑھی گئی ہو۔ غور کریں تو اصل شرط اللہ کا نام لینا ہی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اگر اللہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو سدھائے ہوئے کتے کا شکار بھی کھانا منع ہے۔

بارہا ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس نکتے کی تحقیق ہونی چاہیے کہ اللہ کے ذکر سے کون سے ایسے اثرات اور تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جن کے باعث جانور کا گوشت حلال ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اس دوران بعض علمی تحقیقات نظر سے گزری ہیں، جن کے مطابق ذکرِ الٰہی سے گوشت کے جینز میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کا رنگ کھل جاتا ہے اور اس میں جراثیمی افزائش رُک جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں جس جانور پر اللہ کا اسمِ مبارک نہ پڑھا گیا ہو اس کی سرخ رنگت پر نیلاہٹ نمودار ہو جاتی ہے اور گوشت کے سرخ و سفید خلیوں میں جراثیمی افزائش بڑھ جاتی ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ اسم الٰہی سے نباتات اور حیوانات کے جسمانی نظام میں تیزی اور فعالیت پیدا ہوتی ہے، توانائی میں اضافہ ہوتا ہے اور الیکٹرانک ذرّات تیزی سے بڑھتے ہیں۔ (العلوم والایمان، ص ۲۱۲، از: ڈاکٹر خلیل ابراہیم۔ رپورٹ بی بی سی، ۲۷ مارچ ۱۹۸۳ء۔ اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، ج ۲/ ۹۱-۹۴)

اوپر ذکر کی گئی احادیث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسمِ ربانی کے ذکر سے نہ صرف شکار شدہ یا مذبوحہ جانور پر مبارک اثرات ہوتے ہیں، بلکہ خود آلہ شکار یعنی سدھائے ہوئے کتے پر بھی تاثیرات قائم ہوتی ہیں کیونکہ یہی کتا جس کے چاٹنے پر احادیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس آلودہ برتن کو سات بار پانی اور ایک بار مٹی سے مانجھا جائے۔ مگر شکاری کتے کو اگر اللہ کے اسمِ گرامی کے ساتھ دوڑایا گیا ہے تو شکار کو منہ سے پکڑنے اور زخمی کرنے کے باوجود دھونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا حکم شارع کے نزدیک ایک جیسا نہیں ہے اور اس کی نمایاں وجہ کتے کی تعلیم و تربیت اور اسمِ الٰہی کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کتے کے شکار کو دھونے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ تیز دوڑنے اور شکار کا پیچھا کرنے کے نتیجے میں اس کے منہ کا لعاب خشک ہو جاتا ہے اور وہ شکار کے جسم کو آلودہ نہیں کرتا۔ (فتح الباری: ۹/ ۶۰۲) شکار پکڑنے کی سرگرمی کی مناسبت سے حافظ صاحب کی یہ توجیہ خاصی معقول ہے۔ البتہ اس حکم کی مزید سائنسی تحقیق کی ضرورت ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ جنہیں ذکرِ الٰہی اور حرام و حلال سے کوئی غرض نہیں سائنسی ٹیکنالوجی انہی کے پاس ہے اور جو مسلمان اللہ کا نام لینا اور حلال و حرام کا خیال رکھنا ضروری سمجھتے ہیں ان کے پاس یہ علمی استعداد نہیں کہ وہ احکامِ شرعیہ کی حکمتیں تلاش کر سکیں۔

Marfat.com

تمام انسانوں کا جینیاتی اشتراک

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ. وَقَالَ: كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

(سنن ترمذی:۳۹۵۶، مسند احمد:۸۷۲۱)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: تم سب کے سب آدمؑ سے ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے''۔

حدیث بنیادی طور پر انسانوں کے مادۂ تخلیق کا تعین اور سب میں اُس کی یکسانیت کا تذکرہ کر رہی ہے۔ یہ بات خود بظاہر سادہ سی ہے، لیکن صنعت وتخلیق کی پوری کہانی میں اس کی سائنسی اہمیت کسی سے مخفی نہیں۔ قدیم کیمیا دانوں اور فلاسفہ واطبا کی تحقیقی عرق ریزی میں اس تخلیقی مادّے کے عناصر ترکیبی کچھ اور انداز میں نمودار ہوئے اور آج کی جدید خردبینی تحقیق نے ان عناصر کے کچھ اور اجزا چشمِ انسانی کو دکھا دیے ہیں۔ علم کے کچھ نئے میدان اور شعبے وجود میں آگئے ہیں، علم جینیات بھی ایک ایسا ہی شعبہ ہے جس نے انسانی ترکیب وتخلیق کے لاتعداد پنہاں راز آشکار کر دیے ہیں اور انسان کے اندر ہی ایک نئی دنیا کا دروازہ کھول دیا ہے۔

حدیثِ بالا میں جس عنصری اشتراک کی وضاحت کی گئی ہے اب جینیات کی دنیا نے اسے مزید نمایاں کر دیا ہے۔

سائنس دان کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کے اندر بے شمار جینیاتی مشترکات پائے جاتے ہیں۔ توالد وتناسل، رنگ وجلد اور طبیعت وعادات کے بارے میں انسانی خلیوں میں موجود معلومات، ترسیل کی زبان اور نظام سب انسانوں میں یکساں نوعیت کا ہے۔ ہر ایک جین میں پروٹین بنانے کی انفارمیشن بھی سب میں ایک جیسی ہیں۔ (ہیومن باڈی، ص ۸۹، از: ڈاکٹر سارہ بریوٹر/ ڈاکٹر نوی کرافٹ۔ فلسفہ سائنس اور کائنات، ص ۲۷۶، از: ڈاکٹر محمود علی)

اب خلیہ (CELL) تمام جانداروں کی بنیادی اکائی ٹھہری ہے، پھر خلیے میں ایک مرکزہ بتایا جاتا ہے جس میں اس جاندار کی بناوٹ رنگ، قد کاٹھ، جلد اور ہڈیوں سمیت اعصاب اور

Marfat.com

عضلات کے بارے میں تمام معلومات ہوتی ہیں (کائنات کے سربستہ راز، ص ۲۲، از: ہارون یحیٰی)
علمِ جینیات (Genetics) کے سمندر میں جس قدر گہرے اتر جائیں حدیثِ نبوی میں بیان ہونے والا ''اصول اشتراک'' اتنا ہی واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔

خلیہ اور ڈی این اے

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: يَبْلٰى كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْاِنْسَانِ اِلَّا عُجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(صحیح بخاری: ۴۹۳۵، صحیح مسلم: ۲۹۵۵)

قِيْلَ مَاهُوَ؟ فَقَالَ مِثْلُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ. (البعث لابن ابی داؤد۔۱۷)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: انسان کے جسم کی ہر چیز فنا ہو جائے گی، مگر کمر کی ہڈی کا آخری سرا باقی رہے گا اور قیامت کے دن اسی جز سے انسان کو دوبارہ تیار کیا جائے گا۔ پوچھا گیا کہ وہ کیا چیز ہے، آپؐ نے فرمایا جیسے رائی کا دانہ''۔

حدیث ایک دلچسپ حقیقت کو آشکار کر رہی ہے جو موجودہ انسانی جسم کے کسی معمولی جز سے دوبارہ انسان کی تخلیق کا عمل ہے۔ اس کی اعتقادی حیثیت اور دلائل، اعتراضات اور ان کا جواب ایک جداگانہ موضوع ہے۔ یہاں ان صفحات میں ہم اس تخلیق کے عملی پہلو اور اس سلسلے میں جن سائنسی مضمرات کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے ان پر مختصر گفتگو کریں گے۔

حدیث میں جس جز سے انسان کی تیاری کے بارے میں کہا گیا ہے، خود رسول اللہؐ نے دریافت کرنے پر اس جز کو رائی کے دانے سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہ محض اس جز کے انتہائی خفیف اور چھوٹے ہونے کو ظاہر کرتی ہے، اُس زمانے میں ''رائی کا دانہ'' کم ترین حجم کی ایک اکائی کے طور پر بولا جاتا تھا۔ چنانچہ ضروری نہیں کہ وہ جز یقینی طور پر ''حَبَّةِ خَرْدَلٍ'' یعنی رائی کے دانے کے برابر ہو، وہ ایک نہ نظر آنے والی شے بھی ہوسکتی ہے۔ انسانی جسم میں جین، سیل اور ڈی این اے کی دریافت سے قبل شاید اتنی ہی بات کہی جاسکتی تھی جتنی گزشتہ

Marfat.com

سطور میں کہی گئی ہے۔ البتہ جینیایت کی ترقی اور منظّم ہو جانے کے بعد بجا طور پر ذہن خلیے اور ڈی این اے کی طرف جاتا ہے، جس میں انسانی ساخت اور بناوٹ کی مکمل معلومات درج ہوتی ہیں۔ ڈی این اے یہ معلومات بہت طویل مدت تک محفوظ رکھ سکتا ہے۔

(سنڈے ایکسپریس، صفحہ ایجادات، ۲۱/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

یہاں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا اللہ رب العزت اس بات کا محتاج ہے کہ اسے انسان کو دوبارہ تخلیق کرنے کے لیے اس کے بعض اجزا کی ضرورت پڑے؟ اس سوال کا ایک ایک بہت معقول جواب صحیح بخاری کے شارح علامہ عینیؒ نے دیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اس جز کی اس لیے ضرورت نہیں کہ وہ اس کے بغیر انسان کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا بلکہ یہ اس حقیقت کو یقینی طور پر ثابت کرنے کے لیے ہے کہ یہ دوبارہ پیدا ہونے والا انسان کوئی اور نہیں بلکہ وہی جسم ہے جو دنیا میں اپنی عمرِ طبعی کے بعد مر گیا تھا اور اب اس کے بیج سے دوبارہ اسے تیار کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کی ہڈیاں باقی رکھی گئی تھیں اور بعث بعد الموت کو دکھانے کے لیے انہی ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر گدھا بنا دیا گیا تھا، تاکہ اندازہ ہو کہ یہ وہی گدھا ہے۔ (عمدۃ القاری، از: علامہ عینیؒ، ج ۱۹/ ۱۴۶)

قرآن کا ارشاد ہے:

کافر کہیں گے، أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ○ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيظٌ ○ (ق: ۳-۴) ”جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے پھر دوبارہ زندہ ہونا تو بہت دور کی بات ہے، ہمیں معلوم ہے کہ زمین نے ان میں کس قدر کمی واقع کی ہے، ہمارے پاس پورا ریکارڈ محفوظ ہے“۔

تقدیمِ سماعت کی علمی توجیہ

عَنْ اَبِی بَكْرَةَؓ عَنْ اَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَدْعُوْ: اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ وَعَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ.

(سنن ابوداود: ۵۰۵۹، سنن نسائی الکبریٰ: ۹۸۵۰)

Marfat.com

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ سَكَنٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ إِذَا سَجَدَ قَالَ: سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَبِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ. (حدیث سفیان الثوری:۱۶۱)

''حضرت ابوبکرۃ اپنے والد کے توسط سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا: اے اللہ مجھے میری سماعت میں عافیت سے نواز اور میری بصارت کی بھی حفاظت فرما، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں''۔

''حضرت قیس بن سکن کہتے ہیں، نبی کریمؐ جب سجدہ فرماتے تو یہ کلمات پڑھتے: میرا چہرہ اُس اللہ کے سامنے جھک رہا ہے جس نے اس کی تخلیق کی ہے اور پھر اس میں کانوں کا شگاف بنایا اور آنکھیں نصب کیں، اُسی کی قدرت وطاقت سے سب کچھ قائم ہے''۔

یہاں بطور مثال دو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں، جن میں اللہ سے دعا مانگتے ہوئے اور اس کی تعریف وثنا بیان کرتے ہوئے رسول اللہؐ نے دونوں مواقع پر حواس خمسہ میں سے دو کا تذکرہ کیا ہے اور دونوں مرتبہ حاسہ سماعت کو بصارت سے مقدم رکھا گیا ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی آپؐ کی دعاؤں میں ان حواس کا تذکرہ آیا ہے وہاں ہمیشہ سماعت کا ذکر پہلے اور بصارت کا بعد میں کیا گیا ہے۔ (دیکھیے، شعار اصحاب الحدیث، حدیث نمبر۸۳، کتاب النزول، از: امام دارقطنی، حدیث نمبر۹۲)

بظاہر اس ترتیب میں کوئی تعجب کی بات نہیں دکھائی دیتی، لیکن بار بار کئی مقامات پر اس ترتیب کے التزام پر ذرا غور کریں تو اس میں ایک فنی اور علمی حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ انسانی حواس اور صلاحیتوں میں سماعت کو واقعتاً ترجیح حاصل ہے، کیونکہ سماعت کے بغیر انسان میں قوت گویائی بھی پیدا نہیں ہوتی، جب انسان کوئی لفظ اور آواز سننے سے قاصر رہتا ہے تو وہ اس کا تلفظ اور نقل بھی نہیں کرسکتا اسی بنا پر بہرے لوگ گونگے بھی ہو جاتے ہیں جبکہ اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں بصارت سے محرومی انسان کو کسی اور صلاحیت سے بالکلیہ محروم نہیں کرتی، بلکہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ نابینا پن میں بعض دوسرے حواس زیادہ فعال اور متحرک ہو جاتے ہیں۔ رحم مادر میں ''جنینی ارتقاء'' بچے کی نشوونما پر ہونے والی تازہ تحقیقات نے بھی اب اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ بچے میں سماعت کی صلاحیت پہلے

Marfat.com

پیدا ہوتی ہے پھر بصارت اور دوسری قوتیں جنم لیتی ہیں۔ (نموالانسان، از: آمال صادق، ۱۶۹۔۱۷۰)

قرآن پاک میں بھی قریباً درجن بھر مقامات پر سماعت کو بصارت پر مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن، از: فواد عبدالباقی ص ۴۷۶۔۴۷۷)

جنابت کی حقیقت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اِنَّ تَحْتَ کُلِّ شَعْرَۃٍ جَنَابَۃٌ فَاغْسِلُوْا الشَّعْرَ وَانْقُوْا الْبَشَرَ. (سنن ابوداؤد: ۲۴۸، سنن ترمذی: ۱۰۶)

''حضرت ابوہریرہؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: بے شک ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے، لہٰذا تم بالوں کو دھوؤ اور بدن کو خوب صاف کرو''۔

بظاہر یہ حدیث جنابت کے موقع پر غسل کرتے ہوئے بالوں کو دھونے اور بدن کو صاف کرنے کا حکم دیتی ہے۔ تمام مسلمان بطور ایک ضروری امر اس سے واقف ہیں، لیکن حدیث کا پہلا جملہ بہت معنی خیز ہے، جس میں ہر بال کے نیچے جنابت کے ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ غور کرنے سے فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ جنابت بذات خود کوئی جداگانہ چیز ہے جو بالوں کے نیچے پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہ بات آنحضرتؐ نے اُس وقت فرمائی تھی جب خردبین کا تصور بھی ممکن نہیں تھا، مگر آپؐ کے الفاظ درحقیقت ایک خردبینی وجود کو ثابت کر رہے تھے۔ یہ بات تو علما کے سامنے اُس وقت واضح ہوئی جب انہوں نے غیر مرئی مواد کو عدسوں کی مدد سے دیکھنا شروع کیا، انہوں نے مشاہدہ کیا کہ انسانی جلد کے نیچے لاتعداد غدود ہیں جو مختلف افعال پر بعض کیمیاوی سیّال خارج کرتے ہیں ان میں سے بعض کا تعلق فقط جنسی عمل سے ہے، اس دوران خارج ہونے والا مواد سمّی اثرات رکھتا ہے اور یہ جسم سے خارج ہو جانے کے باوجود اس سے علیحدہ نہیں ہوتا بلکہ ذرا ایک جانب ہو کر جسم کے ساتھ بھی چپکا رہتا ہے۔ یہیں سے الفاظِ حدیث کی معجز بیانی ظاہر ہوتی ہے، جن میں اُس مواد کو جنابت کہا گیا ہے جو اپنے مرکز سے محض ایک جانب ہو جسم ہی پر باقی رہ گیا ہے اس سے دور نہیں ہوا اب اس کو دھو کر زائل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ جلدِ انسانی عمل انجذاب کے ذریعے اس کو دوبارہ چوس

Marfat.com

سکتی ہے اور یہ عمل زیادہ مضرت رساں ہوسکتا ہے۔ (اسس علم الکبٹیریا، از: رجاء محمود ملیانی، ص ۲۱۶)
نیز (نظرات اسلامیہ علی امراض جلدیہ، محمد عبدالمنعم عبدالعال، ص ۲۷)

شریعت میں غسلِ جنابت، احتلام مجامعت یا کسی اور ذریعے سے اخراجِ منی کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ رسول اللہؐ نے مرد وزن کی شرم گاہوں کے باہم مل جانے پر بھی غسل کا حکم دیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۴۸، موطا: ۱۴۳) احکامِ شریعت کو عقل کے پیمانے سے ناپنے والوں کو اس کی علت سمجھ میں نہیں آتی تھی، مگر اس ''جنابت'' کے خردبینی مطالعہ نے یہ عقدہ بھی حل کر دیا ہے کہ مادّہ منویہ کے اخراج کے بغیر کیوں غسل کا حکم دیا گیا ہے، تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ جنابت کے غدود فقط آلات تناسل کے باہم ملاپ سے ہی متحرک ہوکر اپنا سائل خارج کر دیتے ہیں جو بعد ازاں بالوں کے نیچے مساموں سے چپک جاتا ہے، اس کے لیے منی کا خروج ضروری نہیں ہوتا۔ گویا حدیث یہ واضح کرتی ہے کہ جنابت کسی کیفیت یا حالت کا نام نہیں بلکہ وہ بذاتِ خود ایک مخصوص غدودی مادے کا نام ہے۔ (دیکھیے: الاعجاز العلمی فی لفظ الجنابۃ، ص ۱-۳۵، از: عبدالبدیع حمزہ)

اب اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کے یہ الفاظ کہ ''ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے'' کتنے گہرے اور سائنسی معانی پر مشتمل ہے۔

نظامِ تنفس

عَنْ اَبِی مُوسیٰ الاَشْعَرِیؓ قَالَ: کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَکُنَّا اِذَا اَشْرَفْنَا عَلٰی وَادٍ ھَلَّلْنَا وَکَبَّرْنَا ارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُنَا فَقَالَ النَّبِیُّ ارْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَاِنَّکُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّہٗ مَعَکُمْ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ تَبَارَکَ اِسْمُہٗ وَتَعَالٰی جَدُّہٗ. (صحیح بخاری: ۲۹۹۲، مسند الطیالسی: ۴۹۵)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت کے ساتھ تھے، جب ہم کسی وادی میں اوپر کو چڑھتے تو کلمہ طیبہ پڑھتے، اللہ اکبر کہتے اور ہماری آوازیں بلند ہو جاتیں، چنانچہ نبی کریمؐ نے ہمیں حکم دیا کہ اپنے اوپر رحم کھاؤ تم کسی بہرے اور غائب ہستی کو نہیں پکار رہے بلکہ وہ اللہ تو تمہارے ساتھ ہے، وہ قریب بھی ہے

Marfat.com

اور سنتا بھی ہے، اس کا نام اور مقام نہایت بلند ہے"۔

نبی کریمؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس واقعہ میں ایک تجرباتی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ مشاہدہ ہے کہ جب انسان چل رہا ہو تو اس کی پوری توانائی اور بدن کا نظام چلنے کی قوت فراہم کرنے میں مصروف ہوتا ہے، بالخصوص چلتے ہوئے نظام تنفس کی دوسرے امور سے آزادی بہت مفید ہوتی ہے، دیکھا گیا ہے کہ چلتے ہوئے بولنے، گفتگو کرنے یا اونچی آواز میں کچھ کہنے سے تنفس کی قوت تقسیم ہو جاتی ہے اور بہت جلد انسان کی سانس پھول جاتی ہے، پھر بولنے اور چلنے کے دونوں کام تو کجا ایک بھی ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ رسول اللہؐ کی ہدایت میں یہ حکمت بھی پوشیدہ ہے کہ دورانِ سفر اصل کام مسافت طے کرنا ہے باقی منسلکہ امور اس انداز میں نہیں ہونے چاہئیں کہ سفر کے لیے مطلوب قوت بھی ان پر صَرف کر دی جائے، اس طرح ایک ثانوی کام سے اصل کام متاثر ہوگا اور کمزوری وضعف غالب آجائیں گے۔ حدیث بنیادی طور پر نظامِ تنفس سے حاصل ہونے والی قوت کے تحفظ اور درست استعمال کی جانب توجہ دلاتی ہے۔

رونے کے فوائد

عَنْ اُسَامَةَؓ قَالَ اَرْسَلَتْ بِنْتُ النَّبِیِّ اَنَّ ابْنَهَا فِی الْمَوْتِ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الصَّبِیُّ فَفَاضَتْ عَیْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ سَعْدٌ: مَاهٰذَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ: هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ.

(صحیح بخاری:۱۲۸۴، سند الطیاسی:۶۷۱)

"حضرت اسامہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی صاحبزادی نے پیغام بھجوایا کہ میرا بیٹا موت کے عالم میں ہے۔ آپؐ تشریف لائے، بچہ آپؐ کی جانب بڑھایا گیا (اس کی حالت دیکھتے ہی) آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے پوچھا یارسول اللہ یہ رونا کیسا؟ آپؐ نے فرمایا: یہ ایک مہربانی ہے جو اللہ نے بندوں کے دلوں میں پیدا فرما دی ہے۔

Marfat.com

یہ حدیث اظہارِ غم کے آداب و اخلاق کا تعین کرتی ہے جس کے مطابق فطری طور پر رو لینے میں کوئی حرج نہیں، اصل ممنوع چیز چیخ و پکار اور جزع و فزع ہے، جس سے اللہ کے فیصلوں پر بے چینی اور شکایت کا احساس ابھرتا ہے، تاہم آنکھوں سے آنسوؤں کا بہہ جانا بالکل معیوب نہیں، بلکہ اس بارے میں حدیث کے الفاظ اتنے جامع اور عمیق ہیں کہ بہت سارے نفسیاتی اور طبی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان اشک ہائے غم کا رحمت ہونا کئی اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔ علمائے نفس اور قلب و دماغ کے ماہرین یہ کہتے ہیں کہ رنج و حزن کے موقع پر رو لینے سے دل و دماغ پر اعصابی دباؤ کم ہو جاتا ہے اور طبیعت سبک اور آسودہ ہو جاتی ہے، ورنہ حالت غم میں نہ رونے سے دماغ کی شریان پھٹنے اور دل کے دورے کا قوی خدشہ ہوتا ہے۔ سکتے کی کیفیت بھی لاحق ہو جاتی ہے، بلکہ اطبا پھوٹ کر رو لینے کو سکتے کے مرض میں بطور علاج تجویز کرتے ہیں کہ مریض کو کسی نہ کسی طرح رُلا دیا جائے، ورنہ سکتہ طویل ہو سکتا ہے اور مزید عوارض کا باعث بن سکتا ہے۔

ماہرین بصریات کہتے ہیں کہ آنسوؤں میں کچھ ایسے شوریلے مادّے پائے جاتے ہیں جو آنکھوں کو گرد و غبار سمیت متعدد آلودگیوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ یہ بھی رحمت ہی کی ایک شکل ہے، آنکھوں کی فعالیت اس کی متناسب رطوبت پر منحصر ہوتی ہے ورنہ خشک حالت میں آنکھ کا عدسہ اپنی تازگی برقرار نہیں رکھ سکتا، یہ رطوبت جو آنکھوں کے عدسے اور قرنیے کو تر رکھتی ہے دراصل آنسوؤں کی ایک صورت ہے۔ ان امور کی بنا پر آنسوؤں کو رحمت قرار دینا نہایت معقول اور فنی بات ہے۔ (دیکھیے: مقالہ Tears، وکی انسائیکلوپیڈیا)

کاسمیٹک سرجری (Cosmetic Surgery)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَلْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ اَلْمُغَیِّرَاتِ لِخَلْقِ اللّٰہِ۔ (صحیح بخاری: ۵۹۳۱، الاوسط، از: ابن منذر: ۵۵۶)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے بدن گودنے اور

Marfat.com

گودوانے والیوں، بھنویں نچوانے والیوں اور دانتوں میں فاصلہ پیدا کرنے اور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے''۔

مشاطگی اور اضافۂ حسن و جمال کے لیے آرائش و زیبائش کا شوق قدیم انسانی معاشروں میں بھی رائج رہا ہے۔ تاہم ابتدا میں یہ صرف خواتین تک محدود تھا۔ حدیثِ پاک کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور آنحضرتؐ نے گویا اس تہذیب اور فن کو اختیار کرنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے، جن میں حُسن سازی کا کام سرانجام دینے والی بھی عورتیں ہیں اور جن پر یہ عمل آزمایا جا رہا ہے خوبصورتی کی شوقین وہ عورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اس عمل میں ملوث خواتین پر لعنت کی وجوہات ایک ایسا موضوع ہے جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر نہیں، اب یہ سمجھنا چنداں مشکل نہیں کہ اگر اس کلچر میں عورتوں کے ساتھ مردوں کا اختلاط بھی عام ہو جائے تو لعنت و مذمت کے اسباب میں کتنی شدت پیدا ہو جائے گی۔ جیسا کہ آجکل کے بیوٹی پارلرز میں یہ رواج روز افزوں ہے۔

حدیث کے آخری جملے میں ایک ایسے امکان کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس نے ترقی کرتے کرتے آج ایک سائنٹفک اور نہایت جدید شکل اختیار کر لی ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی اور تغیر آجکل اضافۂ اجمال کا ایک معروف طبی شعبہ بن گیا ہے اور اسے پلاسٹک سرجری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ۱۸۱۴ء میں پلاسٹک سرجری کا پہلا آپریشن برطانیہ میں کیا گیا تھا۔ آغاز میں یہ جراحی حادثات میں کٹے پھٹے اعضا کے لیے مخصوص تھی، یا آگ میں جھلس جانے والی جِلد کو اس ذریعے سے درست کیا جاتا تھا، لیکن اس سرجری کی کامیابی کے بعد اس شعبے کے ماہرین کی جانب سے صحت مندوں کو بھی دعوت عام دی جا رہی ہے کہ وہ بھی اپنے لب و رخسار اور ناک وغیرہ کو مزید تیکھا اور حسین بنوالیں، اضافۂ حُسن کے اس عمل میں متعدد بار تکلیف دہ جراحی سے گزرنا پڑتا ہے، اس فن کو Cosmetic Surgery یعنی جراحی برائے اضافۂ جمال کا نام دیا گیا ہے۔ (ایجادات کی تاریخ۔ ۵۷)

حدیث کے الفاظ تقاضا کرتے ہیں کہ محض زیب و زینت کے لیے اختیار کیا جانے والا اس طرح کا عمل لعنت زدگی اور ''تغیر خلق اللہ'' کے زمرے میں آتا ہے، ورنہ حادثات میں

Marfat.com

عیب دار ہو جانے والے اعضا کو پہلی جیسی حالت پر لانے کی کوشش قطعاً مذموم نہیں اور نہ ہی وہ تغیر کے تحت آتی ہے، بلکہ وہ طب وعلاج کی صورت میں انسانیت کی خدمت ہے۔

حیض اور استحاضہ کا فرق

عَنْ عَائِشَۃؓ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَۃُ ابْنَۃَ حُبَیْشٍ اِلٰی النَّبِیِّ فَقَالَتْ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّی اِمْرَأَۃٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْھُرُ أَفَادَعُ الصَّلَاۃَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَا اِنَّمَا ذٰلِکَ عِرْقٌ وَلَیْسَ بِحَیْضٍ. (صحیح بخاری:۲۲۸)

وَقَالَ: فَاِذَا کَانَ دَمُ الْحَیْضَۃِ فَاِنَّہٗ دَمٌ اَسْوَدٌ یُعْرَفُ فَامْسِکِیْ عَنِ الصَّلَاۃِ فَاِذَا کَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِیْ وَصَلِّیْ. (سنن ابوداود:۲۸۶،معرفۃ السنن والآثار:۵۶۴)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت حبیش آپؐ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: اللہ کے رسولؐ، مجھے بہت زیادہ خون آنے کی شکایت ہے۔ بلکہ میں پاک ہی نہیں ہوتی، کیا میں نمازیں چھوڑے رکھوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں یہ (زائد) خون ایک مخصوص رگ کا ہے، یہ حیض نہیں ہے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: جب خونِ حیض آئے جو سیاہ رنگت والا بدبودار ہوتا ہے پہچانا جاسکتا ہے۔ تب نماز چھوڑ دو اور جب عام خون آئے تو صرف وضو کر کے نماز پڑھتی رہو''۔

عورت کے بدن میں مخصوص صنفی امتیازات کے بارے میں یہ بہت باریک اور گہری بات ہے، درحقیقت علمِ وحی اس دقیق امتیاز وفرق کا دریافت کنندہ ہے، ورنہ ہمارے پاس طب کی دنیا میں ایسی کوئی شہادت نہیں جو یہ واضح کر سکے کہ آنحضرتؐ کی وضاحت سے قبل بھی عام لوگ تو کیا اہلِ علم اور اطبا بھی اسے جانتے تھے۔

عورتوں کو مخصوص ایام میں آنے والے خون اور ان ایام کے بعد جاری رہنے والے خون کو لوگ ایک ہی قسم کا تصور کرتے تھے، شریعت اسلامی میں نمازوں کی پنج وقتہ فرضیت کے بعد بعض عورتوں میں اگر خون کا تسلسل قائم رہتا تو فطرتاً یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس کیفیت میں نماز وروزہ اور قرأت قرآن جیسی عبادات آخر کب تک متروک رہیں گی۔

Marfat.com

حضرت امِ حبیبہؓ اور حضرت فاطمہ بنت جحشؓ کی طرف سے اس بابت استفسار کیا گیا تھا، چنانچہ نبی کریمؐ نے نہ صرف فقہی مسئلہ بتایا بلکہ اس کے ساتھ نسوانی بدن کے اندھیروں میں پوشیدہ ایک سائنسی حقیقت سے بھی پردہ اٹھا دیا۔ جس کا خود عورتوں کو بھی کچھ علم نہیں تھا۔ احادیث کی روشنی میں ہی فقہائے اسلام نے عورتوں کو خونِ حیض کی آمد و بندش کے لحاظ سے چار گروپوں میں تقسیم کیا ہے، یہ بھی ایک دلچسپ اور علمی تقسیم ہے لیکن ہم ان سطور میں اس تفصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ قارئین چاہیں تو کتب فقہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے حدیث بالا میں ایک تو خون کی ظاہری علامات کا تذکرہ فرمایا ہے، تاکہ کوئی سادہ ذہن عورت بھی خونِ حیض اور خونِ استحاضہ کو پہچاننے میں مشکل محسوس نہ کرے، لیکن اصل سائنسی انکشاف جو آپ کے بیان میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ خونِ استحاضہ ایک رگ سے خارج ہوتا ہے اور خونِ حیض کی آمد اس ذریعہ سے نہیں ہوتی بلکہ وہ رحم میں جمع شدہ خون ہوتا ہے۔

فنِ جراحی، عورت کے رحم اور گردشِ خون کے نظام کو بچشم سر دیکھ لینے کے بعد ماہرین آج یہ تصدیق کر رہے ہیں کہ اندرونی حقیقت اس سے کچھ مختلف نہیں۔ خونِ حیض بتدریج رحم میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ یہ خالص خون نہیں ہوتا، بلکہ رحم کی دیگر رطوبتیں رحم کے مسامات سے خارج ہونے والا مواد اور جھلی کے ٹکڑے وغیرہ سب کچھ اس میں شامل ہوتے ہیں، یہ خون بدن کا حصہ نہیں ہوتا، بلکہ رحم میں ٹھہرا ہوا ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اس کی رنگت سیاہی مائل اور بدبو سخت ناگوار ہوتی ہے، یہی علامات اس کی ناپاکی اور نجاست پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا ان علامات کے خون میں باقی رہنے تک عورت کو عبادات سے روک دیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف خونِ استحاضہ ایک مخصوص شریان سے نکلنے والا تازہ خون ہے اور بدن کا حصہ ہے۔ بدن میں متحرک اور رواں ہونے کے باعث اس کی ناپاکی کا درجہ خونِ حیض جیسا نہیں، چنانچہ اس خون کی آمد کے دوران عورت کو محض تازہ وضو کرنے کا حکم ہے وہ اپنی عبادات کا عمل جاری رکھ سکتی ہے۔ (اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، از: ڈاکٹر قدرت اللہ، ج ۲/ص ۱۹۸۔۲۰۰، شرح بلوغ المرام، از: شیخ عطیہ سالم، درس ۳۸، ص ۶)

گویا حدیث سے دو اہم باتیں ثابت ہوتی ہیں، پہلی یہ کہ خونِ حیض اور خونِ استحاضہ

Marfat.com

دونوں کا منبع اور مرکز مختلف ہے۔ دوسرے یہ کہ دونوں کی کیمیاوی ترکیب میں بہت بنیادی فرق ہے، اس دوسری بات کا تعلق Chemistry اور پہلی کا Physiology سے تعلق ہے۔

گلوبل ولیج

عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اِنَّ رَبِّی زَوَیٰ لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا. (صحیح مسلم:۲۸۸۹، التوحید، از: ابن مندہ:۴۴۴)

’’حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: بے شک میرے رب نے میرے لیے پوری زمین سکیڑ کر رکھ دی اور میں نے اس کے مشرق و مغرب کا نظارہ کر لیا‘‘۔

حدیث واضح طور پر نبی کریمؐ کے ایک معجزے کا اظہار کر رہی ہے، جس میں اللہ رب العزت نے اپنے نبی اور حبیب کو اطرافِ دنیا دکھا دینے کا انتظام فرمایا ہے۔ اس کی نوعیت کیا رہی ہوگی، اس بارے میں ہم کسی رائے کا اظہار نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ بات معلوم رہے کہ ہمارے محدود ذہنوں میں آج تصویر و برقیات کی ترقی کے باوصف اس کی جتنی بھی صورتیں بن سکتی ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی بدر جہا بہتر صورتوں پر قادر ہے کہ وہ اپنے نبی کو دنیا کا نظارہ کرا دے۔ البتہ اس حدیث میں ایک ایسا تصور موجود ہے جس کے متعلق سائنس دانوں میں یہ خوش فہمی پائی جاتی ہے کہ یہ اعزاز انہیں اور اس دورِ جدید کے انسانوں کو ہی حاصل ہوا ہے۔ یہ تصور گلوبل ولیج کا ہے۔ آج یہ بتایا جاتا ہے کہ سمعی و بصری، برقی آلات اور آمدورفت کے تیز ترین ذرائع کی بدولت یہ بڑی دنیا ہماری نگاہوں کے سامنے سمٹ گئی ہے۔ رابطوں میں آسانی کے باعث اب یہ عظیم دنیا بس ایک چھوٹی سی بستی بن چکی ہے۔

حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گلوبل ولیج کی یہ صورت اور یہ اعزاز صدیوں پہلے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو گیا تھا۔

گناہ، آگ اور جراثیم

عَنْ عَائِشَۃَؓ اَنَّ النَّبِیَّ کَانَ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِی مِنْ خَطَایَایَ بِمَاءِ

Marfat.com

الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ. (صحیح بخاری: ۶۳۷۷، صحیح مسلم: ۵۹۸)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ یہ دعا پڑھا کرتے تھے، اے اللہ! تو مجھے میرے گناہوں سے برف اور اولوں کے پانی کے ذریعے صاف فرما دے''۔

یہ حدیث روح کی نورانیت کے ساتھ عالمِ طبیعات کے بعض رموز کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، وہ پہلی بات جس کی جانب نگاہ اٹھتی ہے گناہ اور پانی کے درمیان مناسبت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہ اغوائے شیطانی کی بنا پر وقوع پذیر ہوتے ہیں اور شیطان کا اصل جوہر آگ ہے۔ چنانچہ ہر شیطانی فعل اور تصور میں ایک نوع کا اشتعال ضرور پایا جاتا ہے اور مشتعل ہونا ہی آگ کی اصل صفت ہے، اس کیفیت کا سب سے بہترین تریاق پانی ہے۔ جبکہ پانی میں فطری طور پر یہ صلاحیت الگ سے پائی جاتی ہے کہ وہ ظاہری نجاستوں اور ناپاک جراثیموں کو بھی پاک کر دیتا ہے۔ لہٰذا حدیث میں گناہوں کی باطنی حیثیت ہو یا ظاہری، دونوں کے منفی اثرات کو پانی سے زائل کرنے کی دعا کی گئی ہے۔ (زاد المعاد، ج ۴/۲۱۲)

دوسری اہم بات برف اور اولوں کا ذکر ہے۔ یہ زمین پر مصنوعی انداز میں جمائی جانے والی برف نہیں، بلکہ قدرتِ الٰہی کے تحت گولیوں کی صورت میں جمی ہوئی اور روئی کے نرم و نازک گالوں کی طرح آسمان سے برسنے والی برف ہے۔ اس برف اور اولوں کے بارے میں بعض منطقی توجیہات محدثین نے ذکر کی ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ برف اور اولوں کا پانی طہارت اور نظافت کے نہایت اعلیٰ معیار پر ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پانی کو کسی انسانی ہاتھ نے نہیں چھوا ہوتا، نیز یہ پانی کسی بھی طرح زیرِ استعمال نہیں رہا ہوتا، نہ اس میں کسی شے کی مداخلت ہوتی ہے۔ چنانچہ گناہوں کی نجاست دور کرنے کے لیے اتنا معیاری اور شفاف پانی یقیناً اُس پانی کے مقابلے میں زیادہ مؤثر اور طہارت کا باعث ہوگا جو زیرِ استعمال رہ چکا ہو، یا اسے انسانی ہاتھوں نے چھو لیا ہو۔

(کشف المشکل، از: امام ابن جوزی، ۴/۲۸۵، فتح الباری، از: حافظ ابن رجب، ۶/۳۷۳)

یہاں ایک اور طبعی مناسبت بھی قابلِ بیان معلوم ہوتی ہے اور وہ پانی کے برف میں تبدیل ہو جانے کے بعد جراثیموں سے پاک ہونے کی کیفیت ہے۔ بالعموم برف کے درجۂ

Marfat.com

انجماد پر جراثیم زندہ نہیں رہتے، بلکہ برف میں ایک حد تک جراثیم کشی کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ گناہوں کے نجس اور جراثیمی اثرات کو دھونے کے لیے ایسا پانی درکار ہے جو جراثیم کشی کی قوت رکھتا ہو اور یہ مقصد برف اور اس کے پانی سے بڑی حد تک حاصل ہو سکتا ہے۔ (صحیح بخاری پر تعلیق، از: ڈاکٹر مصطفیٰ البغاء، حدیث نمبر ۶۳۶۸)

شجر کاری (Enviourment Protection)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَنْ غَرَسَ غَرْسًا فَمَا اُکِلَ مِنْہُ وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ وَالطَّائِرُ فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ. (مستخرج ابوعوانہ۔۴۲۲۳)

وَلَا یَرْزَأُہٗ مِنْہُ اَحَدٌ اِلَّا کَانَ لَہٗ صَدَقَۃٌ. (مسند احمد: ۲۷۰۸۸)

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنْ قَامَتِ السَّاعَۃُ وَفِیْ یَدِ اَحَدِکُمْ فَسِیْلٌ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ لَاتَقُوْمَ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَغْرِسَھَا فَلْیَفْعَلْ.

(مسند الطیالسی: ۲۱۸۱، الادب المفرد، از: امام بخاری: ۴۷۹)

''حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا، جس نے کوئی درخت لگایا ہو، پھر اگر اس درخت سے کسی نے کھا لیا، یا کسی نے کچھ چوری کیا، یا کسی درندے یا پرندے نے کچھ کھا لیا، کسی نے اس درخت میں کچھ کمی کر دی تو لگانے والے کے لیے یہ سب کچھ صدقہ شمار ہوگا''۔

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: اگر قیامت سر پر کھڑی ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی قلم یا نہال موجود ہو تو اسے پوری کوشش کرنی چاہیے کہ وہ قیامت قائم ہونے سے پہلے اسے بونے میں کامیاب ہو جائے''۔

یہ دونوں حدیثیں روئے زمین پر شجر کاری کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔ درخت کرۂ ارض کا زیور اور اس کا لباس ہیں؛ اگرچہ درختوں کی اہمیت اور فوائد کا انسان ہمیشہ سے قائل رہا ہے، لیکن جدید زمانے میں درختوں کی افادیت کو سائنسی آلات سے بھی جانچ لیا گیا ہے، زمین پر درخت اگانے کے جتنے بھی فائدے تلاش کیے جائیں وہ حدیث کی معنویت میں شامل ہی رہیں

Marfat.com

گے۔ اسی طرح دنیا بھر میں جنگلات کی کٹائی اور نئے درخت نہ اگانے کے جو نقصانات تحقیقاتی رپورٹ میں سامنے آرہے ہیں ان سب سے بچاؤ کی تدبیر بھی حدیث میں موجود ہے کہ آپؐ نے سخت ترین حالات میں بھی درخت لگانے کے عمل کو ترجیح دینے کا حکم دیا ہے۔

آج گلوبل وارمنگ کے جس خطرے سے دنیا دوچار ہے، اس سے بچاؤ کے لیے شجرکاری سب سے مؤثر اور مفید عامل ہے، اس کے علاوہ ماحولیاتی گرمائش اور اس کا سبب بننے والی گرین ہاؤس گیسوں میں کمی کے سارے منصوبے ناکامی سے دوچار ہورہے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ سامنے آئی ہے کہ امریکا سمیت نام نہاد انسان دوست اور مہذب ملکوں میں سے کوئی بھی ان مہلک گیسوں کے اخراج میں کمی کے لیے تیار نہیں، کیونکہ انہیں خطرہ ہے کہ اس طرح انہیں اپنی صنعتی سرگرمی کم کرکے خطیر منافع خوری سے محروم ہونا پڑے گا۔ اس صورت میں ایک شجرکاری ہی بچتی ہے جو Green House Gases کو کسی نہ کسی حد تک کنٹرول کرسکتی ہے اور زمین کے بڑھتے ہوئے درجۂ حرارت (Temperate) کو انسانی حیات کے لیے مناسب بناسکتی ہے، اور اسی جانب بہت پہلے سے حدیث پاک میں اشارہ فرمادیا گیا ہے۔

حدیث میں اس جانب بھی اشارہ موجود ہے کہ شجرکاری کس طرح جنگلی حیات کے فروغ اور تحرک کا سبب بنتی ہے، جہاں درخت ہوتے ہیں وہاں چرند و پرند کھنچے چلے آتے ہیں۔

سربفلک عمارتیں (Skyscraper)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: اَنْ تَرَی الْحُفَاۃَ الْعُرَاۃَ الْعَالَۃَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ. (صحیح بخاری: ۴۷۷۷، القضاء والقدر، از: امام بیہقی: ۱۳۴)

''حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے قیامت کی علامت بتاتے ہوئے فرمایا: تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، ننگے جسم محتاج اور بکریاں چرانے والے بلند عمارتیں بنانے میں مقابلہ کریں گے''۔

یہ حدیث اپنے الفاظ سے قربِ قیامت ایسی ٹیکنالوجی کا اثبات کررہی ہے جس کے

Marfat.com

تحت بلند ترین عمارتیں بنائی جائیں گی اور ایک سے اونچی ایک عمارت بنانے میں مقابلے کی سی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ حدیث کے اسلوبِ بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بلند عمارتوں کی تعمیر میں مقابلہ کرنے والے خود بدوی پس منظر اور غیر متمدن معاشرت کے مالک ہوں گے، مگر اس زمانے میں فلک بوس عمارتیں (Skyscraper) بنانے کی ٹیکنالوجی اتنی عام ہو جائے گی کہ کوئی بھی اسے حاصل کر سکے گا۔ نبی کریمؐ کی اس پیش بینی کو پڑھ کر فوری طور پر ذہن بدویانہ عرب قبائل اور آج ان کی جدید ترین طرزِ رہائش اور عمارتوں کی طرف منعطف ہو جاتا ہے، لیکن فی الحقیقت یہ پیش گوئی فقط عرب ریاستوں پر ہی صادق نہیں آتی، بلکہ امریکا، آسٹریلیا، یورپ اور ایشیا کے ان تمام شہروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جن کے شہری کم و بیش ڈیڑھ صدی پہلے تک مویشی پالنے اور جنگلوں میں رہائش پر مجبور تھے اور صنعتی ترقی کے بعد عربوں کی طرح اونچی عمارتوں میں رہائش پذیر ہیں۔

فنِ تعمیر

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِی اَوْفٰی عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: قَالَ لِی جِبْرَئِیْلُ: بَشِّرْ خَدِیْجَةَ بِبَیْتٍ مِنْ قَصَبٍ لَانَصَبَ فِیْهِ وَلَا صَخَبَ. (صحیح بخاری:۳۸۱۹، صحیح مسلم:۲۴۳۳)

''حضرت عبداللہ بن ابی اوفی روایت کرتے ہیں، نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ خدیجہؓ کو بشارت دے دو کہ انہیں خلادار موتیوں سے بنا ہوا گھر ملے گا، جس میں نہ کوئی تکان ہوگی اور نہ ہی شور کی آواز آئے گی''۔

ام المومنین حضرت خدیجہؓ کو اس حدیث میں ایک خوشخبری سے نوازا گیا۔ جس میں اُن کے ساتھ ایک ایسے گھر کا وعدہ کیا گیا ہے جو ''مجوف'' یعنی اندر سے ہوادار موتیوں سے تعمیر کیا گیا ہوگا، اس گھر کی خاصیت یہ ہوگی کہ اس میں تھکن طاری نہیں ہوگی اور نہ ہی شور و شغب سے طبیعت مکدر ہوگی۔

یہ گھر حضرت خدیجہؓ کو جنت میں دیا جائے گا، اگرچہ جنت کی زندگی میں تکان اور صوتی آلودگی ویسے ہی نہیں ہوگی تاہم اس گھر کے طرزِ تعمیر اور خصوصی میٹریل کا نمایاں تذکرہ اور

Marfat.com

پھر اس کے فوائد کے بیان سے کچھ اور نکات بھی واضح ہوتے ہیں، جن کا تعلق فنِ تعمیر کے جدید رجحانات کے ساتھ ہے، بالعموم مٹی گارے اور مسالے میں پیوست پختہ اینٹوں سے عمارتوں کی تعمیر عمل میں آتی ہے، البتہ یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ اس طرح کی عمارتیں موسم کی شدت میں گرمی اور سردی کی دوطرفہ منتقلی کو نہیں روک سکتیں، اندر کا ماحول آپ کی منشا کے مطابق نہیں رہتا، بلکہ باہر کا شدید گرم یا سرد موسم اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دیواریں آوازوں کو بھی نہیں روک سکتیں اور مسلسل شور وغوغا اندر آنے کے باعث سکون و اطمینان کی مطلوب کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔ اس مشکل کا حل فنِ تعمیر کے ماہرین نے خلادار اینٹیں اور بلاک بنا کر نکال لیا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر دیواریں اندر سے کھوکھلی یا ان کے اندر کسی بھی طرح ایک خلا پیدا کر دیا جائے تو اس کی بدولت وہ گرمی وسردی اور آوازوں کو بخوبی روک لیتی ہیں اور اندر کا ماحول معتدل اور آرام دہ بن جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ سے جو تکنیکی اور ہندسی اصول مترشح ہوتا ہے، آجکل کی اعلیٰ عمارتیں اسی Insulation کے مطابق بنائی جاتی ہیں جس کے باعث دیواریں اور کمرے گرمی سردی اور آواز (Heat Cool and Sound Proof) کو روکنے کی استعداد سے لیس ہوتے ہیں اور ان کے اندر کا ماحول طبیعت کے لیے نہایت سازگار رہتا ہے۔

تعمیراتی مہارت (Architective Art)

عَنْ اَبِی مُوسٰی الْاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: اَلْمُؤمِنُ لِلْمُومِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضاً. (صحیح بخاری:۲۴۴۶، صحیح مسلم:۲۵۸۵)

''حضرت ابوموسیٰؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ایک مومن کا دوسرے مومن کے ساتھ تعلق ایک عمارت کی مانند ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو قوت پہنچاتا ہے''۔

حدیثِ مبارکہ کا مضمون مومنوں کے معاشرے میں باہمی ربط کی گہرائی اور مضبوطی کی عکاسی کرتا ہے، یہ مضمون کچھ اور احادیث میں بھی بیان ہوا ہے، مگر اس حدیث میں یہ تمثیلاتی

Marfat.com

انداز بہت اعلیٰ درجے کے تعمیراتی ڈھانچے (Structure) اور اس کی فنی خصوصیت کا اظہار کر رہا ہے۔ عمارت کی تعمیر میں اس کے ایک حصے کا دوسرے حصے کو تقویت پہنچانا دراصل ایک ماہرانہ ڈیزائن پر منحصر ہوتا ہے۔ پھر تعمیراتی مواد کی ساخت اور اس کی ٹھیک تنصیب سے عمارت کو استحکام ملتا ہے، اور ہندسی قواعد کے مطابق عمارت کے وزن کی مختلف ستونوں کے اوپر متوازن تقسیم بھی پائیداری میں اضافہ کرتی ہے، یہ سب چیزیں مل کر فی الحقیقت اس کیفیت کو یقینی بناتی ہیں جسے حدیث میں ''یَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے الفاظِ حدیث زبردست صناعی اور تعمیراتی مہارت کے علاوہ درست نقشہ سازی (Architecture) کے اصولوں کو واضح کرتے ہیں۔

زمین کا سکڑنا

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِؐ عَلَيْكُمْ بِالدُّلْجَةِ فَاِنَّ الْاَرْضَ تُطْوٰى بِاللَّيْلِ. (معجم از: امام ابویعلی۔ ۱۵۹، موطا: ۲۸۲۷)

''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: تم رات کو سفر کرو، کیونکہ زمین رات کو سکیڑ دی جاتی ہے''۔

یہ حدیث قدرتِ الٰہی کے ایسے مظہر کو ثابت کر رہی ہے جس کا ٹھیک اندازہ لگانا تاحال مشکل معلوم ہوتا ہے، البتہ قانونِ فطرت کے کچھ مشاہدات ایسے ہیں جن کی مدد سے حدیث میں بیان کیے گئے منظر کو سمجھا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں ذہن سائنس کے ایک بالکل عام اور سادہ سے اصول کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس کے مطابق گرمی اور حرارت کے باعث ٹھوس اشیا پھیلتی ہیں اور سردی میں یہ اشیا سکڑتی ہیں۔ بسا اوقات شدید گرمی میں ریل کی لائنیں پھیلنے کے باعث ٹیڑھی ہو جاتی ہیں اور عمارتوں میں چھتوں کے اندر موجود سریا حدت سے پھیلتا ہے تو چھت میں شگاف پڑ جاتے ہیں ان کے علاوہ بھی یہ مشاہدہ بہت ساری دھاتی اور معدنی اشیا میں نظر آتا ہے، اس لیے کچھ عجب نہیں کہ رات کے اوقات میں جب سورج کی تپش مفقود ہوتی ہے اور موسم میں نسبتاً

Marfat.com

خشکی پائی جاتی ہے زمین اپنے حجم میں کچھ کم ہو جاتی ہو، تاہم اتنے بڑے اور وسیع وعریض کرہ خاکی میں یہ تبدیلی دیکھنے میں تو محسوس نہ ہوتی ہو البتہ اس کی پشت پر میلوں کا سفر غیر محسوس طور پر کچھ کم ہو جاتا ہو۔ بہر کیف حدیث میں بیان کیا گیا یہ نکتہ تفصیلی تحقیق کا متقاضی ہے۔

اقسامِ زمین اور پیداوار (Soil Testing)

عَنْ اَبِی مُوسٰی الْاَشْعَرِیؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: اِنَّ مَثَلُ مَا بَعَثَنِی اللّٰہُ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَصَابَ اَرْضاً فَکَانَتْ مِنْھَا طَائِفَۃٌ طَیِّبَۃٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْکَلَاءُ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانَ مِنْھَا اَجَادِبَ اَمْسَکَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّاسَ فَشَرِبُوا مِنْھَا وَسَقُوا وَزَرَعُوا وَاَصَابَ طَائِفَۃٌ مِنْھَا اُخْرٰی اِنَّمَا ھِیَ قِیْعَانٌ لَاتُمْسِکُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ کَلَاءً فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ فَقُہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ وَنَفَعَہٗ مَابَعَثَنِی اللّٰہُ بِہٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ یَرْفَعْ بِذٰلِکَ رَأْسًا وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ۔ (صحیح بخاری:۷۹، صحیح مسلم:۲۲۸۲)

’’حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ نے مجھے جو علم اور ہدایت دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایک بارش کی سی ہے، جو ایک پورے علاقے میں برستی ہے، زمین کا ایک ٹکڑا تو بہت اچھا اور زرخیز ہوتا ہے جو اس بارش کے پانی کو جذب کر کے خوب گھاس پھونس اور جڑی بوٹیاں اُگا دیتا ہے، مگر دوسرا بنجر ہوتا ہے وہ پانی کو جذب کیے بغیر اپنے اوپر ٹھہرا لیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس پانی سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، وہ یہ پانی پیتے اور پلاتے ہیں اور اس سے کھیتی باڑی بھی کر لیتے ہیں۔ زمین کا ایک اور حصہ بالکل سیدھا اور چٹیل میدان کی مانند ہوتا ہے، یہ نہ تو پانی کو دوسروں کے لیے روک سکتا ہے اور نہ ہی جذب کر کے گھاس اُگا سکتا ہے۔ اب یہ مثال اس شخص پر صادق آتی ہے جس نے اللہ کے دین کی فقاہت حاصل کی اور اسے میرے ساتھ بھیجے گئے علم اور

Marfat.com

ہدایت نے فائدہ پہنچایا، اُس نے دین کو سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور وہ شخص بھی اس مثال کے مطابق ہے جس نے اس فیضانِ علم و ہدایت کے لیے اپنا سر تک نہ اٹھایا اور میرے ساتھ آنے والی ہدایت کو قبول ہی نہ کیا''۔

حدیث پاک میں یہ خوبصورت تمثیل جس غرض سے دی گئی ہے وہ حدیث کے الفاظ سے خوب واضح ہو رہی ہے، البتہ آپؐ کی بیان کردہ یہ تمثیل اور اس کے درجات کچھ اور فنون و معارف کے دروازے بھی کھول رہے ہیں اور جو آجکل جدید علوم زرعی (Agricultural Science) کی بنیاد ہیں۔

کامیاب زراعت اور نفع بخش کھیتی باڑی کے لیے درست زمین کا انتخاب بنیادی اہمیت کا حامل اقدام ہے، اس کے بغیر ساری جدوجہد اور سرمایہ ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے، قطعہ زمین کی درستی اُس کی مٹی کے ٹیسٹ سے مشروط ہوتی ہے جس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس خاک میں کاشتکاری کے لیے مناسب مقدار میں مطلوبہ کیمیاوی عناصر پائے جاتے ہیں یا نہیں، نیز یہ مٹی پانی کو جذب کرنے کی کتنی صلاحیت رکھتی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ کا زمین کی درجہ بندی کرنا اس جانب واضح اشارہ کرتا ہے کہ زرعی اقدام سے پہلے زمین اور اس کی خاک کا ٹیسٹ ضروری ہے کیونکہ ساری زمینیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔

زرعی علوم کے لحاظ سے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ رسول اللہؐ نے زمینوں کی درجہ بندی میں جو ترتیب اختیار فرمائی ہے آج بے پناہ ترقی کے باوجود بھی یہ ترتیب اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں حدیث بارش اور زمین کے تعلق نیز بارانی زراعت کے ساتھ ساتھ خود رو گھاس اور جڑی بوٹیوں کی افزائش کا بھی تذکرہ کرتی ہے جس سے صحرا و بیاباں میں بارش کے اثرات کا علم ہوتا ہے۔

زمینی مطالعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: بَیْنَمَا رَجُلٌ یَمْشِیْ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتاً فِیْ السَّحَابَةِ اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰی ذٰلِکَ السَّحَابُ

Marfat.com

فَافْرَغَ مَاءَهُ فِیْ حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْکَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِکَ الْمَاءَ کُلَّهُ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ. الخ (صحیح مسلم:۲۹۸۴، کتاب التوحید، از: ابن مندہ:۴۳)

"حضرت ابوہریرہؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ایک شخص کسی ویرانے میں چلا جا رہا تھا، اچانک اُس نے بادل میں یہ آواز سنی: فلاں کے باغیچے کو سیراب کردو! بادل اپنی جگہ سے ذرا سرکا اور اس نے اپنا سارا پانی ایک سخت پتھریلی وادی میں گرا دیا، وہاں سے یہ پورا پانی ایک پہاڑی نالے نے سمیٹ لیا۔ یہ شخص بھی اس پانی کے ساتھ ساتھ چلنے لگا، اچانک اس نے دیکھا کہ ایک شخص بیلچہ لیے اپنے باغ میں کھڑا ہے اور پانی کا راستہ بنا رہا ہے، اس پانی کے ساتھ آنے والے شخص نے باغ والے کا نام پوچھا، اُس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادلوں میں سنا تھا۔ باغ والا بولا کہ تم میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو۔ اس نے کہا میں نے بادلوں میں کسی کو یہ کہتے سنا تھا کہ فلاں کے باغ کو پانی پلا دو، چنانچہ میں نام کی تصدیق چاہتا ہوں اور یہ بھی کہ آخر تم کون سا عمل کرتے ہو جس کی بدولت تمہارے باغ کے ساتھ یہ خصوصی برتاؤ کیا گیا ہے۔ باغ والا بولا: کہ میں کُل پیداوار کے تین حصے کرتا ہوں، ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں اور ایک تہائی اہل و عیال اور ایک تہائی اگلی فصل کے اخراجات کے لیے رکھتا ہوں۔"

حدیث نبوی کا یہ دلچسپ منظر اور ایک خوبصورت واقعہ اپنے اصل موضوع میں بھی واضح ہے اور اس کے ساتھ چند اور فطری مظاہر کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ یہ منظر جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے ہموار اور چٹیل میدانی علاقوں میں نہ اسے سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا اس طرح مشاہدہ ہوسکتا ہے جس طرح حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ یہ دراصل نشیب و فراز والی پہاڑی سرزمین کا منظر ہے، جہاں بارش کا مقام اور اس سے آباد ہونے والی زمین میں سیکڑوں میل کا فاصلہ بھی ہوسکتا ہے۔ بسا اوقات پہاڑی ندی نالوں میں بارش کا پانی اچانک ایسے علاقے تک پہنچ جاتا ہے جہاں بادلوں کے آثار بھی نہیں ہوتے۔ حدیث میں ایک مخصوص باغیچے تک پانی پہنچانے کے لیے بادلوں کا ذرا ایک طرف ہٹ کر بارش برسانا بہت

Marfat.com

دلچسپ اور معنی خیز بات ہے۔ جس سے مختلف زمینوں کی نقشہ سازی میں اونچائی اور ڈھلوان کے رُخ اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح پہاڑی زمینوں کے نقشوں میں ندی نالوں کی جہت اور پانی کے بہاؤ کی سمت متعین کرنا بہت ضروری ہوتا ہے، کیونکہ انہی نقشوں کی مدد سے آبی ذخیروں کی تعمیر، زرعی زمینوں کی تقسیم اور چراگاہوں سے استفادے کے اصول مرتب کیے جاتے ہیں۔ سیلابی ریلوں کے رُخ اور حجم کا تعین اور ان سے بچاؤ کی منصوبہ بندی کا سارا انحصار بھی اسی نوعیت کے زمینی مطالعہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے حدیث مبارکہ زمینی نقشہ سازی کی بنیادی جہتوں کو واضح کرتی ہے۔

تیز رفتار ذرائع سفر

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِؐ قَالَ: اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَبْعَثَ الْغَلَامُ الشَّيْخَ بَرِيْداً بَيْنَ الْاُفُقَيْنِ وَحَتّٰى يَبْلُغَ التَّاجِرُ بَيْنَ الْاُفُقَيْنِ فَلَا يَجِدُ رِبْحاً. (معجم کبیر: ۹۴۹۰، مصنف عبدالرزاق۔ ۵۴۰)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا: کہ قیامت کی نشانیوں میں یہ بھی ہوگا کہ ایک کم عمر لڑکا کسی بزرگ کو قاصد بنا کر دنیا کے دور دراز علاقوں میں بھیجے گا اور خود تاجر بھی زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک سفر کرے گا، مگر منافع نہیں پائے گا''۔

حدیث علاماتِ قیامت کی تفصیل میں کچھ ایسی چیزوں کا تذکرہ کر رہی ہے جن کو دیکھتے ہی قاری کا ذہن آجکل کے جدید اور انتہائی سبک رفتار ذرائع سفر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ کسی کو پیغام رسانی اور خصوصی مہمات پر زمین کے ''افق'' یعنی کناروں کے درمیان ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا اور اسی طرح بغرض تجارت کسی فرد کا کرۂ ارض کے اوپر مختلف مقامات تک پہنچ جانا اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قرب قیامت دنیا میں رسل رسائل کے شعبے میں اس قدر ترقی ہو جائے گی کہ یہ سب کچھ ممکن ہوگا۔ آج یہ امکان تیز رفتار ٹرینوں اور طیاروں کی ایجاد سے بالکل درست ثابت ہو گیا ہے۔ وسائل آمد ورفت کی جدید ترین اشکال کی طرف

Marfat.com

قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: گھوڑے، خچر اور گدھے تمہاری سواریاں اور شان وشوکت کا سامان ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں پیدا کرتا رہے گا، جن کا تمہیں علم نہیں۔ (النحل:۸)

گویا قیامت تک ایسی سواریاں بنتی رہیں گی جن کا پہلے کسی کو گمان تک نہ ہوگا اور وہ اپنے گزشتہ دور کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ ہوں گی۔

ہوائیں اور بارآوری

عَنْ صُهَيْبٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبُّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبُّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ.

(صحیح ابن خزیمہ: ۲۵۶۵، عمل الیوم واللیلۃ، از: ابن سنی۔ ۵۲۵)

''حضرت صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ سات آسمانوں اور جن پر یہ سایہ فگن ہیں اُن کے رب، سات زمینوں اور جو کچھ انہوں نے اٹھا رکھا ہے ان کے رب اور ہواؤں کے رب اور جو کچھ ان ہواؤں نے بکھیرا ہے ان کے رب''۔

یہ دعا آنحضرت کسی نئی بستی اور علاقے میں داخل ہوتے ہوئے اللہ سے اس کی خیر طلب کرنے کے لیے پڑھا کرتے تھے۔ اس دعا کے ابتدائی دو جملوں کے متعلق جن میں سات آسمانوں کے ساتھ سات زمینوں کا بھی تذکرہ ہے، سائنس آج تک کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ سکی ہے، البتہ آخری جملے میں بکھیرنے والی ہواؤں کے بہت سارے حقائق سائنس دانوں نے دریافت کر لیے ہیں۔ ان سطور میں تمام پہلوؤں کا احاطہ یا نشاندہی ممکن نہیں یہاں ہم صرف ہواؤں کی صفتِ بارآوری اور کرۂ ارض پر اگنے والی لاتعداد اقسام کی نباتات کے پھیلاؤ میں ہواؤں کے کردار پر چند اشارات درج کریں گے۔

جس طرح انسانوں اور حیوانوں میں مذکر ومؤنث کے ملاپ سے نتیجہ خیزی پیدا ہوتی ہے، اب یہ بات سائنس دانوں نے بھی تسلیم کر لی ہے کہ نباتات کے ثمر آور ہونے کے لیے

Marfat.com

بھی یہ عمل ضروری ہے اور روئے زمین پر لپٹے ہوئے سبزہ وگل اور درخت و پودوں میں بھی مذکر و مؤنث دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں۔ حدیث میں، پھیلانے والی ہواؤں کا ایک واضح مطلب یہی ہے کہ وہ ان پودوں کے اجزائے تولید کو اپنے تھپیڑوں کے ذریعے ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کرتی ہیں، جب مذکر پودوں کے اجزا مؤنث سے جا ملتے ہیں تو بار آوری کا عمل قرار پاتا ہے۔ اسی طرح ان مختلف النوع نباتات کے تخم اور بیج بھی انہی ہواؤں کے دوش پر سفر کرتے ہوئے ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک پہنچتے ہیں اور پوری سطح زمین پر اختلاط وانتشار کا یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ یہ بات قرآن پاک میں بھی صدیوں پہلے واضح کر دی گئی تھی۔

ارشادِ ربانی ہے: ''ہم نے نباتات کی ہر قسم زمین میں متوازن انداز میں اُگا دی ہے اور اس میں معیشت کے اسباب پیدا کر دیے تمہارے لیے بھی اور ان کے لیے بھی جنہیں تم رزق فراہم نہ کر سکتے تھے، کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، مگر ہم اندازے سے انہیں نازل کرتے ہیں اور ہم نے ہی ایسی ہوائیں چلائیں جو بار آوری کا کام کرتی ہیں''۔ (سورۃ الحجر: ۱۹۔۲۲)

قلتِ آب کا عالمی مسئلہ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ؟ فَقَالَ أَفِي الْوُضُوْءِ اِسْرَافٌ قَالَ نَعَمْ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ. (سنن ابن ماجہ: ۴۲۵، مسند احمد: ۷۰۶۵)

''حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کا گزر حضرت سعدؓ کے پاس سے ہوا وہ وضو کر رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: یہ کیا اسراف ہے؟ حضرت سعد بولے، کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں بے شک تم چلتی ہوئی نہر پر ہی کیوں نہ بیٹھے ہو''۔

اسراف حدّ اعتدال سے تجاوز یا ضرورت سے زائد کسی شے کے استعمال کو کہتے ہیں۔ کم

Marfat.com

مقدار والی یا بہت محدود چیز میں اسراف کا مفہوم سب کو سمجھ میں آتا ہے، البتہ کوئی چیز وافر مقدار میں ہو تو اس میں اسراف کا احساس نہیں ہوتا۔ حدیث بالا میں ایک تو اسی غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے۔ دوسرے اس میں یہ علمی نکتہ بھی موجود ہے کہ پانی کی مقدار دنیا میں بہت وافر نظر آنے کے باوجود بھی محدود ہے اور ہر محدود یا متعین مقدار والی چیز اسراف اور سوئے استعمال سے کم ہوسکتی ہے، کم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دستیابی مشکل ہوسکتی ہے۔ ورنہ از روئے قرآن یہ ثابت ہے کہ اللہ نے ایک اندازے کے مطابق زمین پر پانی نازل فرمانے کے بعد اسے یہاں ٹھہرا دیا ہے اور وہ اس پانی کو واپس لے جانے پر بھی قادر ہے۔ (سورہ المومنون آیت نمبر ۱۸)

یہ پانی زمین میں مختلف اشکال میں موجود رہتا ہے اور انسان اپنی ضرورت کے مطابق اسے باآسانی حاصل کر لیتا ہے، تاہم بے اعتدالی کے ساتھ اس کا استعمال اس کی دستیابی میں صعوبت پیدا کرسکتا ہے، برق اور مشینی ایجادات سے پہلے شاید انسان کو اس حقیقت کا ادراک نہیں تھا۔ البتہ آج انسانوں سے بھری ہوئی دنیا اس خطرے کو حقیقت کے روپ میں دیکھ رہی ہے، پانی کے اسراف اور فضول خرچی نے پانی کی دستیابی کا توازن بگاڑ کر رکھ دیا ہے، زیرِ زمین موجود ذخیرۂ آب کو بے دریغ نکال لینے سے سطحِ آب انسانی دسترس سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ قدرتی ذرائع سے میسر پانی کو محفوظ کرنے کے بجائے اسے بہا کر ضائع کر دینا بھی دراصل اسراف کے زمرے میں آتا ہے، اس طرح کی غفلت برتنے والی قومیں بتدریج پانی کی قلت کا شکار ہو رہی ہیں اور بہتر منصوبہ بندی کے ذریعے پانی کو محفوظ کرنے والی اقوام خوشحالی سے مستفید ہو رہی ہیں۔ پانی کی اہمیت کے پیشِ نظر اب یہاں تک کہا جا رہا ہے کہ آئندہ دنیا میں وقوع پذیر جنگیں پانی کے مسئلے پر ہوں گی۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا ادراک حدیثِ نبوی کے محض ایک جملے میں کر لیا گیا ہے اور ہدایت وحی سے بے خبر انسان برسوں کے تجربات کے بعد اس حقیقت سے آشنا ہوا ہے۔

سمندر کی فطرت

عَنْ اَبِی ھرَیرۃؓ قَالَ: سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ عَنِ الْبَحْرِ فَقَالَ: ھُوَ الطَّھُورُ مَاءُ

Marfat.com

ہُ اَلْحِلُّ مَیْتَتُہٗ. (سنن ابوداؤد:۸۳، مسند الشافعی:۲۵)

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ سے سمندر کے بارے میں پوچھا گیا، آپؐ نے فرمایا: اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے''۔

حدیث کا فقہی حکم تو بہت واضح ہے، تاہم اس کے ساتھ ہی الفاظِ حدیث میں سمندر کے مزاج اور طبیعت کی جانب بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ سمندر کے پانی کو ہمیشہ پاک اور پاکیزگی کے قابل قرار دینا دراصل سائنسی حکمتوں کی وضاحت ہے، حالانکہ سمندر کے پانی میں دنیا بھر کی غلاظت اور صنعتی زہریلا کیمیاوی مواد شامل ہوتا رہتا ہے، خود سمندر کے اپنے اندر پائے جانے والے اَن گنت حیوانات بھی اس میں مرتے اور سڑتے رہتے ہیں، لیکن اس کا پانی کبھی متعفن نہیں ہوتا۔ غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ سمندر کی اس صلاحیت میں اس کے پانی کی کثرت، مسلسل تحرک کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں نمکیات کا پایا جانا ہے، یہ نمکیات تعفن اور پھپھوند کو دور کرنے کی لاجواب صلاحیت رکھتے ہیں اور ہر قسم کے زہریلے اور فاسد مادّوں کو بخوبی تحلیل کر دیتے ہیں، سمندر کے پانی کی پیہم حرکت بھی اسے اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ اپنے اندر گلے سڑے ناقابلِ تحلیل اجسام اور مواد کو نکال کر باہر پھینک دے، جہاں سورج کی تمازت اسے ناکارہ بنا دیتی ہے۔ اس طرح سمندر کا پانی ہمیشہ نہ صرف خود پاک رہتا ہے بلکہ دوسری چیزوں کو پاک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اسی حقیقت کا انکشاف آپؐ نے محض دو لفظوں میں فرما دیا ہے۔

ناگہانی موت (Sudden Death)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ؐ قَالَ: اِنَّ مِنْ اَمَارَاتِ السَّاعَةِ اَنْ یَّظْهَرَ مَوْتُ الْفَجاَةِ. (معجم طبرانی اوسط:۵۷۷۵، کتاب الفتن، از: ابوعمرو الدانی:۳۹۹)

''حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہوگی کہ ناگہانی موت کے حوادث نمودار ہوں گے''۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے جسے ثابت کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں،

Marfat.com

بلکہ موت خود ہی اپنی دلیل آپ ہے۔ انسانی طبیعت بالعموم ایسی موت کے لیے تیار ہو جاتی ہے جس کی علامتیں پہلے ظاہر ہو جائیں، ورنہ بغیر کسی پیشگی نشانی کے اچانک موت کا وقوع بہت شاق گزرتا ہے۔ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کی ناگمان موت کے حوادث پہلے نہیں تھے بلکہ یہ قیامت کے قریبی زمانے میں ظاہر ہوں گے، کیونکہ اگر یہ واقعات آپؐ کے زمانے میں معمول کا حصہ ہوتے تو آپ کبھی اسے قربِ قیامت کے زمانے سے مشروط نہ بتاتے۔ قدیم عربی اشعار، قصائد و مراثی میں اس کا ذکر ضرور ہونا چاہیے تھا، مگر اس ذخیرے میں کسی نے اس طرح کی موت کا شکوہ نہیں کیا۔ اسی طرح کتب تاریخ اور لوک داستانیں بھی اس بارے میں خاموش ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریمؐ نے تعلیماتِ وحی کی روشنی میں یہ پیشگوئی فرمائی ہے اور آج کے زمانے میں آپؐ کے مبارک الفاظ حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں، یہ مرگِ مفاجات طبی اصطلاح میں SCD سڈن کارڈیک ڈیتھ کہلاتی ہے، یعنی ایسی موت جو غیر متوقع طور پر بلا اسبابِ ظاہری اچانک واقع ہو جائے اور مریض کم و بیش ایک گھنٹے کے اندر ہی چل بسے۔

۱۹۴۸ء میں شروع ہونے والی ایک تحقیق میں اچانک موت کی تشخیص میں دل کی شریانوں کے امراض کو ۶۰ فیصد تک بطور وجہ بتایا گیا ہے، اقوام متحدہ کی سالانہ رپورٹس میں ہارٹ اٹیک اور برین ہیمبرج سے اچانک مرنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو واضح کیا گیا ہے، ان تحقیق نگاروں کے مطابق دنیا میں ناگہانی موت کا سب سے بڑا سبب یہی امراض ہیں۔ حدیث میں استعمال کردہ اصطلاح بہت معنی خیز اور سائنسی ہے، آپؐ نے ''موت'' کے بجائے ''موت الفجاءۃ'' اچانک موت کی تعبیر استعمال فرمائی ہے، یہ اصطلاح جدید طب میں آج بھی اسی طرح مستعمل ہے۔ (روائع الطب، ص۴۳، نیز دیکھیے: سڈن کارڈیک ڈیتھ، از Silvia G Priori)

زمین کی طہارت اور خصوصیت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِؓ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطُهُورًا۔ (صحیح بخاری: ۳۳۵، مستخرج الطوسی علی الترمذی: ۲۹۸)

Marfat.com

''حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: میرے لیے زمین کو مسجد (جائے نماز) اور طہارت فراہم کرنے والی بنادیا گیا ہے''۔

زمین کو عبادات کے لیے بطور جائے نماز استعمال کرنا بہت معروف اور سادہ سی بات ہے، لیکن اس کا بھی اصل سبب زمین کا نہ صرف خود پاک ہونا ہے بلکہ اس میں دوسری نجس اشیا کو پاک صاف کرنے کی صلاحیت کا پایا جانا ہے۔

کتے کے جھوٹے برتن کو مٹی سے پاک کرنے کے ضمن میں بھی زمین کی اس خاصیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ڈھیلوں کے ذریعہ استنجا میں بھی یہی تاثیر کارفرما نظر آتی ہے۔ سطح زمین کا کیمیائی تجزیہ بتاتا ہے کہ ''خاک'' اس سطح کا بنیادی عنصر ہے اور اللہ نے خاک میں ''نوشادر'' (Ammonium Chloride) نام کا ایک جوہر وافر مقدار میں شامل کیا ہے۔ یہ جو ہر متعفن مواد اور کئی قسم کی غلاظتوں کو فنا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ اوپر ذکر کی گئی مثالیں بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ مٹی کے اسی وصف کی بنا پر شریعت محمدیہ میں زمین کو جائے نماز بھی قرار دیا گیا ہے اور نجس اشیا کو پاکیزہ بنانے والا مرکب بھی۔ (الموسوعۃ العلمیۃ الاعجاز النبوی، ص ۳۹، ج ۱، از: ڈاکٹر سمیر عبدالحلیم) دیکھیے (کتاب المفردات، از: مظفر حسین اعوان، ص ۴۹۷)

تعلقات عامہ کا اصول (Public Dealing)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِؐ اَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ. (مسند الدیلمی: ۸۴۳۴، تاریخ الخولانی: ۸۹)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ہم لوگوں کے ساتھ اُن کی عقلی استعداد کے مطابق گفتگو کریں''۔

ایک قول زرّیں پر مبنی یہ جملہ بے شمار حکمتوں اور مصالح کا مجموعہ ہے۔ اس نبوی نصیحت کے فوائد کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب انسانوں کے بیچ میں گھل مل کر شاہراہِ حیات سے گزرنا پڑتا ہے۔ تنہائی پسند، مردم بیزار اور کنارہ کش انسان اس حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتے۔ لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج، عقلی صلاحیت اور سمجھ بوجھ کے مطابق بات کی

Marfat.com

جائے تو وہ فوراً اسے اخذ کر لیتے ہیں اور بحث وتکرار کی نوبت نہیں آتی اسی بنا پر مشہور حکماء اور فلاسفہ نے نہایت گہری اور بڑی بڑی باتوں کو سمجھانے کے لیے انتہائی عام فہم اور سادہ تمثیلات کا سہارا لیا ہے۔ اس سلسلے میں شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان اور علامہ جلال الدین رومی کی مثنوی معنوی بہت بلند درجے کی کتابیں ہیں اور ابن المقفع کی کلیلہ و دمنہ بھی بے مثال کتاب ہے۔

نبی کریمؐ کی یہ وصیت آج جامعات اور لاتعداد تربیتی اداروں کی بنیاد قرار پائی ہے اور بڑی بڑی تعلیم گاہوں میں تعلقات عامہ (Public Relation) اور عوامی برتاؤ (Public Dealing) سکھانے کے شعبے باقاعدہ کام کر رہے ہیں، سرکاری وظائف اختیار کر لینے کے بعد بھی افسران بالخصوص انتظامی مناصب پر فائز عہدیداران کو اس نوعیت کے مختلف طویل و مختصر نصابات پڑھائے جاتے ہیں۔ عوامی روابط رکھنے والے تمام بڑے محکموں اور نیم سرکاری اداروں میں ایک خصوصی شعبہ فقط عوام الناس کو مطمئن کرنے اور اُن کے استفسارات کا جواب دینے کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔

سماجیات (Social Science) کا یہ پہلو اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ ماحول، علاقے اور بود و باش کے لحاظ سے انسانی مزاج اور عقلی صلاحیت میں بڑا فرق پایا جاتا ہے ان سب نزاکتوں کا خیال رکھنا درحقیقت بڑا لطیف فن ہے اس میں انسانوں سے صرف گفتگو ہی نہیں، بلکہ ان کے ساتھ برتا جانے والا پورا رویہ بھی اس میں شامل ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں بھی اس جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ہمیں رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق مقام دیں۔

(سنن ابوداؤد: ۴۸۴۴، مکارم الاخلاق، از: خرائطی۔ ۴۶)

وقت کی حقیقت اور مینجمنٹ

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَۃُ وَالْفَرَاغُ. (صحیح بخاری: ۶۴۱۲، کتاب الامثال، از: ابی الشیخ۔ ۱۶۹)

Marfat.com

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: دو نعمتوں کے متعلق لوگ دھوکے میں مبتلا ہیں، ایک حالتِ صحت اور دوسرا وقتِ فراغت''۔

شب و روز کا بیتنا اور شام و سحر کی گردش تو تخلیقِ کائنات سے جاری ہے اور تا قیامِ قیامت یہ سلسلہ یونہی رواں رہے گا۔ زندگی میں روزمرہ واقعات اور حادثات بھی پیش آرہے ہیں، کبھی خوشی کا کوئی سبب موجود ہوتا ہے اور کبھی غائب۔ اسی طرح ایامِ غم بھی گزر جاتے ہیں، غرض اس کارخانہ ہستی میں کسی حالت کو قرار اور استقلال حاصل نہیں ہے، مگر یہ واقعات کیا چیز ہیں اور یہ حوادثِ زمانہ کیونکر واقع ہوتے ہیں پھر ان کی مختلف حالتوں کا تغیر کیسے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن پر فلاسفہ طویل عرصے تک غور و فکر کرتے رہے، مگر کوئی محکم بات سمجھ میں نہیں آئی کسی نے ایک چیز کو متحرک اور دوسری کو جامد قرار دیا تو کسی نے اس کے برعکس کسی نے وقت کو قابل گرفت سمجھا اور کسی نے آزاد اور غیر محدود گردانا اور کسی نے وقت کا وجود تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ غالباً پہلی مرتبہ آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت میں وقت کو ایک غیر جامد اور متحرک شے بتایا گیا پھر نیوٹن کے نظریات میں لوگوں تک یہ علم پہنچا کہ وقت ایک مستقل بالذات شے ہے اور ہر حرکت کے قانون کی بنیادی صفت ہے۔ (فلسفہ سائنس اور کائنات، ص ۱۶۰)

تاریخ کے صفحات میں تلاشِ وقت کے سلسلے میں فلاسفہ کی جدوجہد کی داستان پڑھنے کے بعد احادیثِ نبویہ کا مطالعہ فرمائیں تو عقل و دانش کے ان پیکروں پر رحم آتا ہے کہ تعلیماتِ وحی کے انکار نے ان کو کس صعوبت سے دوچار کر دیا ہے اور حدیثِ نبوی کے الفاظ کتنی سادگی اور علمی وقار کے ساتھ وقت کی حقیقت سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔ زندگی کی مختلف حالتیں اور حوادثِ زمانہ سب کے سب وقت کے تحرک سے مربوط ہیں اور خود وقت ایک محدود زمانی عرصے پر محیط شے ہے جو بتدریج کم ہو رہا ہے، دنیا میں محض حالات و کیفیات نہیں گزرتیں بلکہ ان کے ساتھ وقت بھی گزرتا ہے اور وہ ہر گزرنے والی چیز کی اکائی ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور حدیث کے الفاظ سے ایمان تازہ کیجیے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی پاکؐ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے ایک صحابی سے

Marfat.com

فرمایا: پانچ اشیا کو پانچ حالتوں سے پہلے غنیمت جانو۔ اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے۔ اپنی صحت کو اپنی بیمار سے پہلے۔ اپنی تونگری کو اپنے فقر سے پہلے۔ اپنی فراغت کو اپنی مصروفیت سے پہلے۔ اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۴۳۱۹، سنن کبری، از: امام نسائی۔۱۱۸۳۲)

اوپر مذکور پہلی حدیث میں بھی صحت و فراغت کی حالت میں لوگوں کی فریب زدگی کا مفہوم اب واضح ہو جاتا ہے یقیناً وہی لوگ دھوکے میں مبتلا ہیں جو وقت کی حقیقت کو نہیں جانتے، بطور ایک قیمتی سرمایہ اس کی قدر نہیں کرتے پھر جب گزرتا وقت موت کی دہلیز تک پہنچتا ہے تو پکار اٹھتے ہیں:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ o لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا... (المومنون:۹۸۔۹۹)

''اے میرے رب مجھے میرے عہد رفتہ میں لوٹا دے، تا کہ میں نیک اعمال کر سکوں، اب ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا''۔

ذاتی تنظیم کے اثرات (Management)

عَنْ وُابِصَةَ بْنِ مَعْبَدَ الْجُهَنِیؓ قَالَ: جِئْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَسْاَلُہٗ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ فَقَالَ جِئْتُ تَسْاَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ؟ فَقُلْتُ وِالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَاجِئْتُ اَسْاَلُکَ عَنْ غَیْرِہٖ، فَقَالَ: اَلْبِرُّ مَا انْشَرَحَ لَہٗ صَدْرُکَ (مَااطْمَأَنَّتْ اِلَیْہِ النَّفْسُ) وَالْاِثْمُ مَاحَاکَ فِیْ نَفْسِکَ وَتَرَدَّدَ فِی الصَّدْرِ (وَکَرِھْتَ اَنْ یَطَّلِعَ عَلَیْہِ النَّاسُ) وَاِنْ اَفْتَاکَ النَّاسُ وَاَفْتَوْکَ۔ (سنن دارمی:۲۵۳۳، مسند احمد:۱۷۹۹۹)

''حضرت وابصہ بن معبد جہنیؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کے پاس برائی اور اچھائی کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے آیا، آپؐ نے فرمایا: اچھائی اور برائی کا پوچھنا چاہتے ہو، عرض کیا: بخدا کسی اور کام سے نہیں آیا ہوں، آپؐ نے ارشاد فرمایا: اچھائی وہ ہے جس پر تمہیں شرح صدر اور دل مطمئن ہو جائے اور

Marfat.com

برائی وہ ہے جو تمہارے دل میں بے چینی اور سینے میں تردد پیدا کرے اور اس پر لوگوں کا باخبر ہونا تمہیں اچھا نہ لگے، لوگ خواہ تمہیں کچھ بھی فتوی دیتے رہیں"۔

زندگی میں کامیابی و کامرانی ہر کسی کی چاہت ہوتی ہے اور ناکامی و نامرادی کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا، مگر اس منزل تک پہنچنے کے لیے ہر قدم پر درست فیصلے اور ٹھیک انتظام کی ضرورت ہوتی ہے جس سے دل و دماغ مطمئن ہوں، ورنہ نیم دلی اور تذبذب خسارے سے دوچار کر سکتے ہیں۔

یہ حدیثِ مبارکہ عام طور پر نیکی اور گناہ کی شناخت کے ضمن میں پیش کی جاتی ہے۔ حدیث کا یہ مفہوم بلاشبہ اپنی جگہ پر قائم ہے، تاہم کلامِ نبوی کی وسعت مزید معانی کا احاطہ بھی کر سکتی ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے "اثم" ہر قسم کی غلطی، نقصان اور خسارے پر محیط لفظ ہے اور "بر" ہر طرح کی اچھائی، کامیابی اور منفعت کے لیے بولا جا سکتا ہے۔

فائدے کی تمنا اور نقصان سے بچنے کی خواہش انسان کے ساتھ ہمیشہ سے ہی رہی ہے، لیکن موجودہ تیز رفتار، منظم اور مشینی دنیا میں اس کی منصوبہ بندی زیادہ اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ وقت، سرمایہ، میسر قوت و توانائی اور انسانی استعداد کا درست اور بہترین استعمال آج کی دنیا کا اعلیٰ ہدف قرار پایا ہے، اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے متعدد پیشہ ورانہ کورسز اور تربیتی مراحل تشکیل دیے گئے ہیں۔ حدیث بالا کی جامعیت اتنی ہمہ گیر ہے کہ آج اس نوعیت کا کوئی بھی نصاب اس میں موجود رہنمائی اور نصیحت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ دل کے تردد اور فکر و خیال کے تذبذب کے ساتھ کوئی تعمیری و تخلیقی منصوبہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا، جبکہ یکسوئی اور اطمینان قلب انسانی صلاحیتوں کو جلا بخشتے ہیں اور کامیابی کے دروازے کھولتے ہیں۔ چنانچہ ہر شعبہ ایسے بندوبست اور انتظام نیز اس طرح کے بروقت فیصلوں کا تقاضا کرتا ہے جس سے دلجمعی اور اطمینان خاطر حاصل ہو اور تذبذب کا خاتمہ ہو۔

کھانے میں برکت کا حصول

عَنْ اَسْمَاءَؓ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: لَايُؤْكَلُ طَعَامٌ حَتّٰى يَذْهَبَ

Marfat.com

بُخَارُهُ وَقَالَ اِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْبَرَکَةِ. (الآداب، از: امام بیہقی۔ ۴۲۸، سنن البیہقی۔ ۱۴۴۰۸)

''حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی پاک کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کھانا اس وقت کھایا جائے جب اُس کی حدّت ختم ہو چکی ہو، آپؐ نے مزید فرمایا: کہ یہ طریقہ برکت کے لیے بہت اعلیٰ ہے''۔

الفاظِ حدیث میں کھانے کے آداب میں ایک بہت اہم پہلو کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، جس کا عام طور پر خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ اکثر اوقات اس کے برخلاف ہی عمل ہوتا ہے۔ تمام عقلاء کے نزدیک کھانا کھانے کا اصل مقصد بدن کی قوتوں کو برقرار رکھنے اور اس کی فعالیت کو رواں دواں اور قائم رکھنا ہے، تاکہ انسان اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت بجا لانے اور وظائفِ حیات ادا کرنے کے قابل رہے۔ یہ مقصد جس عمل سے بھی فوت اور ضائع ہو رہا ہو اس سے شریعت میں منع کر دیا گیا ہے۔ ان ممنوع امور میں طبی و سائنسی اور تجرباتی وجوہات بھی شامل ہیں جو تھوڑے سے غور و فکر سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ زیرِ نظر حدیث میں گرم کھانا نہ کھانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے بالکل ٹھنڈا کر کے کھایا جائے بلکہ اصل ممانعت اس کے شدید گرم حالت میں کھانے سے ہے، جب زبان اور ہاتھ اس کی تپش اور حدّت باآسانی برداشت نہ کر سکیں۔ عام تجربہ یہ بتاتا ہے کہ تندور یا توے سے اترتی ہوئی گرم گرم روٹیاں بہت زیادہ کھائی جاتی ہیں، یہی حال دوسری اشیا کا ہے فوری طور پر اس کا احساس اس لیے بھی نہیں ہوتا کہ بخارات چھوڑتی ہوئی گرم چیزیں سائنسی اصول کے مطابق وزن میں ہلکی ہو جاتی ہیں، گویا یہ ممانعت اس حکمت کے بموجب ہے کہ ایسی صورت میں کہیں غیر محسوس طور پر ضرورت سے زائد نہ کھا لیا جائے اور بعد میں یہ بسیار خوری بدن میں قوت پہنچانے کے بجائے خود جان کو آ جائے۔

معتدل گرم کھانے کو حدیث میں برکت کے اعلیٰ مقام پر اسی لیے بتایا گیا ہے کہ اس طرح کا کھانا بالعموم ضرورت سے زائد نہیں کھایا جا سکتا، نتیجتاً اعتدال اور توازن کے ساتھ کھانا بدن کو ناکارہ بنانے کے بجائے اسے چُست و ہوشیار بناتا ہے اعضا کو قوت دیتا ہے اور عملِ انہضام پر بوجھ نہیں بنتا۔ اگر پیٹ بھی بھر جائے اور بدن بھی تندرست رہے تو اس سے

Marfat.com

بڑی کسی نعمت اور برکت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ سرورِ کونین حضرت محمدؐ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''تم میں سے جو صبح کو تازہ دم بیدار ہوا اور اس کا بدن بھی صحیح سالم تھا اور اُس کے پاس اس دن کا کھانا بھی موجود تھا تو گویا اس کے لیے پورے جہان کی نعمتیں سمیٹ دی گئی ہیں''۔ (سنن ترمذی:۲۳۴۷)

عمومی تباہی کے اسلحے (Wappen of Mass Destruction)

عَنْ اَبِی هرَیرۃؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: لَاتَقُوْمُ السَاعَةُ حَتّٰی یُکْثِرُ الْھَرَجُ قَالُوْا وَمَا الْھَرَجُ یَارَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ اَلْقَتْلُ اَلْقَتْلُ. (صحیح بخاری:۱۰۳۶)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک ہرج بڑھ نہ جائے، لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہؐ ہرج کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ قتل ہے''۔

چشمِ انسانی نے پہلا قتل حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کا دیکھا تھا، جسے خود اسی کے سگے بھائی قابیل نے ہلاک کر دیا تھا۔ پھر اس کے بعد انسانی زندگی قتل کی وارداتوں سے مبرا نہیں ہوسکی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قدیم زمانوں میں بھی ہزاروں لاکھوں انسانوں کو جنگوں اور غارت گری کے دوران تہہ و تیغ کیا جاتا رہا، مگر پھر بھی اس وقت کے آلاتِ قتل محنت طلب اور نسبتاً سست رفتار تھے، ان میں دفعتاً سیکڑوں ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی وہ صلاحیت نہیں تھی جو آجکل کے جدید اسلحے، گولہ بارود اور جوہری بموں میں پائی جاتی ہے۔ تیر و تفنگ اور نیزہ و خنجر کے مقابلے میں آٹو میٹک رائفلوں، راکٹ و میزائل کی تباہ کاری بہت شدید اور ہولناک ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں قیامت سے پہلے قتل کی کثرت میں یقینی طور پر ہلاکت کے وہ ذرائع بھی شامل ہیں جن کی طرف گزشتہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کرۂ ارض کے مختلف خطوں میں آج جس تیزی اور سفاکی سے انسانی لاشے گرائے جارہے ہیں اس میں بنیادی سہولت انھی ذرائع نے فراہم کر دی ہے، جن کی بدولت یکبارگی اور محض چند ثانیوں میں سیکڑوں

Marfat.com

انسانوں کو زندگی سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرتؐ کی اس پیشگوئی کا مفہوم ماضی کے مقابلے میں آج زیادہ واضح ہوگیا ہے۔

عسکری طاقت کا معیار

عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ اَلا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ ثَلاثًا. (صحیح مسلم:۱۹۱۷، سنن ابوداؤد:۲۵۱۶)

''حضرت عطیہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو سنا، آپؐ فرمارہے تھے: سنو! قوت دراصل پھینکنا ہے، آپؐ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی''۔

اس حدیث میں بہت واضح طور پر رسول اللہؐ نے حربی اور جنگی صلاحیت کا ایک ایسا مستقل معیار متعارف کرایا ہے، جس کے متعلق اُس وقت یہ گمان کرنا مشکل تھا کہ آنے والے زمانے میں صنعت وحرفت اور سائنسی ٹیکنالوجی کی ترقی کے باوجود بھی عسکری استعداد کا یہ معیار یونہی برقرار رہے گا۔ جنگی قوت پہلے نیزہ پھینکنے اور تیراندازی کی مہارت پر منحصر تھی اور آج بھی اقدامی یا دفاعی طاقت کا دارومدار اسی بات پر قائم ہے کہ آپ کے پاس کس قدر دور تک پہنچنے والے راکٹ اور میزائل موجود ہیں، آج دنیا میں بڑی طاقتیں بین البراعظمی میزائل سازی میں ایک دوسرے سے مقابلہ کررہی ہیں، اگرچہ جوہری بم کی تخلیق آج کل اعلیٰ ترین جنگی صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے مگر اس اعتبار سے یہ اسلحہ اس وقت تک بیکار ہے جب تک آپ کے پاس اس بم کو ہزاروں میل دور اپنے ہدف تک پہنچانے کی صلاحیت نہ ہو، چنانچہ اصل قوت اسلحہ سازی نہیں بلکہ اسے پھینکنے کی طاقت ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے جس قوت کو بہم پہنچانے کا حکم دیا ہے اس کی جو تشریح نبی اُمّیؐ نے فرمادی ہے وہ نہ صرف ڈیڑھ ہزار سال پہلے بھی فنی معیار کی حامل تھی بلکہ آج اور کل بھی اعلیٰ سائنٹفک درجے پر فائز رہے گی۔ ہر زمانے میں انسان کی توجہ اسی جانب رہی ہے تبھی یہ ممکن ہوا کہ تیراندازی نے بندوق رائفل مشین گن توپ اور راکٹ لانچر کی صورت اختیار کرلی میدانِ جنگ عسکری پیمانوں سے اُسی کے ہاتھ رہتا ہے جس کے

Marfat.com

پاس گولی چلانے اور گولہ پھینکنے کی بہترین صلاحیت ہوتی ہے۔

زرعی پیداوار کی کثرت

عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: لَا تَدَّخِرُ الْاَرْضُ مِنْ نَبَاتِهَا شَیْئاً اِلَّا اَخْرَجَتْهُ. (مستدرک از: امام حاکم۔۸۵۵۸، شرح السنۃ: ۴۲۸۰)

''حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا زمین اپنی پیداوار میں سے کچھ بھی بچا کر نہ رکھے گی سب کچھ اُگا دے گی''۔

یہ حدیث دراصل حضرت امام مہدیؒ کی آمد کے موقع پر حوادث اور واقعات کی تفصیل بیان کرتی ہے مذکورہ بالا جملہ اس کا ایک ٹکڑا ہے جس میں رسول اللہؐ نے زمین کی پیداوار بڑھ جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت امام مہدی کی آمد کا یقینی علم تو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے البتہ اندازہ ہوتا ہے کہ جو حالات اس وقت اپنے عروج پر ہوں گے ان کی شروعات ہو چکی ہیں، ان سارے واقعات کی تفصیلات پر غور کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ اس وقت ٹیکنالوجی آج کے مقابلے میں بہت زیادہ ترقی یافتہ ہوگی اور کئی شعبہ ہائے حیات اس سے مستفید ہو رہے ہوں گے۔ حدیث کے جملے میں زراعت کی حیرت انگیز ترقی کی طرف اشارہ ہے، آجکل زرعی آلات، کیمیائی کھادیں، فصلوں کے بیجوں پر تحقیق اور لیزر لیولنگ کے ذریعے زمین کی قوتِ نبات میں خاصا اضافہ ہو چکا ہے اور فی ایکڑ پیداوار بھی بڑھ چکی ہے بعض پھلوں اور سبزیوں کے حجم میں بھی غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ صورتحال بھی دیکھی گئی ہے کہ دواؤں اور کھادوں کے ذریعے غیر معمولی پیداوار دینے کے بعد کئی زمینیں بالآخر اپنی پیداواری قوت سے خالی ہو جاتی ہیں اور انہیں دوبارہ بحالی کے لیے مناسب وقفے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی تکنیک بھی ایجاد کر لی گئی ہے جس سے ناقابل کاشت زمین کو بھی کارآمد بنایا جا رہا ہے اور زرعی رقبہ بتدریج وسعت اختیار کر رہا ہے۔ آج ان عوامل کو دیکھ کر یہ کہنا آسان لگتا ہے کہ امام مہدی کی آمد تک یہ مزید ترقی یافتہ اور جدید انداز اختیار کر لیں گے۔ ایک اور حدیث میں اس زمانے کی زرعی پیش رفت کا منظر زیادہ

Marfat.com

تعجب انگیز ہے۔ حضرت نواس بن سمعانؓ روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریمؐ نے فرمایا: اُس دن ایک انار کو لوگوں کا ایک گروہ مل کر کھائے گا اور وہ اس کے چھلکے تلے سایہ حاصل کریں گے، دودھ میں اتنی برکت ہو جائے گی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پوری جماعت کے لیے کافی ہو جائے گا اور ایک گائے کا دودھ پورے قبیلے کے لیے اور ایک بکری پورے گھرانے کو دودھ فراہم کرے گی۔ (صحیح مسلم:۲۲۵۰، سنن ترمذی:۲۲۴۰)

اس حدیث میں بیان کردہ مظاہر کی معمولی جھلک آج کل بھی گاہے بگاہے نظر آجاتی ہے، مگر تا حال یہ شاذ و نادر کے زمرے میں ہے۔

حرمتِ ابریشم کی سائنسی حکمت

عَنْ اَبِی مُوْسٰی الْاَشْعَرِیؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهِ اَحَلَّ لِاِنَاثِ اُمَّتِیْ الْحَرِیْرَ وَالذَّهَبَ وَحَرَّمَهٗ عَلٰی ذُکُوْرِهَا وَفِیْ لِفْظٍ: حُرِّمَ لِبَاسَ الْحَرِیْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰی ذُکُوْرِ اُمَّتِیْ وَاُحِلَّ لِاِنَاثِهِمْ. (مصنف عبدالرزاق:۱۹۹۳۰، سنن ترمذی:۱۷۲۰)

''حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ریشم اور سونا میری امت کی عورتوں پر حلال کر دیا ہے اور یہ دونوں مردوں پر حرام ہیں، ایک موقع پر فرمایا: ریشم اور سونے کا لباس میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں پر حلال قرار دیا گیا ہے''۔

علماء نے مَردوں پر ریشم کی حرمت کے چند معنوی اور روحانی اسباب ذکر کیے ہیں، جن میں فخر و تکبر اور صبر و آزمائش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تاہم ہماری توجہ سائنسی اسباب و علل پر منحصر ہے۔ اشیا کے مزاج اور خاصیتوں پر تحقیق کرنے والے ماہرین کی رائے ہے کہ ریشم اپنی لطافت اور ملائمت کے باعث عورتوں کے مزاج سے بہت موافق ہے، اسے پہننے والے مَردوں پر بھی اس کے ان خواص کا اثر طبیعت میں نزاکت اور ناز و ادا کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ صفت مردانگی کے سراسر خلاف ہے اور عرفِ عام میں یہ ''زنانہ پن'' یا مخنث ہونا کہلاتا ہے۔ ریشم کے چھونے اور مسلسل بدن سے لگتے رہنے کے نتیجے میں ''رجولیّت'' کے

Marfat.com

بجائے ''اُنوثیت'' کے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ شریعت میں ریشم کی حرمت کی فطری وجوہات قابل فہم معلوم ہوتی ہیں، اس سے یہ ادراک بھی حاصل ہوتا ہے کہ احکامِ شرعی انسانی فطرت اور نفسیات کا کس قدر گہرائی تک احساس رکھتے ہیں اور ہر غیر فطری چیز سے انسانوں کو تحفظ کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔

(دیکھیے: زاد المعاد، از: ابن القیم، ج ۴/ ۸۰۔ جنس اور زندگی، ص ۱۴۳۔ المفردات، از: حکیم مظفر حسین، ص ۶۴)

معدنی تیل (Black Gold)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: یُوْشَکُ الْفُرَاتُ یَحْسِرُ عَنْ کَنْزٍ مِّنْ ذَهَبٍ. فَاِذَا سَمِعَ النَّاسُ سَارُوْا اِلَیْهِ فَیَقُوْلُ مَنْ عِنْدَهُ لَئِنْ تَرَکْنَا النَّاسَ یَاْخُذُوْنَ مِنْهُ لَیَذْهَبَنَّ بِهِ کُلِّهِ، قَالَ: فَیَقْتَتِلُوْنَ عَلَیْهِ (صحیح بخاری: ۷۱۱۹، صحیح مسلم: ۲۸۹۴)

''حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریمؐ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: عنقریب وادی فرات سونے کا ایک خزانہ ظاہر کرے گی، جب لوگوں کو پتا چلے گا تو وہ اس کی طرف چل پڑیں گے جس کا یہ خزانہ ہوگا وہ کہے گا کہ اگر ہم نے لوگوں کو یونہی چھوڑ دیا تو وہ یہ سارا خزانہ لے جائیں گے، آپؐ نے فرمایا: تب اس پر وہ لوگ لڑ پڑیں گے''۔

گزشتہ تین چار دہائیوں میں دریائے فرات کی وسیع و عریض وادی میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں اس حدیث کی روشنی میں ان کا تجزیہ کریں تو اس پیش بینی اور ان ظہور پذیر حوادث میں سر مو فرق دکھائی نہیں دیتا۔ عالمی طاقتوں نے جس طرح عراق کے سیال سونے یا Black Gold پر ہاتھ صاف کرنے اور قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ حدیث کے الفاظ کے عین مطابق ہے، اسی بنا پر یہ خطہ گزشتہ تیس سالوں میں تین مرتبہ بین الاقوامی جنگی معرکوں کی آماجگاہ بنا اور آج تک قبضے کی یہ جنگ کسی نہ کسی طرح جاری ہے۔ الفاظِ حدیث میں جس دولت کو سونے کا خزانہ یا بعض احادیث میں سونے کا پہاڑ کہا گیا ہے وہ دراصل تیل کی وہ معدنی دولت ہے جسے حیرت انگیز طور پر آج بھی ''سونا'' ہی کہا جاتا ہے اور محدثین کے نزدیک پہاڑ

Marfat.com

کا ذکر اس کے عظیم الشان ذخیرے کی مقدار کو ظاہر کرتا ہے۔ (عون المعبود، ۱۱/ ۲۹۵)

اور دنیا میں تیل کے بڑے ذخائر رکھنے میں عراق پہلے دو تین ملکوں میں شامل ہے۔

صنعت اور فنون

عَنْ حُذَیْفَۃَؓ الیَمَانِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اِنَّ مِنْ اِقْتِرَابِ السَّاعَۃِ... حُلِّیَتِ الْمَصَاحِفُ وَزُخْرُفَتِ الْمَسَاجِدُ وَطُوِّلَتِ الْمَنَائِرِ وَتُشْبِہُ الرِّجَالُ بِالنِّسَاءِ وَالنِّسَاءُ بِالرِّجَالِ.

(السنن الواردۃ فی الفتن: ۴۲۸، حلیۃ الاولیاء، ۳/ ۳۵۸)

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ: اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَبْنِیَ النَّاسُ بُیُوْتاً یُوْشُوْنَھَا وَشْیَ الْمَرَاحِیْلِ. (الادب المفرد: ۷۷۷)

''حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں، آنحضرتؐ نے فرمایا: قیامت کے قریب (جو حالات پیش آئیں گے اُن میں یہ ہوگا کہ) کتابیں خوب بنائی سنواری جائیں گی اور مساجد مزین کی جائیں گی۔ مینار اونچے اور بلند بنائے جائیں گے۔ مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کریں گے اور عورتیں مردوں جیسا بننے کی کوشش کریں گے''۔

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک لوگ اپنے گھروں پر ایسے نقش و نگار نہ بنائیں جیسے کپڑوں پر بنائے جاتے ہیں''۔

یہ دونوں حدیثیں قربِ قیامت کی نبوی پیشگوئیوں کا ایک حصہ ہیں، ہم نے اپنے موضوع کی مناسبت سے مختصر جملے نقل کیے ہیں، البتہ علاماتِ قیامت کی شناخت و معرفت کے لیے پوری حدیث لائق مطالعہ ہے۔ ان مذکورہ عبارتوں میں قیامت کے نزدیک چند ایسی علامتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق صنعت و حرفت کے بعض شعبوں کی سائنسی ترقی کے ساتھ ہے۔ پہلی ترکیب طباعت (Printing) اور دوسری اور تیسری فنِ تعمیر کی جدت اور عروج

Marfat.com

کو ظاہر کرتی ہیں، ایک ایسے زمانے میں جب کاغذ بھی تقریباً ناپید تھا اور طرزِ تعمیر مٹی گارے کے ساتھ نہایت سادہ ہوا کرتا تھا، آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ مصاحف یعنی قرآن مجید سمیت دیگر کتب کو پھولوں جیسے نقوش سے مزین کیا جائے گا، نیز مساجد کی تعمیر میں سحر انگیز نگار و آرائش کے فن کو برتا جائے گا، یقینی طور پر ان فنون کی سائنسی پیش رفت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حدیثِ مبارکہ کا آخری جملہ حیرت ناک انداز میں ایک ایسی صنعت کا انکشاف کر رہا ہے جسے آج کل دنیا بیوٹی پارلر اور فیشن انڈسٹری کے نام سے جانتی ہے، اس شعبے میں یہ بناوٹ بہت عام ہے کہ مرد عورتوں کی مانند اور عورتیں مردوں جیسا رنگ و روپ اختیار کر لیتے ہیں، بلکہ اس صنعت کا ایک شعبہ کاسمیٹک سرجری بنیادی طور پر اسی خلافِ فطرت مشابہت کو کامل بنانے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔

دوسری حدیث میں بھی گھروں کی دلکشی اور دیدہ زیب تعمیر اور ان کے اوپر خوبصورت پھول پتیوں جیسی آرائش و زیبائش کی طرف اشارہ ہے۔ عربوں کی بدویانہ معاشرت اور صحرا میں جھونپڑی و خیمے کے ماحول میں ایسے حسین گھروں کا تذکرہ فنِ تعمیر کے تکنیکی کمال کو ظاہر کر رہا ہے، جو آج اپنے جوبن پر نظر آتا ہے۔

کرّۂ ارض کی بنیاد

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اَوَّلَ بُقْعَةٍ وُضِعَتْ فِي الْاَرْضِ مَوْضِعُ الْبَيْتِ ثُمَّ مُدَّتْ مِنْهَا الْاَرْض. (شعب الایمان، از: امام بیہقی۔ ۳۶۹۷)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: زمین پر سب سے پہلے بیت اللہ کا مقام تخلیق کیا گیا، پھر یہیں سے پوری زمین کو پھیلا دیا گیا''۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے مطابق صحابہ و تابعین کے اپنے اقوال بھی کثیر تعداد میں منقول ہیں، مفسرین نے بھی ''مکہ'' اور ''ام القریٰ'' کی وجہ تسمیہ میں اسی مناسبت کا ذکر کیا ہے، اُن کے نزدیک بیت اللہ وسط ارض میں واقع ہے۔ یہ بات عرفِ عام میں تو معروف تھی

Marfat.com

تاہم اس کی کوئی علمی تحقیق جغرافیہ اور علم الارض کی رُو سے سامنے نہیں آئی تھی، زمینی ساخت کے تازہ ترین مطالعوں میں اب یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ کعبۃ اللہ کی مثال زمین میں بالکل ویسی ہے جیسے بدنِ انسانی میں ناف کی حیثیت ہے، زمین کا مرکز بیت اللہ قرار پاتا ہے اور پوری زمین کو اسی مقام سے بڑھایا گیا ہے۔ (دیکھیے: مجلۃ البحوث الاسلامیہ ۲/۲۹۲ مقالہ اسقاط الکرۃ الارضیۃ، از: ڈاکٹر حسین کمال الدین احمد۔ نیز مقالہ Wikipedia-Sait Kaba)

کلوننگ کا تصور

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ. (صحیح بخاری: ۳۳۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۶۸)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو، کیونکہ اُن کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی کا اوپری والا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے، چنانچہ عورتوں سے حسنِ سلوک کرو''۔

یہ حدیث تخلیقِ زن کی کہانی بیان کر رہی ہے، تاہم اس وقت عورتوں کی فطرت ونفسیات کے مباحث ہمارے پیشِ نظر نہیں ہیں۔ البتہ اس کی تخلیق کا جو منظر اس حدیث میں دکھایا گیا ہے، اس کی تمام تر تفاصیل اور مراحل کا علم صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ لیکن موجودہ سائنسی دریافتوں کے تناظر میں اس حدیثِ مبارکہ کو پڑھتے ہی ذہن میں کلوننگ (Cloning) کا تصور ابھرتا ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ ''کن فیکون'' پر قادر ذات ہے، مگر کائنات میں جاری اس کے تکوینی قوانین کسی بھی تخلیق کے لیے فطرتاً جن مراحل سے گزرتے ہیں اُن کے پیشِ نظر تخلیقِ زن میں کلوننگ کے اصول کی کارفرمائی بعید از قیاس نہیں۔ یہ اصول بھی انسان کا نہیں بلکہ خالقِ کائنات کا ہی وضع کردہ ہے۔ کلوننگ اب تک غالباً محض نقل (Copy) کی تیاری تک محدود ہے، اماں حوا کی حضرت آدمؑ سے تخلیق اگرچہ نقل سے بہت آگے کی چیز ہے، تاہم اصولِ تخلیق میں اس کی کلوننگ سے ایک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ دراصل اللہ نے اپنی صنعتِ تخلیق کے جو مختلف مظاہر متعارف کرائے ہیں کلوننگ بھی اُن میں سے ایک

Marfat.com

مظہر ہے، جس کا اوپر کی سطور میں ذکر کیا گیا ہے ہماری اس تعبیر کا خطا و صواب ہونا ممکن ہے، یہ حرفِ آخر نہیں، حیوانی خلیات پر تحقیق کے نتیجے میں اب تک کلوننگ کی جو اشکال سامنے آئی ہیں ان میں بہت سارے مسائل رکاوٹیں اور مراحل موجود ہیں، جبکہ اللہ کی صنعت بالکلیہ ان سے مبرا ہے۔ پسلی سے عورت کی تخلیق کا قریب ترین تصور ہمارے سامنے صرف کلوننگ کی شکل میں ہی موجود ہے، وگرنہ اللہ کی تخلیق معیار اور طریق کار کے لحاظ نہایت اعلیٰ درجے کی چیز ہے اور انسان کبھی بھی اس قابل نہیں ہوسکتا کہ اُس کا مقابلہ کر سکے۔

یاد رہے کہ کلوننگ کے ذریعے سب سے پہلا جانور ۱۹۵۲ء میں ایک مینڈک تیار کیا گیا تھا۔ پھر ۱۹۹۷ء میں ڈولی نامی ایک بھیڑ تیار کی گئی تھی۔ (ایجادات کی تاریخ، ص ۴۷)

اس ذریعہ سے انسان کی تخلیق ممکن ہونے کے باوجود کئی نزاعات کی وجہ سے تاحال ایسا نہیں کیا گیا۔ البتہ گائے بکری اور خنزیر غذائی ضرورت پوری کرنے کے لیے پیدا کیے جارہے ہیں۔ (روزنامہ دنیا، ص ۱۵، ۷/ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

کلوننگ کی موجودہ دریافت تاحال صرف اصل کی نقل یا اس کے بعینہ مماثل وجود تک محدود ہے، یہ صورت نہ تو اماں حوا کی تخلیق میں نظر آتی ہے اور نہ ہی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش میں اصل کی شبیہ والا نتیجہ دکھائی دیتا ہے۔ اس اعتبار سے ہمارا اشارہ فقط کلوننگ کے اس تصور کی جانب ہے جس میں بظاہر معروف طبعی طریقے سے ذرا مختلف انداز میں تخلیقی عمل انجام پاتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے لیے یہ عین ممکن ہے کہ اس میں تغیر و ترقی کے ذریعے کچھ بھی پیدا فرما دے۔ واللہ اعلم

دورانِ خون (Blood Circulation)

عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِؓ قَالَ: اِنَّ صَفِیَّةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِی مِنْ اِبْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ.

(صحیح بخاری: ۲۰۳۸، مسند امام رویانی: ۱۳۹۵)

”حضرت علی بن حسین کہتے ہیں حضرت صفیہؓ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہؐ نے

Marfat.com

فرمایا: شیطان انسان میں بالکل ایسے سرایت کر جاتا ہے جس طرح (انسانی بدن میں) خون چلتا ہے''۔

جسم میں خون کی گردش بظاہر ایک معلوم سی بات لگتی ہے اور حدیث میں بھی اس بات کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ عموماً اس چیز کی مثال دی جاتی ہے جو معروف ہو اور جسے سنتے ہی لوگ اصل بات سمجھ جائیں۔ مگر یہ بات حیرت کا موجب ہے کہ مغربی اطباء اور ماہرین اس حقیقت سے بے خبر تھے، دورانِ خون کی تحقیق اور دریافت علم تشریح بدن کی ترقی کے بعد تیرہویں صدی عیسوی میں سامنے آئی جب ایک مسلمان طبیب ابن نفیس نے اس کا انکشاف کیا ۱۵۵۲ء میں Michelle Servetus نے مغربی دنیا کو اس سے متعارف کرایا اور ۱۶۲۸ء میں ولیم ہاروے (William Harvey) نے گردشِ خون کے نظام کو مزید تفصیلات کے ساتھ پیش کیا۔

(بائبل قرآن اور سائنس، از ڈاکٹر مورس بکائی، ص ۲۳۹ نیز مقالہ Circulatory System وکی انسائیکلوپیڈیا)

الفاظِ حدیث کی روشنی میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان اطباء اور بالخصوص عرب دورانِ خون کی اس حقیقت سے بڑی حد تک بہت پہلے سے واقف تھے، عربوں میں جسم کی مختلف رگوں کو کاٹ کر (فصد) کے ذریعے خون بہا کر علاج کیا جاتا تھا اس طرح حجامہ (سینگی لگوانا) بھی عربوں میں ایک معروف علاج تھا۔ یہ دونوں علاجی طریقے دورانِ خون کے نظام سے متعلق ہیں، بلکہ ان کی درستی کا انحصار اسی نظام کی معرفت پر قائم ہے، اسی بنا پر آنحضرتؐ کی بات پر نہ کسی نے تعجب کیا اور نہ ہی سمجھنے کے لیے کسی نے کوئی سوال پوچھا۔

معدن کی شناخت (Mineralogy)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ کَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔ (صحیح بخاری: ۳۳۸۳، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۶۴۱)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: انسانوں کی فطرت سونے چاندی (معدنیات) کی کانوں کی طرح ہوتی ہے، تم میں سے جو

Marfat.com

لوگ جاہلیت میں اچھی فطرت کے مالک تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہی رہیں گے، بشرطیکہ وہ اسلام کو سمجھ لیں''۔

اس حدیث کا مضمون انسان شناسی کی بہت اعلیٰ مثال بن سکتا ہے، لیکن ان جملوں میں زیادہ دلچسپ بات وہ حقیقت ہے جس کا تعلق فن کان کنی (Mine Engineering) یا علمِ معدنیات (Mineralogy) کے ساتھ ہے۔

حدیث میں سونے اور چاندی کا ذکر اُن کے معروف ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے اور بطور معدن ان کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے وہ ان کے معیار اور مقدار کی نوعیت کو واضح کرتی ہے، دوسری معدنیات کی حیثیت بھی اسی طرح ہے ان کی اگرچہ بہت ساری اقسام ہیں تاہم ہر قسم میں اعلیٰ اوسط وادنیٰ کی تقسیم موجود ہے۔ یہ اقسام زمین اور چٹانوں کے اندر مخصوص گہرائی اور متعین مقامات پر پائی جاتی ہیں۔ اہل معدن اور کان کن اپنے تجربے کی بنیاد پر اس درجہ بندی کو خوب پہچانتے ہیں، ہر درجے کا اپنا علاقہ اور خاص گہرائی ہے، دریافت ہونے پر ابتدائی رگوں اور شاخوں کے ذریعے اندازہ لگا لیا جاتا ہے کہ معدن کس درجے کا ہے اور اندرون زمین اس کی مقدار اور معیار میں کس قدر اضافہ ممکن ہے، نیز یہ کہ کھوٹ وغیرہ نکال کر خالص معدن کی شرح کیا ہے۔ پھر بالعموم پورے منطقے میں یہی شرح پائی جاتی ہے، اصول یہ ہے کہ زمین اپنی تاریخ میں جس طرح کی عظیم تبدیلیوں سے گزرتی ہے زمین کے اندر معدنیات بھی اسی مناسبت سے تشکیل پاتی ہیں۔ اسی بنیاد پر ہی اُن کی اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ کی تقسیم اور مقدار کی کمی بیشی وجود میں آتی ہے۔ (دیکھیے: ایجادات اور دریافتیں ۱۷۱۔۱۷۴)

کان کنی (Mining) کے جدید تجربات جو بات معادن کے بارے میں واضح کرتے ہیں، وہی بات حضور اکرمؐ نے برسوں پہلے آشکار کر دی تھی۔ آپؐ کے الفاظ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ جو معدن اپنی کوالٹی اور خوبی کو اپنی ساخت اور مقام کی بنیاد پر ثابت کر دے اُس میں تبدیلی کا امکان کم ہی ہوتا ہے، اور پوری کان اسی معیار پر ہی پائی جاتی ہے۔ انسانوں کی فطرت اور عادات وخصائل کا بھی یہی معاملہ ہے جو لوگ اپنے حسب، ونسب، خاندانی شرف اور فطری اوصاف کی بنیاد پر قبل از اسلام اچھی خوبیوں کے مالک تھے وہ لوگ قبولِ اسلام کے

Marfat.com

بعد بھی اسی معیارِ بلند پر فائز رہتے ہیں۔
حدیث میں اس جانب بھی اشارہ موجود ہے کہ جس طرح معدن کی فطرت کو نہ پہچاننے والا غلط جگہ پر کان کنی میں اپنا سارا سرمایہ برباد کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح انسانوں کو اُن کی فطرت سے منحرف کرنے والا انہیں کارآمد نہیں بناتا بلکہ درحقیقت انہیں ضائع کر دیتا ہے۔

ابلاغیات (Communication) کا اصول

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِؐ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئاً فَبَلَّغَهُ كَماسَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ.

(سنن ترمذی:۲۶۵۹،صحیح بن حبان:۷۳)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ اُس شخص کو شاد و آباد رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور جیسے سنی تھی اُسے ویسے ہی آگے پہنچا دیا، ہوسکتا ہے جسے بات پہنچائی گئی ہے وہ سننے والے کے مقابلے میں اُسے زیادہ یاد رکھے''۔

منصبِ رسالت اور فریضۂ پیغمبری کا تمام تر انحصار ابلاغیات پر مبنی ہے، یہاں تک کہ قرآن پاک میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اے پیغمبر: جو کچھ تم پر اُتر رہا ہے وہ پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا حقِ رسالت ادا نہ کیا۔ (المائدہ:۶۷)

اس بنا پر پیغمبر سے زیادہ ابلاغیات کے اصولوں کو کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اس حوالے سے صدیوں پہلے جس اہم اور بنیادی اصول کا ذکر آنحضرتؐ نے اپنی مذکورہ بالا حدیث میں فرمایا تھا آج ذرائع ابلاغ کے ماہرین اسی پر عمل پیرا ہیں اور وہ ابلاغیات کی جدید سائنس میں اس سے بہتر کوئی اصول وضع نہیں کر سکے۔

پروپیگنڈے کی صنعت ہو یا تشہیر (Publicity) کی مہم یا اشتہارات (Advertisement) کی دنیا ہو سب میں یہی ابلاغی اصول کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ایک زندہ انسان تک کسی بات کا پہنچانا ابلاغی نقطۂ نگاہ سے بہت مؤثر ہوتا ہے، کیونکہ وہ ایک

Marfat.com

ایسا متحرک اور چلتا پھرتا ذریعہ ہے جو سنی ہوئی بات کو زیادہ کارآمد لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔

حدیث بالا کا آخری جملہ اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بسا اوقات کسی سمجھ داری کی بات کو یاد رکھنے والا خود اُس بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا، نہ ہی اُس سے درست استفادہ کرسکتا ہے، مگر وہ شخص اس بات کو اپنے سے زیادہ ذہین و دانا انسان تک پہنچا دیتا ہے، اس طرح ایک ابلاغی زنجیر بنتی چلی جاتی ہے اور معلومات و تعارف کا دائرہ وسعت اختیار کرلیتا ہے۔

ایک اور موقع پر رسول اللہؐ نے چھوٹی سی بات کو بھی پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَة. (صحیح بخاری: ۳۴۶۱) ''میری بات لازماً پہنچاؤ، خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو''۔

اس جملے میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ اصل چیز کسی بات کا بڑا ہونا نہیں ہے، بلکہ اُس کا آگے پہنچا دینا فی الواقع اہمیت وافادیت کا حامل ہے۔

کرّۂ ارض کا بہترین پانی

عَنْ ابن عباسؓ عن النبیؐ قال: خير ماء على وجه الارض ماء زمزم فيه طعام من الطعم و شفاء من السقم.

(المعجم الاوسط: ۳۹۱۲، اخبار مکۃ از: امام فاکہی: ۱۱۰۶)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: روئے زمین پر سب سے اچھا پانی ''زم زم'' ہے، اس میں کھانے کی غذائیت اور بیماریوں سے شفا ہے''۔

اس حدیث کا پہلا جملہ سب سے اہم اور قابل غور ہے۔ جس میں زم زم کے پانی کو صفحہ ہستی پر سب سے بہترین پانی قرار دیا گیا ہے۔ باعثِ تعجب بات یہ ہے کہ اتنی فنی بات ایک ایسے زمانے اور ماحول میں کہی گئی جب پانی کی بہتری کو جانچنے کا کوئی تجزیاتی معیار موجود نہیں تھا۔ نہ ہی پانی کے اجزا اور ترکیب کی بنیاد پر کوئی ایسا طریقہ رائج تھا جس سے بہتر،

Marfat.com

بہترین اور ناقص کا علم ہو سکے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کلام نبوی کی علمی حیثیت اور فنی مقام واضح ہوتا گیا، آج مشرق و مغرب کی تجزیہ گاہیں گہرے مطالعے اور زم زم کے اجزائے ترکیبی کی دریافت کے بعد وہی بات کہنے پر مجبور ہیں جو صدیوں قبل اللہ کے رسولؐ نے فرمادی تھی۔

حدیث بالا میں زم زم کے متعلق دوسری دونوں باتیں درحقیقت اسی پہلی خاصیت کے ذیلی فوائد ہیں، اس پانی کی بھرپور غذائیت اور مختلف امراض سے شفایابی کی صلاحیت کے بارے میں واقعات و مشاہدات حصر و احاطے سے خارج ہیں بلکہ اُن کی تعداد تواتر کی حدود سے بھی بہت آگے ہے۔

جن حقیقی اسباب کی بنا پر زم زم کو ''بہترین پانی'' قرار دیا جاسکتا ہے وہ اس پانی کے معائناتی تجزیوں سے مختصراً یوں ثابت ہوئے ہیں۔

۱۔ اس پانی میں کوئی جراثیم (Bacteria) نہیں پایا جاتا، نہ ہی وہ اس پانی میں پنپ سکتا ہے، غالباً اس کی کیمیائی ترکیب اس کی اجازت نہیں دیتی۔

۲۔ یہ بہت سارے معروف نمکیات پر مشتمل ہونے کے باوجود میٹھا اور اس قابل ہے کہ اسے باآسانی پیا جاسکے، جبکہ اتنی مقدار میں نمکیات اگر عام پانی میں شامل کر دیے جائیں تو کڑواہٹ کے باعث اس کا پینا ناممکن ہو جائے۔

۳۔ یہ پانی باسی نہیں ہوتا، نہ ہی اس میں کوئی بساند پیدا ہوتی ہے۔ اس میں کائی وغیرہ بھی نہیں جمتی، یہ دھوپ سے بھی متاثر نہیں ہوتا، اس معاملے میں یہ شہد کی مانند پائیدار ہے۔

۴۔ اس پانی کے عناصر ترکیبی اور ان کی مقدار سو فیصدی معلوم ہو جانے کے باوجود بھی ان کے ذریعے کوئی اور معدنی پانی زمزم جیسا تیار نہیں کیا جاسکتا، اس طرح کی بعض کوششیں کی گئیں، مگر وہ سخت ناکامی سے دوچار ہوئیں، یہ معاملہ بالکل مصنوعی خون سازی جیسا ہے، خون کے اجزا معلوم ہو جانے کے باوجود آج تک ایک قطرہ خون بھی مصنوعی طرز پر نہیں بنایا جاسکا۔

۵۔ اس پانی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بلا مبالغہ ہزاروں برس سے اس کے بے پناہ

Marfat.com

استعمال کے باوجود اس کے سوتے خشک نہیں ہوئے، بلکہ ان میں دن بدن اضافہ ہی دیکھا گیا ہے۔

۶۔ یہ پانی سطح سمندر سے نیچے ہونے کے باوجود بھی آس پاس کی زمینی آلائشوں سے یکسر پاک اور صاف ہے۔

۷۔ اس کے چشمے کرۂ ارض پر ایک ایسے مقام سے پھوٹ رہے ہیں جہاں اِرد گرد زیر زمین پانی نہیں پایا جاتا، اگر کہیں دستیاب ہے تو اس کی مقدار نہایت قلیل ہے یا بہت جلد خشک ہو جاتا ہے اور بلحاظ ذائقہ پینے کے قابل نہیں۔

یہ سب اور اس جیسی کئی خصوصیات دیگر پانیوں کے مقابل آب زم زم کی برتری کو ثابت کرتی ہیں، آنے والے وقتوں میں پیغمبرِ اسلام کا متذکرہ بالا قول اور بہت سے عجائبات کو روشناس کرائے گا۔ (دیکھیے، درج ذیل عنوانات (انٹرنیٹ)، ۱۔ ماء زم زم وفوائدہ مقالہ ڈاکٹر محمد عزت مہدی ماہر ارضیات، ۲۔ عجائب ماء زم زم مقالہ: ڈاکٹر کامل عبدالصمد، ۳۔ الاعجاز العلمی فی ماء زم زم)

موجود کا غائب ہونا

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَيْسٍؓ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةٌ مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ فِيْ كُلِّ زَاوِيَةٍ مِنْهَا اَهْلٌ لِلْمُؤْمِنِ فَلَا يَرَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

(صحیح بخاری: ۳۰۷۱، مسلم: ۲۸۳۸)

”حضرت عبداللہ بن قیسؓ اپنے والد کے توسط سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے فرمایا: جنت میں ایک خیمہ (جائے رہائش) ہوگا جو ایک ہی موتی سے بنا ہوا ہوگا، اُس کے ہر گوشے میں مومن کے اہل خانہ ہوں گے مگر وہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں گے“۔

یہ حدیث جنت کے ایک خوش نما منظر کو پیش کر رہی ہے، جس میں موتی سے بنے ہوئے ایک خیمے کا تذکرہ ہے، قدرتِ الٰہی سے جنت میں ایسا ہونا کچھ بعید نہیں، تاہم محدثین کے نزدیک یہ جنت کی رہائش گاہ کی نفاست، صفائی اور جمال کے لیے ایک تمثیل بھی ہو سکتی ہے،

Marfat.com

اسی طرح اس میں ایک دوسرے کو نہ دیکھنے کی ایک علّت تو اس کی وسعت اور پھیلاؤ ہے البتہ ایسے ستر اور پردے کا بھی ذکر کیا گیا جو جنت کی حکمت وطبیعات کے مطابق ہوگا اور دیکھنے میں نظر نہیں آئے گا لیکن حجاب کا کام کرے گا۔

(فیض القدیر، از: امام مناوی ۲/۵۰۲، دلیل الفالحین، از: محمد بن علان ۸/۷۳۶)

جنت کی زندگی میں نظروں سے اوجھل ہونے کی جس خاصیت کا حدیث بالا میں تذکرہ کیا گیا ہے اس کا ادراک تو سائنس کی صلاحیت سے خارج ہے، لیکن دنیا میں تکوینی قوانین سے استفادہ کرتے ہوئے جدید سائنس نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرلیا ہے جس سے انسان سمیت تمام ٹھوس اشیا نگاہوں سے غائب ہوسکتی ہیں، گویا حدیث میں جس امکان کی خبر دی گئی ہے اُس کے ایک مشابہ شکل دنیا میں دریافت ہوچکی ہے۔

میٹا میٹریل (Meta Material) کے نام سے ایک مادّہ دریافت کرلیا گیا ہے جس کا بنا ہوا لبادہ یا چادر اوڑھ لی جائے یا کسی چیز پر ڈال دی جائے تو وہ شے نظر نہیں آتی اور روشنی کی لہریں اشیا اور بدن کے آر پار گزر جاتی ہیں۔ آج کل جہازوں، ٹینکوں اور آبدوزوں کو اس میٹریل سے ڈھانپ کر رکھا جاتا ہے۔ (انٹرویو سائنس دان ڈاکٹر عطاالرحمٰن۔ سنڈے میگزین، ص ۷۔۹، فروری ۲۰۱۴ء)

قبل ازیں "سلیمانی ٹوپی" نام کا ایک کردار برصغیر کے افسانوی ادب میں موجود رہا ہے، جسے پہن لینے والا دوسروں کو نظر نہیں آتا تھا، مگر یہ خیال وتصور اب حقیقت بن کر آموجود ہوا ہے اور اس کی اعلیٰ ترین شکل سے جنت میں اہلِ ایمان مستفید ہوں گے۔

Marfat.com

بابِ ہفتم

فلکیات

Marfat.com

ترتیب

ستاروں سے رہنمائی	۳۰۳
شہاب ثاقب	۳۰۴
علم تقویم اور شمس و قمر	۳۰۶
وقت کی حد بندی اور گھڑی کا تصور	۳۱۰
رویت قمر کی خصوصیت	۳۱۲
ستارے حیاتِ جنت کی ایک مثال	۳۱۲
سورج چاند گرہن اور نوافل کی حکمت	۳۱۳
سورج کا عرش کے نیچے سجدہ	۳۱۶
سورج کا مغرب سے طلوع ہونا	۳۱۷
ستارے اور حوادثِ زمانہ	۳۱۸

Marfat.com

فلکیات

ستاروں سے رہنمائی

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ اِذَا طَلَعَ النَّجْمُ رُفِعَتِ الْعَاهَةُ عَنْ كُلِّ بَلَدٍ. (مسند احمد: ۵۰۱۳، فوائد تمام۔۱۷۷، از: ابوالقاسم الدمشقی)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جب ستارہ (ثریا) طلوع ہو جائے تو تمام علاقوں سے وبا کا خطرہ ٹل جاتا ہے''۔

ایک اور روایت میں کہا گیا ہے کہ یہ طلوع ہونے والا ستارہ ثریا ہے۔

یہ حدیثِ مبارکہ مظاہر فطرت اور کائناتی علامات سے استفادہ و رہنمائی حاصل کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ عرب معاشرہ اپنی تمام تر جہالت کے باوجود بعض امور میں سائنس اور فطرت کے بہت قریب تھا، اُن میں علم فلکیات بھی شامل ہے۔ عربوں کے تجارتی معاہدات، لین دین کے اوقات، فصلوں اور پھلوں کے ٹھیکے، نیز دورانِ سفر جغرافیائی جہتوں کی شناخت، متعین ستاروں کے طلوع و غروب اور ان کی مختلف منازل کی بنیاد پر طے پاتے تھے۔ قرآن پاک میں بھی ستاروں کو انہی معنوں میں رہنمائی کا سبب بتایا گیا ہے۔

(الانعام: ۹۷، النحل: ۱۶، نیز دیکھیے۔ فتح الباری: ۵/۱۸۵)

اسی اصول کی بنیاد پر حدیثِ بالا میں فصلوں اور پھلوں کے وبائی امراض اور آفتوں سے محفوظ ہو جانے کی ایک خاص علامت کا تذکرہ کیا گیا ہے، فی الحقیقت یہ ایک سائنٹفک طریقہ ہے۔ علم فلکیات کے ماہرین کے مطابق ستارۂ ثریا فجر کے قریب طلوع ہوتا ہے اور اس کا زمانہ ماہ مئی کا تقریباً وسط ہے، یہ موسم گرما کا آغاز ہوتا ہے ان ایام میں پھلوں میں پکنے کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ اس کیفیت میں وبائی حملے کا خدشہ ٹل جاتا ہے یا بہت کم ہو جاتا ہے، وبائی اور جراثیمی ہوائیں بالعموم ثریا ستارے کے طلوع کے

Marfat.com

بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ (فتح الباری: ۴/۳۹۶)

ایک صاف ستھری اور فطری فضا میں یہ علامات ٹھیک رہنمائی فراہم کرتی ہیں، تاہم آجکل ماحولیاتی آلودگی کی کثرت اور زہر پاشی کی بہتات کے باعث واضح طور پر موسمی اور ہوائی تغیرات واقع ہو چکے ہیں جس کے سبب مظاہر فطرت کی تاثیر اور علامتی حیثیت میں نمایاں تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں۔

شہاب ثاقب (Meteor)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدَّثَنِی رَجَالٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ: بَیْنَمَاهُمْ جُلُوْسٌ عِنْدَالنَّبِیِّ اِذْرُمِیَ بِنَجْمٍ فَاسْتَنَارَ فَقَالَ: مَاکُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اِذْرُمِیَ بِمِثْلِ هٰذَا قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ، کُنَّا نَقُوْلُ: وُلِدَاللَّیْلَةَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ مَاتَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ فَقَالَ اِنَّهَا لَا تُرْمیٰ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَالِحَیَاتِهٖ، وَلٰکِنْ رَبُّنَا اِذَا قَضٰی اَمْراً سَبَّحَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ. وَیَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَیُرمُوْنَ.

(مسند احمد: ۱۸۸۲)

وَقَالَ: ثُمَّ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَجَبَ الشَّیَاطِیْنَ عَنِ السَّمْعِ بِهٰذِهٖ النُّجُوْمِ. (الاسماء والصفات، از: امام بیہقی ۴۲۴، دلائل النبوۃ، از: بیہقی ۲/۲۳۶)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: مجھے انصار کے کئی لوگوں نے بتایا کہ ہم آنحضرتؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک شہاب ثاقب پھینکا گیا جو بہت روشن تھا، آپؐ نے پوچھا جاہلیت کے زمانے میں جب کوئی ستارہ یوں گرتا تھا تو تم کیا کہتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں، البتہ ہم یہ کہتے تھے: آج رات کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے یا فوت ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ ستارے کسی کی موت اور زندگی پر نہیں پھینکے جاتے، بلکہ ہمارا رب جب کسی معاملے کا فیصلہ فرماتا ہے تو اہل آسمان یکے بعد دیگرے نچلے آسمان تک تسبیح

Marfat.com

بلند کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو امر ربی پہنچاتے ہیں، اس دوران شیاطین سُن گن لینے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ انہیں ان ستاروں سے مارا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ رب العزت نے شیاطین کو اہل آسمان کی باتیں سننے سے ان ستاروں کے ذریعے روک دیا ہے''۔

یہ حدیث آسمان کی بلندیوں میں اُن حوادث کا تذکرہ کرتی ہے جو نظامِ دنیا کی الٰہی تدبیر و تشکیل کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں، ان کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی وارد ہوا ہے۔ سورۃ الحجر: ۱۸، سورۃ الصافات: ۱۰، اور سورۃ الجن کی آیت نمبر ۸۔۹ میں ان شہابی گولوں کے مارے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

شیاطین جنات کا امورِ الٰہی کی خبر لینے اور جاسوسی کی غرض سے آسمانِ دنیا تک پہنچنا اور وہاں پر اللہ کے نافذ کردہ حفاظتی نظام کے تحت ان شیاطین پر دہکتے ہوئے انگاروں کا برسنا، مسلمانوں کے لیے تو اعتقادی علم کی حیثیت رکھتا ہے، البتہ ان شہابیوں کے پھینکے جانے کی نوعیت اور کیفیت سے عالم بشریت ناواقف تھی، پہلی مرتبہ حدیثِ مبارکہ میں اس کی تشریح و توضیح کی گئی اور بتایا گیا کہ فضا میں سُرعت سے تیرتے ہوئے یہ انگارے دراصل وہ ستارے ہیں جو حکم ربانی کے تحت مارے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے خلا میں مختلف اجرام فلکی کی شکست و ریخت اور ان کے اندر انفجاری عمل کی نشاندہی اسی حدیث سے حاصل ہوتی ہے، اس سے قبل توہمات اور چند مفروضوں کے علاوہ انسانوں کے علم میں کچھ بھی نہیں تھا، فلکیاتی سائنس دان بھی سولہویں صدی عیسوی کے اواخر تک فلکی مشاہدات سے محروم تھے، اسی زمانے میں دوربین (Telescope) کی ایجاد کے بعد علوم فلک کے ماہرین کو فضائے بسیط میں ستاروں کی ٹوٹ پھوٹ کا مشاہدہ نصیب ہوا۔

(دیکھیے: بنیادی ایجادات، از: جمیل احمد، ص ۵۰، اردو سائنس بورڈ)

نبی کریمؐ کے حق میں بطور معجزہ وقوع پذیر ہونے والا انشقاق قمر (Split the moon) کا واقعہ بھی اسی طرح کے عمل انفجار (Explosion) کو ثابت کرتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۶۲۷، الدلائل، از: امام بیہقی ۲/۲۶۲)

Marfat.com

ان احادیث سے اس سائنسی نکتے کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ کائنات کی پیدائش کے موقع پر جو انفجارِ عظیم (Big Bang) واقع ہوا تھا، اس کا تسلسل نہ صرف جاری ہے بلکہ اس طرح کا ہولناک دھماکا کسی بھی وقت دوبارہ ہوسکتا ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک یہ وقوعِ قیامت کا وقت ہوگا۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جس قدرتِ حق نے پہلے یہ عمل کیا تھا وہ دوبارہ بھی اس پر قادر ہے، اسی طرح جس قوت قاہرہ نے کائنات کے اجزا میں یہ تنظیم وترتیب قائم کررکھی ہے وہ اسے بکھیر بھی سکتی ہے۔

علم تقویم اور شمس وقمر (Calendar)

عَنْ اَبِی بَکْرَۃؓ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: اِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اِسْتَدَارَ کَھَیْئَۃِ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، اَلسَّنَۃُ اِثْنَا عَشَرَ شَھْرًا مِنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِیَاتٌ، ذُوالْقَعْدَۃَ وَذُوالْحِجَّۃَ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمٰادَیٰ وَشَعْبَانَ. (صحیح بخاری:۴۶۶۲،صحیح مسلم:۱۶۷۹)

''حضرت ابوبکرہؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: بے شک (آج) زمانہ گھوم کر اپنی اُسی حالت پر لوٹ آیا ہے جس حالت پر وہ زمین وآسمان کی تخلیق کے دن قائم تھا۔ سال بارہ مہینوں کا ہے، اُن میں چار مہینے حرمت والے ہیں، تین تو پے درپے ہیں، ذوالقعدہ ذوالحج اور محرم (البتہ چوتھا مہینہ) رجب، جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔''

درج بالا حدیث کے جملے دراصل نبی کریمؐ نے اُس خطاب میں فرمائے تھے جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں دس ذوالحج کو ارشاد فرمایا تھا، ان چند الفاظ میں نہ صرف علمِ تقویم کے بنیادی اور فطری اصولوں کی وضاحت کردی گئی ہے، بلکہ کیلنڈر سازی کے ضمن میں کی جانے والی من پسند تبدیلیوں اور مختلف اقوام کے پیدا کردہ تغیرات کی پوری تاریخ بھی سمودی گئی ہے۔

حدیث میں زمانے کے گھوم کر دوبارہ اپنے ٹھیک مقام آنے کی جو بات کی گئی ہے اس

Marfat.com

کی مختصر وضاحت ضروری ہے، یہ بات معروف ہے کہ عرب اپنی بود و باش اور صحرائی معاشرت کے اعتبار سے گنوار اور وحشی عادات کے حامل تھے۔ جنگجویانہ مزاج رکھتے تھے ایک دوسرے کی املاک پر تصرف و قبضہ گیری کے ذریعہ ہی اُن کی معاشی گزران ہوتی تھی، البتہ اس طرح کی مسلسل جنگیں ان کی سماجی و خاندانی اور قبائلی و مذہبی سرگرمیوں نیز علاقائی تہواروں اور میلوں ٹھیلوں کے انعقاد میں بڑی رکاوٹ تھیں، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں ہی قبائل عرب نے بالاتفاق سال کے چار مہینوں کو حرمت و تعظیم سے معنون کر دیا تھا، ان میں تین ماہ یکجا تھے۔ ذوالقعدہ، ذوالحج اور محرم اور ایک مہینہ رجب تھا، جو پانچ ماہ بعد آتا تھا۔ حرمت کے ان مہینوں میں جنگ اور لوٹ مار حرام سمجھی جاتی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ کم از کم سال میں دو مواقع ایسے اطمینان بخش اور پُر امن حالات والے میسر آ جائیں جن میں حج جیسی عظیم عبادت سمیت تجارتی و معاشی سفر ممکن ہو، مذہبی تہواروں اور علاقائی میلوں کا انعقاد بھی بہ سہولت کیا جا سکے۔ اس اتفاقی قانون کے باوجود بھی ان کی ہوسِ جنگ اور لوٹ مار کی خواہشات قابو میں نہیں آتی تھیں اور اکثر و بیشتر حرمت کے مہینوں میں بھی جنگیں برپا ہو جاتی تھیں۔ حرمت اور جنگ کے تصادم کا علاج عربوں نے یہ تجویز کیا کہ اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق حرمت کے مہینوں کو آگے پیچھے کر دیا جائے چنانچہ بالعموم ذوالقعدہ اور ذوالحج میں حج کی تیاریوں، مناسک کی ادائیگی اور گھروں تک واپسی کا مرحلہ ممکن ہو جاتا تھا اور تیسرے مہینے محرم کی حرمت بڑی شاق گزرتی تھی، لہٰذا محرم میں جنگ و جدل کے ذریعے حرمت کی پامالی کے بجائے وہ محرم کو صفر کی جگہ لے جاتے اور صفر کو پہلے لا کر اپنی لڑائی اور غارت گری کی خواہش پوری کر لیتے، بسا اوقات محرم کا یہ مہینہ پورے سال میں گردش کرتا رہتا تھا۔ اس عمل کو عرب ''نسی'' یعنی مؤخر کرنا کہتے تھے۔ (شرح النووی، ۱۱/۱۶۸، فتح الباری: ۸/۳۳۵)

مہینوں کی ترتیب میں خرابی کا ایک اور سبب بھی تھا جو قمری مہینوں کو شمسی مہینوں کے مطابق بنانے کی جبری کوشش کے نتیجے میں نمودار ہوتا اس ناروا اور غیر فطری حرکت میں عربوں کی یہ خواہش مضمر تھی کہ مذہبی تہوار بالخصوص ایامِ حج ہر سال ایک ہی مناسب موسم میں واقع ہوں اور قمری ترتیب میں موسموں کی تبدیلی سے انہیں کوئی مشقت نہ اٹھانی پڑے، اس

Marfat.com

طرح شمسی اور قمری سال کے درمیان تفاوت کے باعث ہر سال دس دن بڑھ جایا کرتے تھے، اس مشکل کا حل یہ نکالا گیا کہ سال میں بارہ ماہ کے بجائے تیرہ یا کبھی چودہ ماہ شمار کیے جائیں۔ اس نظام میں قریباً ۳۳ سال مہینے اپنی فطری جگہ پر نہ آتے اور چونتیسویں سال مہینوں کی فطری حیثیت اور جگہ عود کر آتی تھی، مہینوں کی زیادتی کے اس عمل کو کبیسہ کہا جاتا تھا۔ (دیکھیے: تفہیم القرآن، از: سید مودودی، ج ۲/۱۹۳۔ الشمس والقمر، از: عبدالرحمٰن کیلانی، ۲۰۔۲۱)

ان حرکتوں کے نتیجے میں صدیوں سے قائم مہینوں کی معروف تعداد اور معتبر ترتیب بگڑ کر رہ جاتی اور بعض مخصوص مہینوں کے ساتھ مرتبط عبادات کی ادائیگی بھی اپنے درست وقت کے بجائے آگے پیچھے ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دونوں تبدیلیوں کو حرام قرار دے دیا۔ (التوبہ: ۳۶۔۳۷)

قارئین کے لیے یہ بات حیرت کا باعث ہوگی کہ عربوں کی جانب سے مہینوں کی بے ترتیبی کے سبب سن نو، ۹ ہجری میں جب حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج مقرر کر کے روانہ کیا گیا اور ان کی قیادت میں ہزاروں مسلمانوں نے حج ادا کیا، تو یہ حج ذوالحجہ میں نہیں بلکہ ذوالقعدہ میں ادا کیا گیا تھا۔ اور یہ ایک خوشگوار اتفاق تھا کہ اگلے سال سن ۱۰ ہجری میں جب خود رسول اللہؐ نے مناسک حج ادا فرمائے، حج کی تاریخیں اپنے درست مقام پر یعنی ذوالحج کے مہینے میں عود کر آئی تھیں اور ماہ و سال کی وہ ترتیب بحال ہوگئی تھی جو تخلیقِ ارض و سماء کے موقع پر جاری کی گئی تھی۔ اسی بنا پر آپؐ نے اپنے خطبے میں یہ نادر و سنہرے جملے ادا فرمائے جو ابتدا میں حدیث کی صورت میں تحریر کیے گئے ہیں۔

(دیکھیے: کشف المشکل، از: امام ابن جوزی، ۱/ ۲۵۔ عمدۃ القاری، از: علامہ عینی، ۱۵/ ۱۱۴)

اس کے ساتھ ہی مہینوں کی تعداد میں کمی بیشی اور ان میں تقدیم و تاخیر کی فاسد رسم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ اور اللہ کی کتاب کے مطابق مہینوں کی تعداد بارہ مقرر کر دی گئی، بالتعیین بارہ کی تعداد بھی علم تقویم کے بہت گہرے اصولوں کی نشاندہی کرتی ہے جن کا انحصار چاند کی منزلوں پر قائم ہے، ماہرینِ فلکیات نے بہت بعد میں ان منازل کا مشاہدہ کیا۔ ایک قرآنی آیت میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ...... (یونس:۵)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو نور کا باعث بنایا اور اس نے چاند کی منزلیں مقرر فرما دیں، تا کہ تم لوگ برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کر سکو"۔

حدیث میں تخلیقِ کائنات کے موقع پر قمری نظامِ تقویم کا ذکر ایک نہایت آسان اور سائنٹفک اصول کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعہ عالم وفاضل اور ناخواندہ مہینے کے آغاز و انتہا کو بہ سہولت جان سکتے ہیں اور انہیں کسی حسابی جدول کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی بات ایک اور حدیث میں نسبتاً وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

عَنْ ابنِ عمرؓ عن النبیؐ قال: اِنّا اُمّةٌ اُمية لانكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا. یعنی مرة تسعة وعشرين و مرّة ثلاثين.

(صحیح بخاری:۱۹۱۳۔ سنن ابوداؤد:۲۳۱۹)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی پاکؐ سے روایت کرتے کہ آپؐ نے فرمایا: ہم ایک ناخواندہ امت ہیں ہم حساب وکتاب نہیں جانتے، بس مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ کا۔"

مذکورہ بالا تفاصیل کی روشنی میں حدیث نبوی قمری تقویم کو زیادہ سہل اور فطری قرار دے رہی ہے۔ تقویمی زائچوں اور اصولوں کے اعتبار سے یہ بہت گہری اور علمی بات ہے، کیونکہ اس جنتری میں مہینوں کا آغاز وانجام جاننا نہایت سہل اور غلطی سے مبرا ہے۔ اگر کبھی غلطی واقع ہو جائے تو اگلا چاند خود بخود اس کی تصحیح کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں مہینوں کی تعداد میں کمی بیشی کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ نیز اس میں سال کے ایام ہمیشہ یکساں رہتے ہیں اور شمسی تقویم کی طرح "لیپ" وغیرہ یا بارہ کو تیرہ چودہ کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

قمری اور شمسی کے درمیان یہ موازنہ الفاظِ حدیث اور فطری قوانین کی روشنی میں ہے، ورنہ ان دونوں تقویموں کے مابین فضیلت وترجیح کی بحث کوئی علمی مقام نہیں رکھتی۔ اور نہ ہی

Marfat.com

ان اسباب و وجوہ کا تذکرہ ہمارا براہِ راست موضوع ہے جن کے تحت آج دنیا میں اکثر علاقوں میں قمری کے بجائے شمسی تقویم اختیار کر لی گئی۔ الغرض یہ حدیثِ پاک علم تقویم میں واقع ہونے والی خرابیوں کی تاریخ اور کیلنڈر سازی کے بنیادی اصولوں کو واضح کرتی ہے۔ اس بارے میں تفصیل جاننے کے لیے دیکھیے۔

(الشمس والقمر، از: عبدالرحمان کیلانی، ۱۵۔۱۷ نیز ۱۱۵۔ تقویم تاریخی، از: عبدالقدوس ہاشمی)

وقت کی حد بندی اور گھڑی کا تصور

عَنْ اَبِی اُمَامَةَؓ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ذَاتَ يَوْمٍ فَكَانَ اَكْثَرُ خُطْبَتِهٖ ذِكْرُ الدَّجَّالِ فَقَالَ: وَاِنَّ اَيَّامَهُ اَرْبَعُوْنَ يَوْماً فَيَوْماً كَالسَّنَةِ وَيَوْماً دُوْنَ ذٰلِكَ وَيَوْماً كَالشَّهْرِ وَيَوْماً كَالْجُمُعَةِ وَيَوْماً كَالْاَيَّامِ وَسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَالشَّرَرَةِ فِی الْجَرِيْدَةِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ بِبَابِ الْمَدِيْنَةِ فَلَا يَبْلُغُ بَابُهَا الْآخَرُ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ قَالُوا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُصَلِّي فِی تِلْكَ الْاَيَّامِ الْقِصَارِ قَالَ تَقْدُرُوْنَ فِيْهَا كَمَا تَقْدُرُوْنَهَا فِی الْاَيَّامِ الطِّوَالِ ثُمَّ صَلُّوا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷، مستدرک حاکم: ۸۶۲۰)

"حضرت ابوامامہ باہلیؓ بیان فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہؐ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا: آپؐ کی گفتگو کا اکثر حصہ دجال سے متعلق تھا، آپؐ نے فرمایا: دجّال کے کُل چالیس دن ہوں گے، ایک دن پورے سال کے برابر ہوگا، پھر اگلا کچھ اس سے کم، پھر ایک دن مہینے کے برابر ہوگا اور اگلا ذرا اس سے کم، پھر ایک دن ہفتے کے برابر ہوگا، اور اگلا اس سے کچھ کم، پھر ایک دن عام دنوں کی مانند ہوگا اور باقی سارے دن اُس شعلے کی طرح ہوں گے جو خشک ٹہنی کو تیزی سے جلا ڈالتا ہے، حتیٰ کہ صبح کوئی شخص شہر کے ایک دروازے سے داخل ہوگا وہ ابھی دوسرے دروازے تک نہ پہنچا ہوگا کہ سورج غروب ہو جائے گا، صحابہؓ نے پوچھا اتنے چھوٹے دنوں میں ہم نمازیں کیسے پڑھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: جیسے تم لمبے دنوں

Marfat.com

میں وقت کا اندازہ لگاتے تھے اسی طرح ان چھوٹے دنوں میں بھی وقت کی حد بندی کرنا اور نمازیں ادا کرنا۔''

حدیث میں قربِ قیامت پیش آنے والے اُن زمانی تغیرات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو دن رات کے موجودہ دورانیے کے برخلاف یا تو بہت طویل ہو جائیں گے یا انتہائی مختصر، اس صورت میں یہ سوال پیدا ہونا لازمی تھا کہ جن دینی عبادات کا تعلق ہی مخصوص اوقات کے ساتھ ہے ان کی ادائیگی کی صورت کیا ہوگی؟ چنانچہ نبی کریمؐ نے صحابہ کرامؓ کے اس سوال کا بہت سائنسی جواب مرحمت فرمایا جس سے یہ واضح ہوگیا کہ نمازوں کے اوقات کا تعین اور اُن کے داخل یا خارج ہونے کی تحدید، معمول کے ایام میں رائج اوقات کار کے مطابق کر لی جائے۔ اس طرح پورے ایک سال یا ایک ماہ جتنے طویل دن کو چوبیس چوبیس گھنٹوں کی اکائیوں میں تقسیم کر کے اوقاتِ نماز کی تعیین با آسانی کی جا سکے گی۔ اسی طرح مختصر دنوں میں بھی اوقاتِ نماز کے درمیان زمانی فاصلوں کا تناسب نکالا جا سکے گا۔

حدیث میں آپؐ کی اس وضاحت سے دراصل وقت کی حد بندی اور پیمائش کا سائنٹفک اصول نمایاں ہوتا ہے، جس کے مطابق بعد میں جدید گھڑیاں ایجاد ہوئیں۔

یہ اشارہ آپؐ نے اس وقت فرمایا، جب وقت کی متعین تقسیم اور جز بندی کا کوئی تصور بھی شاید ممکن نہ تھا۔ اگرچہ تاریخ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ مصریوں نے ۳۵۵۰ ق م میں پتھروں کی مستطیل سلوں کے ذریعے وقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی، نیز مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقا میں بھی کئی انداز اپنائے گئے تھے مگر ان سب میں یہ خامی تھی کہ یہ اندازے صرف سورج کی موجودگی میں ہی ممکن تھے بادلوں اور رات کے اندھیرے میں اوقات جاننا ممکن نہیں تھا۔ (۱۰۰ عظیم ایجادات، ص ۱۵۰، از: ٹام فلبن)

حدیث مذکورہ میں بیان ہونے والے اصول کا اعجاز اور خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے سورج چاند کی موجودگی سے ماوراء روشنی و اندھیرے اور شب و روز، ہر حالت میں وقت کی پیمائش اور تقسیم ممکن ہے، یہ اشارہ بالکل موجودہ جدید گھڑیوں پر صادق آتا ہے جو گھنٹوں منٹوں بلکہ سیکنڈوں کو بھی اجزا میں تقسیم کر سکتی ہیں۔

Marfat.com

رویت قمر کی خصوصیت

عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ: کُنَّا عِنْدَالنَّبِیِّ فَنَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَاتُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ.

(صحیح بخاری:۵۵۴، رویۃ اللہ، از: امام دارقطنی:۱۳۹)

''حضرت جریرؓ فرماتے ہیں: ہم چودھویں کی رات رسول اللہؐ کے پاس تھے، آپؐ نے (مکمل) چاند کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: بے شک تم عنقریب اپنے رب کو بالکل اس طرح دیکھو گے جس طرح اس پورے چاند کو دیکھ رہے ہو اور کوئی تکلیف محسوس نہیں کر رہے''۔

حدیث کے الفاظ سے روزِ قیامت مشاہدۂ ربانی کا عقیدہ ثابت ہو رہا ہے، اس کے لیے جس تمثیل کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ سائنسی اعتبار سے بہت معنی خیز ہے۔ چشم انسانی ہمیشہ سے چانداور سورج کا مشاہدہ کرتی چلی آئی ہے، مگر جو راحت ولذت چاند کے نظارے میں ہے وہ سورج کو دیکھنے میں نہیں، بلکہ سورج کا نظارہ نہ صرف تکلیف دہ ہے بلکہ کئی قسم کے امراضِ چشم کا باعث ہے۔ اسی بنا پر سورج کے زیادہ نمایاں اور روشن ہونے کے باوجود آنحضرتؐ نے سورج کا استعارہ استعمال نہیں کیا، اس اسلوبِ بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ سورج کے نظارے میں ضرر پوشیدہ ہے، اس بات کا علمی ثبوت سائنس دانوں کو اس وقت ہاتھ آیا جب سورج سے نکلنے والی مختلف برقی ریز دریافت ہوئیں اور ان کے نقصان دہ اثرات معلوم ہوئے، اسی طرح حدیث میں چاند کے نظارے کے ساتھ یہ اضافی وضاحت کہ اس کے مشاہدے سے تمہیں کوئی الجھن و تکلیف محسوس نہیں ہوتی، اگرچہ انسانی تجربے کے مطابق ہے تاہم اس کی علمی تحقیق بھی بہت بعد میں ثابت ہوئی جب چاند سے آنے والی لہریں اوران کے مفید اثرات دریافت کیے گئے۔

ستارے حیاتِ جنت کی ایک مثال

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ یَتَرَاءَوْنَ

Marfat.com

الْغُرَفَ كَمَا يَتَرَاءُوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيِّ الْغَابِرِ فِي الْأُفُقِ.

(صحیح بخاری:۳۲۵۶، صحیح مسلم:۲۸۳۰)

''حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ؐ نے ارشاد فرمایا: بے شک اہل جنت دوسرے جنتیوں کی منازل بالکل اس طرح دیکھیں گے جیسے دور افق میں کسی چمکتے ستارے کو دیکھتے ہیں''۔

یہ حدیثِ مبارکہ حیاتِ جنت کی ایک محسوس اور معروف نقشہ کشی کر رہی ہے، جس سے جنت کی ایسی وسعت کی طرف اشارہ ملتا ہے جیسی ہم اس دنیا میں نظامِ شمسی اور ستاروں کے افلاک کے درمیان دیکھتے ہیں۔ سطح زمین پر دنیاوی زندگی کو دیکھ کر جنت کی زندگی کے بارے میں جو سوالات یا اشکالات کسی کے ذہن میں ابھرتے ہیں اُن کا ایک فنی جواب اس حدیث کے الفاظ میں مل جاتا ہے کہ جنت زمین کی طرح محدود اراضی پر مبنی نہیں بلکہ فلک کی بے کراں وسعتوں میں پھیلے ہوئے لامحدود ستاروں کی مانند ہوگی۔ کچھ عجب نہیں کہ ہر جنتی کو اس کے مقام اور اجر وثواب کے مطابق کوئی کرّہ تفویض کر دیا جائے، اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ جنتی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے محلّات کو ستاروں کی مانند دیکھیں گے۔ جنت کی اصل ہیئت اور اس کی وضاحت کے لیے نجوم و فلک کا تذکرہ دراصل سائنسی مقام کا حامل ہے جس میں کئی فنی مضمرات پنہاں ہیں۔ جو افلاک میں جھانکنے کی صلاحیت بڑھنے سے رفتہ رفتہ آشکار ہو رہے ہیں۔ ورنہ بے چارے سائنس دانوں کے اس نظریے کو کتنے دن ہوئے ہیں جب وہ یہ کہتے تھے کہ ستارے متحرک اجرام نہیں ہیں بلکہ یہ آسمان سے چپکے ہوئے اجسام ہیں۔

سورج چاند گرہن اور نوافل کی حکمت

عَنْ اَبِي بَكْرَةَؓ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى بِنَا حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَايَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ

Marfat.com

اَحَدٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يَكْشِفَ بِكُمْ.

(صحیح بخاری:۱۰۴۱، صحیح مسلم:۹۱۳)

''حضرت ابوبکرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریمؐ کے پاس تھے، اچانک سورج گرہن ہوگیا۔ نبی کریمؐ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے (تیزی سے) اٹھے اور مسجد میں داخل ہوگئے، پھر ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ سورج روشن ہوگیا۔ پھر رسول اللہؐ نے فرمایا: بے شک سورج اور چاند کو کسی کی موت سے گرہن نہیں لگتا، چنانچہ جب بھی تم ان دونوں کو گہن زدہ دیکھو تو نماز پڑھو اور دعائیں کرو، یہاں تک کہ یہ گرہن ختم ہو جائے''۔

فلکیات (Astronomy) کے جدید مشاہدے سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سورج اور چاند گرہن ان دونوں کرّوں اور زمین سمیت تینوں کے ایک خطِ مستقیم پر آجانے سے وجود میں آتا ہے، اگر سورج اور زمین کے درمیان چاند آجائے تو سورج گرہن واقع ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اگر چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے تو چاند گرہن کی کیفیت سے گزرتا ہے۔ الٰہی انتظام کے مطابق فضائے بسیط میں تمام سیارے اپنے اپنے گردشی مدار میں گھومتے ہیں ان کے ارد گرد کشش کا ایک دائرہ انہیں اپنے محور پر قائم رکھتا ہے، جب تک یہ تمام سیارّے فضا کی لامتناہی وسعتوں میں دور دور تیرتے رہتے ہیں تب تک ان کے باہم ٹکرانے یا کششی طاقت کی بنا پر ایک کے دوسرے کی طرف کھنچ آنے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ البتہ یہ خدشہ اس وقت فطری طور پر بہت بڑھ جاتا ہے جب دو یا تین سیارّے ایک دوسرے کے بالکل متوازی آجائیں ایسی صورت میں ان کے درمیان کششِ ثقل کا مقابلہ ہوتا ہے اور ہر سیارہ اپنے مدار میں قائم رہنے کی خاطر بہت قوت صَرف کرتا ہے، جب تک یہ ایک ہی سیدھی لائن پر ایک دوسرے کے مقابل رہتے ہیں، یہ خطرہ منہ کھولے کھڑا رہتا ہے کہ مبادا یہ آپس میں ٹکرا نہ جائیں اور طاقتور کشش رکھنے والا سیارہ کہیں کمزور کو اپنی طرف کھینچ نہ لے، اس صورت میں ہولناک تباہی کا بالکل یقینی تصور کرنا چنداں مشکل نہیں۔ تجاذب اور کشش (Gravity) کے اس قانون کے مطابق کئی مصنوعی سیارّے

Marfat.com

زمین سے ٹکرا چکے ہیں، اسی طرح دوسرے مداروں میں ٹوٹنے والے بعض سیاروں کے نہایت دیوہیکل اجزا بھی بکھر کر زمین سے متصادم ہو چکے ہیں۔

(ایجادات اور دریافتیں، ۱۲۸۔۱۳۲، از: سرفراز احمد)

سیاروں کی اس طاقتور کششِ ثقل اور ان کے باہم مقابلے کی کیفیت کو پیشِ نظر رکھیں تو حدیث پاک میں گرہن کے موقع پر رسول اللہؐ کا نوافل و نماز ادا کرنا، گھبراہٹ کا مظاہرہ کرنا اور دعا و استغفار کو طویل وقت تک جاری رکھنے کی حکمتیں با آسانی سمجھ میں آجاتی ہیں۔ بحیثیت ایک برگزیدہ رسول آپؐ کے منصبِ نبوت کا قطعاً یہ تقاضا نہیں تھا کہ آپؐ افلاک اور سیاروں کے نظام میں کسی جزوی تغیر کی عقدہ کشائی فرمائیں بلکہ آپؐ کے فرائض میں بندوں کو اللہ کی جانب متوجہ کرنے اور انجام کائنات اس حادثۂ عظیم سے ڈرنے کا وظیفہ شامل تھا جسے روزِ قیامت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض احادیث میں سورج گرہن کے موقع پر آپؐ نے سخت تشویش کے عالم میں قیامت کے واقع ہونے کا خدشہ بھی ظاہر فرمایا اور اللہ کے حضور طویل گریہ وزاری کے ذریعے مغفرت طلب فرمائی۔ (صحیح ابن خزیمہ۔۱۳۷۱، نیز ۹۰۱) یہ وضاحت بھی فرمائی کہ اللہ رب العالمین اپنی ان نشانیوں کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۳۷۴)

فلکیاتی اصولوں کے مطابق گرہن کی کیفیتوں پر غور فرمائیں تو قیامت کے خوفناک اور دل ہلا دینے والے حوادث کچھ بعید دکھائی نہیں دیتے، بلکہ اُن کا خدشہ گرہن کے دورانیے میں ہر آن سر پر منڈلاتا رہتا ہے، کم از کم انسان کے پاس ایسی کوئی قوت اور سائنس نہیں ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو اس خدشے سے یقینی طور پر محفوظ بنا سکے۔ یہ محض الٰہی انتظام اور بندش ہے جس کے بموجب یہ سیارے اپنے اپنے مدار سے تجاوز نہیں کرتے ورنہ گرہن کے دوران تو اس تجاوز کا اندیشہ بالکل سامنے دکھائی دیتا ہے۔ ایسے مواقع پر ایک مومن و مسلمان کے لیے نوافل و ذکر اور تلاوت و استغفار سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ گرہن سے متعلق احادیث ان تمام حقائق اور قوانین کی جانب بھی اشارہ کرتی ہیں جنہیں جدید سائنس میں تجاذب (Gravity) اور کمیت (Mass) کا قانون کہا جاتا ہے۔ یہ

Marfat.com

قانون ان احادیث کے صدیوں بعد ۱۶۸۷ء میں آئزک نیوٹن نے دریافت کیا تھا۔

(ایجادات اور دریافتیں ۱۳۱)

سورج کا عرش کے نیچے سجدہ

عَنْ اَبِی ذَرٍّؓ قَالَ: اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ لِاَبِی ذَرٍ حِیْنَ غَرِبَتِ الشَّمْسُ، اَتَدْرِیْ اَیْنَ تَذْهَبُ؟ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: فَاِنَّهَا تَأْتِی تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَأْذِنُ فَیُؤْذَنُ لَهَا وَیُوْشَکُ اَنْ تَسْجُدَ فَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا وَتَسْتَأْذِنَ فَلَا یُؤْذَنُ لَهَا وَیُقَالُ لَهَا اِرْجِعِی مِنْ حَیْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا وَذٰلِکَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی: وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ: الخ۔

(صحیح بخاری: ۳۱۹۹، کتاب العظمۃ، از: ابوالشیخ۔ ۱۱۹۰)

''حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں: غروب شمس کے موقع پر ایک بار آنحضرتؐ نے اُن سے کہا: جانتے ہو یہ سورج کدھر جارہا ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: یہ عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور دوبارہ طلوع کی اجازت لیتا ہے، مگر عین ممکن ہے کہ کسی دن اسے یہ اجازت نہ ملے، بلکہ اسے کہا جائے کہ جدھر سے آئے ہو اُسی طرف واپس لوٹ جاؤ۔ چنانچہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا اور ایسا قربِ قیامت میں ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کے اس قول کی تشریح یہی ہے کہ:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِo (یٰس:۳۸)

''اور سورج اپنے طے شدہ راستے پر گامزن ہے، اس کا اندازہ مقتدر اور باخبر ذات کا تشکیل کردہ ہے''۔ (صحیح بخاری: ۳۱۹۹، کتاب العظمۃ، از: ابوالشیخ۔ ۱۱۹۰)

حدیث مبارکہ کا یہ بیان بہت سے لوگوں کے لیے اشکال کا باعث بنا ہے۔ اور ڈاکٹر مورس بوکائی جیسے اہل علم نے بھی اسے مبہم اور ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ (بائبل قرآن اور سائنس: ۲۹۳) تعجب ہے کہ ایک سادہ سی حقیقت بھی کئی دانشوروں کو سمجھ نہ آسکی، اگرچہ اس

Marfat.com

کے ظاہری الفاظ بہت سے پوشیدہ اسرار کی جانب اشارہ کرتے ہیں، تاہم حدیث کا مفہوم بہت واضح ہے آسمان کی یہ بے کراں وسعتیں اور ان میں موجود معلوم اور نامعلوم اجرام بالآخر عرشِ الٰہی کے نیچے ہی تو واقع ہیں اسی طرح سورج کے غروب ہونے اور مسلسل نیچے کی جانب جانے کو سجدے سے تعبیر کرنے میں کوئی لغوی اور عملی رکاوٹ نہیں یہ جہاں بھی غروب ہوگا، عرش کے نیچے ہی ہوگا سجدے اور غروب کا عمل ہر آن بھی ہو رہا ہو تو اسے سمجھنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ (حاشیہ، مصطفیٰ البغاء بر صحیح بخاری۔۴/۱۰۷)

آج سائنس نے سورج کی معلوم گردش کے علاوہ کئی دیگر گردشیں بھی دریافت کر لی ہیں، ان میں ایک گردش ایسی ہے جس میں سورج انتہائی بلندی (Solar Apex) تک جا پہنچتا ہے، سولر اپیکس کی اس اصطلاح کا ترجمہ بلندی، علو یا عرش کے علاوہ کچھ اور ممکن نہیں۔

(سر راہے گاہے، از: پروفیسر رفیق، ص ۱۸۶)

حدیث بالا میں سورج کی گردش کا بھی اظہار کیا گیا ہے، ڈاکٹر بوکایے نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے جبکہ ماہرینِ فلکیات بہت سرگردانی اور اپنے ہی قائم کردہ متعدد نظریات کی نفی کرتے ہوئے بالآخر گردشِ شمس کے معترف ہوئے۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لاتقوم الساعة حتی تطلع الشمس من مغربها. (صحیح بخاری:۴۶۳۶)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک سورج اپنے مغرب سے طلوع نہ ہو جائے''۔

یہ حدیث گردشِ شمس میں ایک حیرت انگیز اور انقلابی تغیر کی اطلاع دے رہی ہے۔ مسلمانوں کے معاشرے میں صدیوں سے اس پر کوئی اعتراض سامنے نہیں آیا نہ ہی آپؐ کی زبانِ مبارک سے اس حدیث کو براہ راست سننے والے صحابہؓ نے اس کی کوئی وضاحت آپؐ سے طلب کی۔ اس کی ایک واضح اور علمی وجہ تو یہ ہے کہ بدیہی طور پر اس کارخانۂ قدرت میں

Marfat.com

یہ ناممکن نہیں، کیونکہ ستاروں کی موجودہ گردش اگر ہمارے اندازوں اور علم کے بغیر وجود میں آسکتی ہے تو اس میں تبدیلی بھی واقع ہوسکتی ہے، جس قوت کا یہ کارنامہ ہے اسے کسی دوسرے کارنامے سے روکا نہیں جاسکتا۔ یہ ایک ایسا سائنسی قیاس ہے جسے عالم کے ساتھ جاہل بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

نظامِ شمسی کے گہرے مشاہدات اور علومِ فلک کی ترقی نے اب ان معترضین کو بھی اس کا علمی جواب مہیا کردیا ہے جو اپنی بے خبری کے باعث اسے ناممکن قرار دیتے تھے۔

علومِ فلکی کے ماہرین یہ کہتے ہیں کہ نظامِ شمسی کے تمام سیاروں میں یہ عکسی تحرک پایا جاتا ہے اور مریخ پر تو بالفعل یہ واقع ہوچکا ہے کہ سورج مریخ کے مغرب سے طلوع ہوکر مشرق کی طرف گیا ہے، سائنس دانوں نے اسے اُلٹی گردش (Retrograde Motion) کا نام دیا ہے۔

(دیکھیے: www.space.com)

ہمارے نظامِ شمسی میں مریخ کرۂ ارض کے سب سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ علماء کا کہنا ہے کہ یہ عمل زمین کے ساتھ بھی ہوگا، اس کا بنیادی سبب اُن کے نزدیک وہ غیر متناسب محوری گردش (Irregular Rotation) جو زمین سمیت تمام سیاروں میں پائی جاتی ہے جو بالآخر اُلٹی گردش یا عکسی تحرک پر منتج ہوگی۔

(http.//www.madsci.drg/posts/archives...2463.ph.r.html)

ستارے اور حوادثِ زمانہ

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍؓ قَالَ: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلَ اللّٰهِؐ بِالْحُدَيْبِيَّةِ صَلَاةَ الصُّبْحِ عَلٰى اِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ، اَقْبَلَ النَّاسَ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ، قَالَ: اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ، فَاَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ كَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ. (مؤطا:۴۵۱، صحیح بخاری:۸۴۶)

Marfat.com

''حضرت زید بن خالدؓ فرماتے ہیں: نبی کریمؐ نے حدیبیہ کے مقام پر ہمیں نمازِ فجر پڑھائی، جبکہ رات کو بارش ہو چکی تھی، آپؐ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تمہیں پتا ہے تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے: لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہوئے اور کچھ کافر ہو گئے، جس نے کہا اللہ کے فضل اور رحمت کے سبب ہم پر بارش برسی وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا، اور جس نے کہا کہ یہ بارش ہم پر فلاں فلاں ستارے کے طلوع ہونے کے باعث ہوئی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔''

یہ حدیث مبارکہ توحید الٰہی کے مطلوبہ تقاضوں کو واضح کر رہی ہے، اس کے ساتھ ہی ستاروں کے بارے میں رائج اُن نظریات اور توہمات کا تجزیہ بھی کرتی ہے جو اس وقت کے عرب معاشرے میں راسخ تھے، اس حدیث میں ماہیئت نجوم کے زمینی حوادث پر اثرات کی طویل بحث کو بھی چند جملوں میں سمیٹ لیا گیا ہے جس پر علمِ نجوم میں لمبی لمبی بحثیں موجود ہیں۔ حدیث میں خاص طور پر ''نوء'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ دراصل علمِ فلک کی ایک فنی اصطلاح ہے اور مختلف ستاروں کے طلوع اور خاص اسی وقت دوسرے ستارے کے غروب پر بولی جاتی ہے، عربوں کے ہاں ایک قمری سال میں کُل اٹھائیس انواء ہوتی تھیں، ہر تیرہویں دن ایک نوء ختم ہوتی اور دوسری شروع ہوتی۔ اس طرح اٹھائیسویں نوء کے خاتمے پر سال پورا ہو جاتا تھا، عربوں کا اعتقاد یہ تھا کہ بارشوں کا برسنا، موسم کی تبدیلی، ہواؤں کا چلنا، آندھیوں طوفانوں کا نمودار ہونا اور سفر کے لیے حالات کا سازگار ہونا انہی انواء کی بدولت ہوتا ہے، زندگی کے دیگر معاملات میں بھی بہت سے اعتقادات انہی انواء سے جڑے ہوئے تھے، ہر نوء کے موقع پر ایک مخصوص ستارے کے غروب اور دوسرے کے طلوع کا ٹھیک اندازہ لگانا باقاعدہ ایک فنی معاملہ تھا، لیکن صحرائی بدوؤں کو بھی اس پر دسترس حاصل تھی۔ (دیکھیے: الانواء فی مواسم العرب، از: ابن قتیبہ الدینوری، ص ۶)

حدیث بالا میں علمِ نجوم سے متعلق اس پورے فکر و فن کا احاطہ کرتے ہوئے اس کی جامع

Marfat.com

تردید کردی گئی ہے۔ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ستاروں کی کیفیت اور مقام وحرکات کا حوادثِ زمانہ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ تدبیر کائنات کا مرکز کچھ اور ہی ہے جس پر نجوم کی رفتار اور طلوع وغروب اثر انداز نہیں ہو سکتے، حدیث میں بارش برسانے کی الٰہی انتظام کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ جدید علمِ موسمیات میں بھی علمِ نجوم کے بجائے دیگر کائناتی علامات کو بنیاد بنا کر بارش و طوفان کی پیش گوئی کی جاتی ہے۔

Marfat.com

فہرست مصادر و مراجع

القرآن الکریم

تفسیر طبری
تفسیر ابن کثیر
تفسیر ابی حیان
المعجم المفہرس لالفاظ القرآن
تفہیم القرآن ۔سید مودودی

حدیث نبوی

صحیح بخاری
صحیح البخاری
صحیح مسلم
مؤطا امام مالک
سنن ابوداؤد
جامع ترمذی
سنن نسائی
سنن ابن ماجہ
معجم الطبرانی الکبیر
معجم الطبرانی الاوسط
معجم الطبرانی الصغیر
معجم ابن عساکر
مصنف ابن ابی شیبہ
مصنف عبدالرزاق
مسند ابن ابی شیبہ
مسند الشافعی
مسند ابویعلی الموصلی
مسند البزار
مسند امام ابوحنیفہ
مسند الطیالسی
مسند امام احمد
مسند الوعوانہ
مستخرج ابوعوانہ
مستخرج الطوسی علی الترمذی
سنن البیہقی
الآداب از بیہقی
الدلائل از بیہقی
الاسماء والصفات از بیہقی
معرفۃ السنن والآثار از بیہقی
سنن دارقطنی
الآثار از امام ابویوسف
سیرۃ ابن ہشام
التلخیص از خطیب بغدادی
المنتقی از ابن جارود
معرفۃ الصحابہ از ابونعیم
صریح السنۃ از امام طبری
سنن الفتن از ابوعمرو الدانی
کتاب الوفاہ از امام نسائی
الاحکام الشرعیہ از عبدالحق اشبیلی
مسند الشہاب از قضاعی
کتاب العظمۃ از ابوالشیخ

Marfat.com

مکارم الاخلاق از خرائطی
الامثال از ابوالشیخ
الدعوات از بیہقی
الجہاد ابن ابی عاصم
الایمان از ابن مندہ
تہذیب الآثار طبری
التوبیخ والتنبیہ ابوالشیخ
طبقات الکبری ابن سعد
البعث از ابن ابوداؤد
حدیث سفیان الثوری
کتاب النزول از دارقطنی
شعار اصحاب الحدیث
الاوسط از ابن منذر
عمل الیوم واللیلہ از ابن سنی
تاریخ الخولانی
مسند الرویانی
سنن دارمی
شعب الایمان از بیہقی
اخبار مکہ از فاکہی
رویۃ اللہ از دارقطنی
حلیۃ الاولیاء از ابونعیم
کنز العمال از ہندی
صحیح ابن خزیمہ
صحیح ابن حبان
موارد الظمآن زوارد ابن حبان
کتاب الزہد از امام احمد
السنۃ از ابن ابی عاصم

الطب النبوی از ابن نعیم اصفہانی
جامع معمر بن راشد
مستدرک امام حاکم
الاحاد والثانی از ابوعمرو الدانی
الادب المفرد از امام بخاری
تعظیم قدر الصلاۃ امام مروزی
بلوغ المرام ابن حجر
المسند الجامع
النہایۃ فی غریب الحدیث از ابن اثیر
مسند ابن مثنیٰ
امالی ابن سمعون
فوائد تمام۔ ابوالقاسم الرازی
الشریعہ از امام آجری
زوائد علی مسند احمد
معانی الاخبار از کلاباذی
التوحید از ابن مندہ
الادب از ابن ابی شیبہ
التوحید از ابن خزیمۃ

الشروح حدیث

فتح الباری از حافظ ابن حجر
فتح الباری از حافظ ابن رجب
شرح النووی
عون المعبود شرح سنن ابوداؤد
تحفۃ الاخوذی شرح سنن ترمذی
معالم السنن از امام خطابی
شرح سنن ابوداؤد از عبدالمحسن العباد
شرح مسند احمد از احمد شاکر

Marfat.com

ارشاد الساری از قسطلانی
عمدۃ القاری از علامہ عینی
فیض القدیر از مناوی
مصابیح التنویر از البانی
مشکلات الاحادیث النبویہ
کشف المشکل از ابن جوزی
نیل الاوطار از شوکانی
المفہم لما اشکل فی مسلم
فیض الباری۔ انور شاہ کاشمیری
تعلیق علی البخاری۔ مصطفیٰ البغاء
دلیل الفالحین۔ ابن علان

علم طب

الحاوی۔ از محمد بن زکریا الرازی
الحقائق الطبیہ۔ ڈاکٹر عبدالرزاق کیلانی
العدوی بین الطب النبوی والطب الحدیث۔ از ڈاکٹر نائل کردی
الطب النبوی۔ از ابن قیم
التغذیۃ والطب الوقائی فی الحدیث۔ محمد عبد محمود
نموالانسان۔ آمال صادق
الطب النبوی والعلم الحدیث
روائع الاعجاز الطبی۔ عبدالدائم الکحیل
الاعجاز العلمی فی الحبۃ السوداء۔ ڈاکٹر احمد قاضی
السواک فی میزان الصیدلہ/علی الرغبان
القانون۔ از ابن سینا
روائع الطب الاسلامی۔ از ڈاکٹر نزاد دقر
نظرات اسلامیہ وامراض جلدیہ۔ محمد عبدالمنعم
الاعجاز العلمی فی لفظ الجنابہ۔ عبدالبدیع
اسس علم البکتیریا۔ رجاء محمود
الوجیز فی علم الاجنہ۔ ڈاکٹر محمد علی البار
طبقات الاطباء
ساپورو میڈیکل جرنل جاپان ۱۹۸۶
سنت نبوی اور جدید سائنس۔ طارق محمود
اسلام اور جدید میڈیکل سائنس۔ ڈاکٹر قدرت اللہ
دل کی بیماریاں اور علاج نبوی۔ از خالد غزنوی
شفا بخش غذائیں۔ ڈاکٹر باکھرو
اسلامک میڈیسن
سنت نبوی پر تحقیقات
کتاب المفردات۔ مظفر اعوان
بائیوکیمیکل ریسرچ رپورٹ ہارورڈ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ ۱۹۹۵ء

متفرق فنی کتب

وکی انسائیکلوپیڈیا
ہیومن باڈی سارہ بریور/ٹومی کرافٹ
مجلہ فیملی فزیشن
مجلہ حضارۃ الاسلام ۱۹۷۵ء
مجلہ لواء الاسلام ۱۹۵۷ء
مجلہ البحوث الاسلامیہ ج ۲، ص ۲۹۲
مجلہ الطبیہ العربیہ ۱۹۹۳ء
تحفۃ المودود باحکام المولود۔ ابن قیم
التصویر النبوی للقیم الخلقیہ۔ از علی صبح
موسوعۃ الاعجاز النبوی۔ ڈاکٹر سمیر عبدالحلیم
الاعجاز العلمی فی الاسلام۔ ڈاکٹر محمد عبدالصمد
الاعلام از زرکلی
جامع العلوم والحکم۔ از ابن رجب
الاعجاز العلمی فی الحدیث۔ عبدالرحیم ماردینی
العلوم والایمان۔ خلیل ابراہیم

Marfat.com

السیاسۃ از ابن سینا
روائع الاعجاز فی القرآن والسنۃ
کتابات اعداء الاسلام۔ شربنی
معارف لدنیہ از عبدالحق دہلوی
التداوی بالبان والبوال الابل۔ ڈاکٹر شہاب بدری
الاستشفاء بالصلاۃ۔ ڈاکٹر زہیر قراحی
القرآن وعلم النفس۔ عثمان نجاتی
الحدیث وعلم النفس۔ عثمان نجاتی
معالم التحلیل النفسی۔ عثمان نجاتی
شرح الاربعین از عطیہ سالم
حیاۃ الحیوان الکبریٰ۔ موسیٰ دمیری
مختار الصباح۔ جوہری
موسوعۃ علم النفس۔ عبدالمنعم حنفی
معجم علم النفس۔ ڈاکٹر فاخر عقل
الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ ڈاکٹر زحیلی
الانواء فی موسم العرب۔ ابن قتیبہ الدینوری
روزنامہ جنگ
روزنامہ ایکسپریس
روزنامہ دنیا
روزنامہ نوائے وقت
خواتین میگزین
فرائیڈے اسپیشل
اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات
سائنسی دریافتیں۔ اردو سائنس بورڈ
قرآن رہنمائے سائنس۔ ہارون یحییٰ
دنیائے اسلام میں سائنس کا عروج۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن
نیشنل وائٹل شماریاتی رپورٹ ج ۵۸
۱۰۰ عظیم دریافتیں۔ ٹام فلبن
بائبل قرآن اور سائنس۔ موریس بوکائی
سنت نبوی پر تحقیقات
حاشیہ انگریزی صحیح بخاری۔ از ڈاکٹر محمد محسن
ایجادات اور دریافتیں۔ سرفراز احمد
فیروز اللغات
رسالہ ٹائم جولائی ۱۹۹۳ء
توانائی کے کرشمے۔ بہرام خان
سرراہے گاہے۔ احمد رفیق اختر
اسلام پر چالیس اعتراضات کا جواب
چیونٹی ایک معجزہ۔ ہارون یحییٰ
جانوروں کا جذبہ قربانی۔ ہارون یحییٰ
جنس اور زندگی
بنیادی ایجادیں۔ جمیل احمد
الشمس والقمر۔ عبدالرحمٰن گیلانی
تقویم تاریخی۔ عبدالقدوس ہاشمی
فلسفہ سائنس اور کائنات۔ ڈاکٹر محمود علی
گرین ہاؤس ایفیکٹ۔ راشدہ ریاض

* Human body by Dr. Saro Bravier /Dr. Normi Craft.
* Magazine Mujalla Family Physician June 1990 Enterview by Professor Veizvel.
* The Wisdom of the body by Dr. Walter Conon.
* www.fasting.com

Marfat.com

* Fasting for Health and long life by Dr. Harvard.
* The Sapooro Medical Journal, 1986, Japan.
* Vicky encyclopedia topic Obesity.
* National Vital Statistics Reports volume 58, No.10.
* Human body by Brian & Ward page 22 to 27.
* Magazine 'Time' page no.5, July 1993.
* Islamic Medicine by Manered Ullmann.
* Invisible helpers page no.4, Dr. Ledbetter.
* 'Sriffing out human sexual chenistry' Harvard Research Journal, 1994-96.
* The Master and the path by R.W. Train.
* Heart brain Neurodynamics by Dr. Rollin Mocraty.
* Great Invention page no.41.
* The Bible as history a conformative of book of books 75-76, New York.
* Essentials of anatomy & physiology by Dr. Keith L. Moore, page no.57.
* Bio chemical research report Harvard Medical Institute, 1995.
* The Master and the path by Dr. R.W.Train
* Wikipedia topic Histamine.
* Wikipedia 'The concept of spirition'.
* Tears in vicky encyclopedia.
* Wikipedia sait Kaba.
* Circulatory system in vicky encyclopedia.
* www.space.com
* http//maosci.drg/posts/archives...2463.ph.r.html.

Marfat.com

حدیثِ نبوی ﷺ

اور

سائنسی علوم

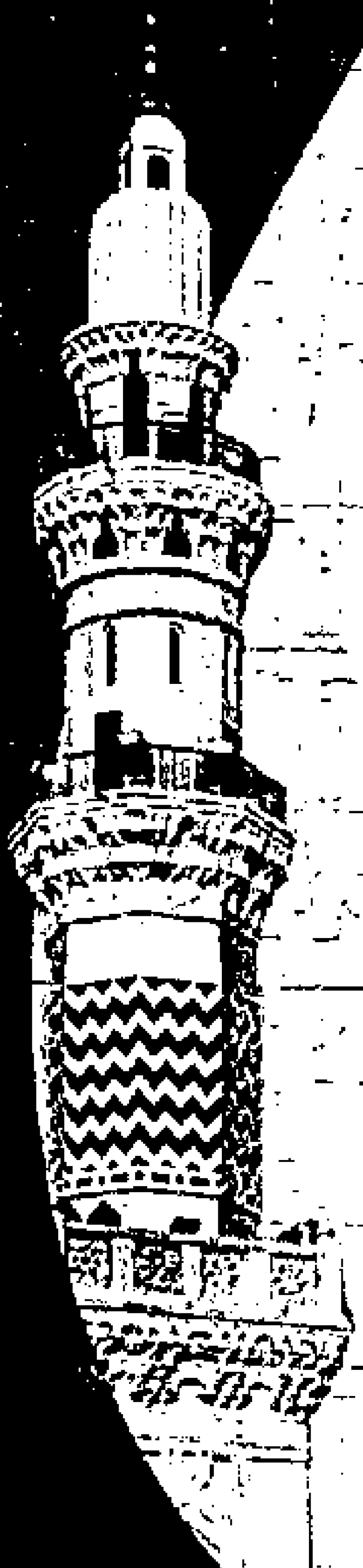

مولانا عبدالحق ہاشمی

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی

Marfat.com